

کی جان سے کہیں

میر تقی میر



کی جاناں میں کون!

فرحت شوکت

طاہر سنز پبلشرز
۳۰۔ بی، اردو بازار۔ لاہور
فون: 7234137 فیکس: 7312159
Website: www.tahirsonspublishers.com
E-mail: info@tahirsonspublishers.com

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

انتساب

میرے محترم والدین
تمام عزیز بہنوں، بھائیوں اور پیاری سہیلی
کے نام
جنہوں نے مجھے قدم قدم پر اعتماد اور
حوصلے جیسی عظیم طاقت کا احساس دلایا
جس کو پا کر انسان مشکل سے مشکل سفر آسانی طے کر سکتا ہے

نام کتاب	ۛۛ	کی جاناں میں کون!
مصنفہ	ۛۛ	فرحت شوکت
ہائل ڈیزائن	ۛۛ	سید عمران زیدی
کمپوزنگ	ۛۛ	عاصم شہزاد (طاہر سنز آرٹ سیکشن)
ناشر	ۛۛ	فرحان زیدی نے طاہر سنز پبلشرز
		اردو بازار لاہور سے شائع کیا
مطبع	ۛۛ	محمد سید شاہ پرنٹنگ پریس
سن اشاعت	ۛۛ	نومبر 2009ء
قیمت	ۛۛ	200/- روپے

(فرحت شوکت)

پیش لفظ

ہر انسان کے اندر قدرت نے کوئی نہ کوئی خوبی پوشیدہ رکھی ہوتی ہے۔ اب یہ انسان کا کام ہوتا ہے کہ وہ اپنے اندر موجود صلاحیتوں کو محسوس کرے اور پھر اُجاگر کرے۔ میرے اندر الفاظ کا ساکت سمندر تھا جس میں احساس کا کنکر گرا تو ارتعاش سا پیدا ہو گیا۔ تب الحمد للہ میں نے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے الفاظ صفحہ قرطاس پر بکھیرے تو ان میں ایک جان سی پیدا ہو گئی۔

میں نے جب لکھنا شروع کیا تو میں نہیں جانتی تھی کہ میں صحیح لکھ رہی ہوں یا غلط؟ اچھا لکھ رہی ہوں یا برا؟ اور جو لکھ رہی ہوں وہ کسی پرچے میں قابل اشاعت بھی ہوگا یا نہیں؟ میں نے جو بھی لکھا، لکھ کر الماری کے نچلے خانے میں رکھ دیا۔ ایسا نہیں تھا کہ مجھے رد کئے جانے کا خوف تھا بلکہ میں یہ سوچتی تھی کہ آخر میں یہ سب کیسے اور کیونکر لکھ رہی ہوں، وہ کون سی طاقت ہے جو میرے قلم کو روانی اور پختگی سے چلا رہی ہے۔ یقیناً یہ اللہ کی پاک ذات تھی جو مجھے قلم کی طاقت سے آشنا کرانا چاہتی تھی۔ دوسری صورت میں اس لئے پریشان تھی کہ خاندان میں پہلے کبھی کوئی ایسا شخص میری نظروں سے نہیں گزرا جس کو میں نے قلم کا استعمال بحیثیت ایک مصنف کے کرتے دیکھا ہو۔ تب معلوم ہوا کہ فن کسی کی میراث نہیں ہوتا۔

میرے رب کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے کہ مجھے ہمیشہ بہت مخلص لوگ ملے ہیں جو مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں کہ میں اللہ کا ترانے آکھوں سمیت جتنی بار شکر ادا کروں، کم ہے۔ میری ہر کامیابی اللہ کی رحمت، میرے والدین کی دعاؤں، میرے تمام بہن بھائیوں کی حوصلہ افزائی اور میری عزیز سہیلی کی محبت کا ثمر ہے۔

آشنا کروں کہ اصل زندگی میں ان تمام چیزوں کا کوئی تصور نہیں ہے۔ میں اپنی اس کوشش میں کس قدر کامیاب ہوں اس کا فیصلہ آپ کریں گے۔

موجودہ حالات اور ماحول کے برعکس میرے ناولز میں موجود کرداروں کا ایک مخصوص حد میں رہ کر گفتگو کرنا، اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی اقدار کا خیال کرتے ہوئے اپنے کرداروں کو لفظوں کی صورت میں پیش کرنا، میرے کرداروں میں موجود مختلط رویہ اور گریز شاید بہت سے لوگوں کو دقیانوسی خیالات معلوم ہوں مگر میں ایسا ہی لکھ سکتی ہوں اور ایسا ہی لکھوں گی۔ مغربی طرز پر پھیلائی معاشرے میں بے جا آزادی اور بے راہ روی کی میں خود بھی حامی نہیں ہوں۔ لہذا میرے تمام کردار بھی ان تمام تعیشتات سے بالکل مستثنیٰ ہیں۔ شاید اس لئے کہ جہاں ابھی میرے جیسے لکھنے والے لوگ ہیں تو یقیناً پڑھنے والے بھی ہوں گے۔

میں آج اگر آپ سے مخاطب ہوں تو یہ میرے والدین اور تمام بھائیوں کا احسان ہے کہ انہوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی۔ میری دونوں بہنوں نے میری حوصلہ افزائی کی اور میری پیاری سہیلی جو بے تحاشا ڈانٹ ڈپٹ کر کے مجھے زیادہ سے زیادہ لکھنے پر مجبور کرتی رہی ہے اور اتنا پیار اور عزت دینے والے قارئین جن کی محبتوں کے باعث آج میں اس مقام پر ہوں۔ جہاں اتنے سارے لوگوں کا پیار، محبت اور خلوص شامل ہو وہاں مجھ جیسی عام سی لڑکی ایک حساس مصنفہ کے طور پر ہر نئے انداز میں آپ سب کے سامنے دم آخر تک آتی رہے گی۔

دعاؤں کی طالب
فرحت شوکت

”کی جاناں میں کون“ ماہنامہ ”حتا“ میں شائع ہونے والا میرا پہلا قسط وار ناول ہے جو میں مدیرہ ”حتا“ مس فوزیہ شفیق کے تعاون کے بغیر ہرگز نہ لکھ پاتی، میں مس فوزیہ شفیق کی بے حد ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے میرے اندر اس قدر اعتماد پیدا کیا کہ میں آگے بڑھتی چلی گئی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ میری ہم شہر اور محسن سعدیہ اہل کاشف کا میری اس کامیابی میں بہت بڑا ہاتھ ہے۔ وہ جتنی اچھی مصنفہ ہیں اتنی ہی بہترین انسان بھی ہیں۔ ان کے تعاون کے بغیر اس کتاب کا عمل شاید یقینی نہ ہوتا۔ میں ان کی محبت اور مخلصانہ مشوروں کی تہ دل سے مشکور ہوں اور ہمیشہ رہوں گی۔

”کی جاناں میں کون“ یہ ناول لکھتے ہوئے میں نے بہت سی جہنی صعوبتیں اور تکالیف برداشت کیں۔ کیونکہ اس میں موجود ہر کردار کی جگہ میں خود موجود ہوتی تھی۔ ہر کردار کی محبت، اذیت اور مشکلات کو میں نے خود پر سہا ہے۔ ”امان“ کے اضطراب اور سچائی کی گنگن کو رقم کرتے ہوئے میں خود جہنی اضطراب اور مشقت سے گزری ہوں۔ ”سعدیہ“ کی معصومیت اور اپنی ماں اور شوہر سے محبت میرے روم روم سے نکلی محسوس ہوتی ہے۔ اس ناول کو لکھنے کے دوران میں خود بہت سی حقیقتوں سے آشنا ہوئی ہوں اور بہت سے راز افشاں ہوئے ہیں مجھ پر۔

کسی بھی مصنف کی کامیابی اس کے قارئین کی پسندیدگی کی مرہون منت ہوتی ہے تاہم میں اپنے ان تمام قارئین کی بے پناہ شکرگزار ہوں جنہوں نے میرے اس ناول کو بے پناہ سراہا اور تنقیدی و تردیدی انداز میں میرے حوصلہ کو جلا بخشی۔

جس کو قلم کی طاقت سے نوازا جاتا ہے گویا اس پر بہت بھاری ذمہ داری عائد کر دی جاتی ہے۔ سو مصنف ہی ہوتا ہے جو اپنے قلم کے ذریعے قاری کو خیالوں کی دنیا سے نکال کر حقیقی زندگی سے روشناس کراتا ہے، مصنف ہی ہوتا ہے جو قاری کی کانٹوں بھری زندگی میں اپنے لفظوں سے محبت کے نرم خوابوں کو اُگا سکتا ہے اور مصنف ہی ہوتا ہے جو تپتے ذہنوں کو دقت سے پہلے اتار پختہ بنا دیتا ہے کہ قاری کے دل اور چہرے کی معصومیت افسانوی دنیا کے کسی تاریک گوشے میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔

میں بطور مصنفہ اپنی ذمہ داریوں سے بخوبی آگاہ ہوں لہذا کوشش کرتی ہوں کہ معصوم اور بچے ذہنوں کو معنوی آلائشوں اور کھلی آنکھوں سے دیکھے گئے خوابوں کی حقیقت سے اس طرح

بھاری پڑ جاتے ہیں۔

فرحت کا اندازِ تحریر بہت سنجیدہ، بہت باسلیقہ اور باشعور ہے اور فرحت کی کہانیاں آج کے زمانے کے مطابق ”سدھری ہوئی اولاد“ کے مترادف ہیں۔ وہ بہت پھونک پھونک کے ”قلم“ اٹھاتی ہے۔ بے باک اور کاٹ دار قلم نہیں ہے۔ اس کا معاشرتی اقدار اور مذہب اور خاندانی ویلیوز کو ساتھ لے کر چلتی ہے اور میرا خیال ہے یہ بہت اعلیٰ صفت ہے جو کہ آج کی مصنفین میں نہیں پائی جاتی۔

فرحت روایت سے ہٹ کر لکھتی ہے۔ اس کے ناول کی لڑکیاں نافرمان اولادیں اور بدتمیز بیویاں نہیں ہوتیں۔ وہ یہ نہیں کہتی کہ میرے ناول کی لڑکی نیک، پارسا اور پاکباز ہے پھر بھی جینز پہن کے مغربی ریسٹورنٹ میں غیر مرد کے ساتھ کافی چیتی ہے یا گھر سے بھاگ کے شادی کرتی ہے۔ فرحت کی ہیروئن اگر غلط ہوتی ہے تو فرحت اس کی تعریفوں کے پل نہیں باندھتی، اسے غلط ہی لکھتی ہے۔ اس کے کردار کے حق میں آسمان سے فرشتے نہیں اُتارتی اور یہ فرحت کی جرأت ہے کیونکہ جو غلط ہوتا ہے، وہ کبھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ لہذا فرحت حقیقت سے قریب تر لکھتی ہے۔

ایک اور خاص بات کہ فرحت کی منظر نگاری بہت اچھی ہے۔ ایک ایسی لڑکی کہ جس نے شاید لہان کی برستی بارش کو بھی سوائے اپنے گھر کی کھڑکی کے نہ دیکھا ہو۔ وہ نیویارک کی فوس خیز بارش اور لندن کی بھیگی شاموں کا بیان ایسی عمدگی سے کرتی ہے کہ لگتا ہے وہ لندن یا نیویارک کی رہنے والی ہو۔ یہ اس کے مطالعے، زبان و بیان اور عمدہ تخیلاتی حس کی خوبی ہے جو کہانی میں جادو جگا دیتی ہے۔

”کی جاناں میں کون“ فرحت کے پہلے کامیاب ناول کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ ایسا ناول ہے جو پہلے صفحے سے لے کر آخری صفحے تک قاری کو اپنے سحر میں جکڑے رکھتا ہے۔ حالات و واقعات اور روایتی سے بھرپور ناول ہے اور ایسی کہانی ہے جو دلوں پر نقش چھوڑ جائے۔

یہ فرحت کا اٹھایا پہلا قدم ہے، جو ہو سکتا ہے کہ مکمل نہ ہو لیکن پہلا قدم ہمیشہ تکمیل کی طرف کھلنے والا پہلا روزن ہوتا ہے۔ کئی بار لکھڑا کر گرنے کے بعد ہی بچہ چلنا سیکھتا ہے۔ فرحت کو بہت مبارک باد کہ اس نے پہلا قدم بنا لکھڑا ہٹ کے مضبوطی سے جمایا ہے۔

”حرفِ اظہار“

روشنی بانٹنے والے لوگ

مجھے لہان میں رہتے ہوئے کم و بیش سات برس کا عرصہ گزر گیا ہوگا کہ جب مجھے علم ہوا کہ فرحت کا تعلق بھی لہان سے ہے بلکہ وہ میری طرح اتفاق سے بننے والی لہانی نہیں بلکہ اس کی مٹی اسی شہر کی جڑوں میں بسی ہے، یعنی کہ وہ آبائی لہانی ہے۔

گرد، گرمی، گداگر، گورستان کی تاریخ رکھتا یہ شہر اس طرح سے بھی خوش قسمت رہا ہے کہ یہاں پہ ہر روایت اور ولایت کی طرح روشنی بانٹنے والوں کی روایت بھی رہتی ہے۔ بات اگر بہاؤ الدین زکریا، شاہ رکن عالم جیسے بزرگانِ دین کی ہو یا پھر ہمارے جیسے مصنفین کی، اس شہر نے ہر عہد میں روشنی بانٹنے کا سفر جاری رکھا ہے اور فرحت کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا ہے کہ جو روشنی بانٹنے کے اس سفر کے مسافر ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ جب پہلی بار مجھے فرحت کا فون آیا تھا، اتفاق دیکھیں کہ دو دن سے میں بھی فرحت کو تلاش کر رہی تھی اور رابطہ کرنے کے لئے کوشاں تھی، لیکن اس بات کا فرحت کو علم نہیں تھا۔ ہم دونوں اپنے اپنے تئیں ایک دوسرے کی تلاش میں تھے اور بالآخر ہماری بات ہوگئی۔ بات کیا ہوئی گویا خوشبو کی کہانی کا آغاز ہوا۔

فرحت کا لہجہ، اندازِ تحریر، اندازِ گفتگو اور شخصیت مجھ سے بہت الگ ہے۔ ہم دو الگ الگ سڑکوں پہ سفر کرنے والے دو ایسے مسافر ہیں جن کی منزل تو بے شک ایک ہے لیکن اندازِ سفر اور رفتار بہت الگ۔ اگر فرحت ایک کہانی کے چار حصے لکھ سکتی ہے تو میں اسی کہانی کے چالیس حصے لکھ سکتی ہوں۔ (یہ اور بات ہے کہ فرحت کے چار حصے میرے چالیس حصوں پر

فرحت بہت اچھی لگتی ہے اور میرے ہر مشورے پر عمل کرتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ ان تمام ادویات کا استعمال کرتی ہے جو نسخہ اسے میں لکھ کے دوں۔ میں خود کو اس کے سامنے بہت بوڑھی محسوس کرتی ہوں کیونکہ وہ اس طرح مجھ سے ہر بات پوچھتی اور مشورے لیتی ہے کہ جیسے میں بزرگ ہوں۔

بہتر مشورے اور اچھے تجربے میرے پاس ہمیشہ تمہاری امانت ہیں فرحت! جو میں ہمیشہ تمہیں دیتی رہوں گی۔ رخت سفر باندھا ہے تو پھر حوصلہ رکھنا اور یہ مت جاننے کی کوشش کرنا کہ پتھر کی تاریک دیوار کتنی بڑی ہے؟

یہ جتنی بھی بڑی ہو، تمہیں روشنی بانٹنی ہے، تمہیں سفر کرنا ہے، قدم تمہارا ہے، قلم تمہارا ہے، قلم سے عشق کرو، محنت کرو گی تو محبت ہوگی اور محبت میں صداقت ہوگی تو کامیابی قسمت!

کرن ہو کتنی نجیف لیکن کرن ہے پھر بھی

یہ تر جہاں ہے کہ روشنی کا وجود زندہ ہے

اور جب تک یہ روشنی کا وجود زندہ ہے

رات اپنے

سیاہ پنچوں کو جس قدر بھی دراز کر لے

کہیں سے سورج نکل پڑے گا

دُعا گو!

سعدیہ اہل کاشف، ملتان

کی جاناں میں کون!

”پہلا کلہ طیب، طیب کے معنی پاک، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ)“

اس کی معصوم سی آواز اور صاف الفاظ میں ادا ہونے والے کلمے کو بغور سننے کے بعد وہ فوراً اس کی جانب متوجہ ہوا جو بڑے انہماک سے اپنی باربی ڈول کے بال سنوارنے میں مصروف تھی۔ وہ جھٹ سے فائل بند کر کے اس کی جانب دوڑ پڑا اور وہیں کارپٹ پر گھٹنوں کے تل بیٹھ کر اسے اپنی گود میں بٹھالیا۔

”گڑیا بیٹا! ابھی آپ اسے کیا سن رہی تھی؟“ وہ بے قراری سے بولا۔

اس کے کان کب سے منتظر تھے کہ وہ اس کے منہ سے کوئی ایسی بات کوئی ایسا لفظ سنے جو اس کے وجود اور اس کی روح کو اندر تک سرشار کر دے اور آج..... آج۔

”گڑیا! مجھے دوبارہ سناؤ بیٹا!“ اس کا لہجہ خود بخود التجائیہ ہو رہا تھا۔

نجانے کون سی حسرت تھی جو اسے بے چین کئے دے رہی تھی اور اب پتہ نہیں اس کی کون سی خواہش پوری ہونے جا رہی تھی۔

اس نے پہلی بار کی طرح اس مرتبہ بھی واضح الفاظ میں پہلا کلمہ سنایا تو بے اختیار اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے نہایت محبت سے بے خودی کے انداز میں اسے اپنے سینے سے لپٹا لیا۔ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اپنی خوشی کا اظہار کرے، کیسے اس پر اپنی محبت نچھاور کر دے جس نے اسے اتنی راحت پہنچائی تھی۔

وہ اس ریتلے صحرائے کب سے بھٹک رہا تھا لیکن اب تک اسے کہیں بھی کوئی بھی ٹھکانہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی حالت از حد خراب ہو چکی تھی۔ اس کے جسم پر موجود کپڑے ریت کے اڑنے کے باعث گرد آلود ہو چکے تھے۔ اس کے بال ریت میں بری طرح اٹ چکے تھے۔ حتیٰ کہ ریت اسے کانٹوں کی مانند چبھتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں کو اپنے سینے پر زور زور سے پھیرے لیکن بے سود۔ اسے اپنا پورا وجود کانٹوں کے گرد لپٹا سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس صحرائے بالکل اکیلا ہی تھا۔

اس نے اپنے چاروں طرف ایک نظر دوڑائی۔ دُور دُور تک وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ آگے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ تب ہی یکدم اس کا بایاں پاؤں ریت میں اُگنے والی کانٹے دار جھازیوں سے ٹکرا گیا۔ ننگے پاؤں ہونے کے باعث کانٹے چبھنے سے اس کے پاؤں سے خون رسنے لگا اور وہ گھٹنوں کے مل بیٹھ کر اپنے پاؤں میں موجود کانٹوں کو ایک ایک کر کے باہر نکالنے لگا اور ایسا کرتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں واضح کپکپاہٹ تھی اور تکلیف کے باعث وہ کراہنے لگا تھا۔

تب بالکل اچانک صحرائے ہوا کے جھکڑ چلنے لگے تو وہ پریشانی کی حالت میں چاروں طرف سے اُڑتی ریت کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں ریت کے باریک باریک ذرے چبھنے لگے تھے۔ وہ اپنے پاؤں چھوڑ کر دونوں ہاتھوں کو اپنی آنکھوں پر رکھے کھڑا ہونے کی کوشش کرنے لگا اور اسی کوشش میں وہ لڑکھڑا کر بری طرح ریت پر جا گرا جس سے اس کا چہرہ ریت میں دھنس سا گیا۔ اسے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ وہ بے بسی سے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار کر دوبارہ اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر بالآخر اُٹھ کھڑا ہوا۔ ریت کا طوفان چاروں طرف سے اُٹھ رہا تھا۔ ریت فضا میں نہانے کتنی بلندی تک اُچھل کر واپس گر پڑتی تھی۔ یہ عمل کافی دیر تک جاری رہا حتیٰ کہ وہ خود کو آگے کی طرف بڑھانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔

وہ دیوانہ وار آگے کی طرف چلتا جا رہا تھا مگر اسے کوئی بھی ٹھکانہ فی الوقت نظر نہیں آ رہا تھا۔ تب ہی بالکل اچانک ریت کا وہ طوفان تھم سا گیا تو چاروں طرف ایک گھمبیری خاموشی چھا گئی۔ ریت کا ایک ایک ذرہ نہایت پُر سکون انداز میں اپنی اپنی جگہ پر جا پہنچا تھا۔ وہ

”پاپا! آپ کو یہ اچھا لگتا ہے؟“ اس نے اس کے چہرے کو اپنے ننھے ننھے ہاتھوں میں لپیٹے ہوئے معصومیت سے پوچھا تو اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلا دیا۔

”مجھے بھی یہ کلمہ بہت اچھا لگتا ہے پاپا!“

”گزنیا! میری جان! میرا بیٹا!“ وہ فرط محبت سے اس کے گلابی گلابی گالوں کو چومنے لگا۔ پھر نہ جانے کتنی دیر تک وہ اسے یونہی گود میں لئے اپنے سینے سے لپٹائے دیں کارپٹ پر بیٹھا رہا اور اپنی آنکھوں میں آئی بے اختیار نمی کو صاف کرنے لگا اور مطمئن انداز میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

”کاش..... کاش آج تم میرے پاس ہوتیں تو دیکھ سکتیں میری اس حقیقی خوشی کو جس کو محسوس کر کے میرا روم روم مہک رہا ہے۔“ اس کا ذہن خود بخود اس کی طرف چلا گیا جسے وہ بے خیالی میں مخاطب کر بیٹھتا تھا۔

”پاپا! آج میری میٹھس کی ٹیچر آئی تھیں۔“ اس نے اس کے سینے پر رکھے سر کو اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔

اس کے پکارنے پر وہ فوراً اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

”اچھا! پھر کیا انٹروڈکشن لیا انہوں نے آپ کا؟“ وہ اس کے سنہری بالوں کو نرمی سے سہلاتے ہوئے بولا۔

”پاپا! انہوں نے میرا نام پوچھا تھا۔“ اس نے ٹھہر ٹھہر کر بتایا۔

”آپ نے کیا کہا؟“ اس نے نرمی سے پوچھا۔

”میں نے کہا ٹیچر میرا نام دیا امان ہے۔“ امان اس کے منہ سے پورا نام سن کر مسکرا دیا اور ایک بار پھر اسے پیار کرنے لگا۔

وہ ابھی محض چار سال کی تھی اور اس چار سال کے ننھے سے وجود میں جیسے اس کی جان بسی تھی۔

امان انتہائی طمانیت سے بیڈ کی پشت پر سر ڈال کر اسے سینے سے لگائے اسے سلانے کی کوشش کرنے لگا۔

سانس سمیت پانی کے اس ذخیرے کی طرف بڑھتا جا رہا تھا مگر چند قدموں پر پانی ہونے کے باوجود جوں جوں وہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا وہ اسے نئے سرے سے اسی فاصلے پر نظر آ رہا تھا۔ پانی کا وہ حوض اس کے بالکل قریب تھا لیکن پھر بھی بہت دُور تھا۔ وہ جتنا جلد اس حوض تک پہنچنا چاہ رہا تھا وہ اتنا ہی اس سے دُور ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ تھک کر ایک بار پھر ریت پر گر پڑا تھا۔

بے بسی کے عالم میں اس نے اپنے بال دونوں ہاتھوں سے نوج لئے۔ وہ پاگلوں کی سی حالت میں دونوں ہاتھوں کو زور زور سے ریت پر مار رہا تھا۔ بالآخر وہ پھوٹ پھوٹ کر رہ پڑا تھا۔ جس شخص نے خود اپنی آنکھوں میں کبھی آنسوؤں کی نمی تک نہ دیکھی تھی وہ اپنی اس قدر مجبوری اور بے بسی پر رور رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ وہ ایک بار پھر تھکی تھکی نظروں سے اس پانی کے ذخیرے کو دیکھ رہا تھا جو اب بھی اس سے محض دس قدموں کے ہی فاصلے پر تھا لیکن پھر کیا وجہ تھی کہ جیسے ہی وہ دس قدم پورے کرنا وہ پانی اس سے پھر دس قدم کے فاصلے پر چلا جاتا۔ وہ چیخ چیخ کر کسی کو اپنی مدد کے لئے بلانا چاہتا تھا لیکن کون تھا جو اس دیرانے میں اس کی مدد کو آتا، اسے اس اذیت سے نجات دلاتا۔ وہ بری طرح رور رہا تھا۔

وہ بے قراری کے عالم میں دونوں ہاتھوں سے بیڈیٹ کو اپنی مٹھیوں میں دبائے سر کو تکیے پر اضطرابی حالت میں ادھر سے ادھر زور زور سے مار رہا تھا کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ کی مدد سے اپنے ترچہ چہرے کو صاف کیا اور اپنے کھلے گریباں پر ایک سرسری سی نظر ڈالی۔ اس کا جسم اور شرٹ تر ہو چکے تھے۔ اس نے اپنے حلق میں موجود وہی کانٹے محسوس کئے جو اس نے صحرا میں محسوس کئے تھے۔

اس نے سائڈ پر رکھے جگ میں سے پانی گلاس میں اُٹھایا اور ایک ہی سانس میں ختم کر گیا لیکن اس کی پیاس ابھی بھی نہیں بجھی تھی۔ اس نے مزید ایک گلاس پیا اور اپنی تیز چلتی سانسوں کو بحال کرنے لگا۔ وہ اب تک خود کو صحرا میں ہی محسوس کر رہا تھا۔ یہ خواب اس نے پہلی مرتبہ نہیں دیکھا تھا بلکہ اس سے پہلے بھی وہ کئی بار یہ خواب دیکھ

اچانک رُکنے والے اس طوفان کو ابھی حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ سورج اس کے بالکل سر پر آن کھڑا ہوا۔ بدن پر چمکتی ریت کو سورج کی گرمی مزید جھلسا رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمک اُٹھیں اور جلد ہی وہ پسینے میں نہا سا گیا۔ وہ بری طرح اپنے بدن کو کھرج رہا تھا۔ جب اس طرح بھی اسے سکون نہ ملا تو وہ جھنجلاہٹ اور گھبراہٹ کے عالم میں چیخنے لگا تھا۔ اسے اپنی بے بسی پر رونا آ رہا تھا۔

”میلپ! میلپ! اسم باڈی میلپ می!“ وہ زور زور سے چلا رہا تھا مگر صحرا میں اس کی آواز گونجتی اور پھر معدوم ہو جاتی۔

اس کا پورا جسم جیسے آگ کی لپٹ میں آگیا تھا۔ آنکھوں پر ایک ہاتھ کی مدد سے سایہ کئے وہ چاروں طرف کسی سائے کو تلاش کرنے لگا مگر دُور دُور تک کسی بھی قسم کے کوئی سائے کا نام و نشان تک نہ تھا۔

بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ یہاں سے بہت دُور چلا جانا چاہتا تھا اور اسی کوشش میں وہ مزید بھاگتا چلا گیا مگر پھر تھک کر اس تپتی ریت پر گر پڑا۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور اپنے حلق میں پیاس کی شدت کے باعث کانٹے سے چبیتے محسوس کرنے لگا۔

تب ہی وہ ایک بار پھر ہمت کر کے اُٹھ کھڑا ہوا اور پانی کی تلاش میں ادھر سے ادھر بھٹکتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے پاؤں شل ہونے لگے تھے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے پاؤں میں آبلے سے پڑ گئے ہیں۔ وہ ایک بار پھر گر گیا اور سجدے کی سی حالت میں اپنا سر ریت پر رکھ کر بری طرح رو پڑا تھا، تڑپ رہا تھا، وہاں کوئی بھی نہیں تھا جو اسے اُٹھاتا، جو اسے پانی کا ایک قطرہ ہی پلا دیتا۔

وہ ہمت کر کے ایک بار پھر اُٹھا اور پانی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ اب اسے تپتی ریت کی فکر تھی نہ جلنے سورج کی۔ وہ اپنی ہی دُھن میں چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ایک ٹھنڈے اور صاف پانی کے ذخیرے کے پاس جا پہنچا۔ پانی کا ذخیرہ اس ریتلے صحرا میں کیسے اپنا وجود قائم کئے ہوئے تھا، یہ سوچ کر وہ ایک لمحے کے لئے تو ششدر رہ گیا مگر پھر پانی کو دیکھ کر وہ بیٹابی کے عالم میں اس کی طرف بڑھا جو اس سے محض چند ہی قدموں کے فاصلے پر تھا۔ وہ اُکھڑتی

”ادھائے رسل! کیسے ہو؟ اتنے دن سے کہاں تھے تم؟“
 ”میں ٹھیک ہوں سیدہ! اور یہیں ہوتا ہوں تمہارے پاس، لیکن شاید میں تمہیں دکھائی ہی نہیں دیتا۔“ اس نے ڈر تک ختم کرتے ہوئے ہنسنے سے لہجہ میں کہا۔
 ”تمہیں دیکھنا کون چاہتا ہے جو تم کسی کو دکھائی دو گے؟“ وہ برا سامنے بناتے ہوئے زیر لب بڑبڑائی اور کیتھرین کے ساتھ لابی کی طرف بڑھ گئی جہاں مدمو اور کئی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

”ہیلو مدمو! ہائے کئی!“ وہ باری باری ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے خوش اخلاقی سے بولی۔

”اے سیدہ! یہ لو ڈر تک!“ کئی نے اس کی جانب دائیں کا گلاس بڑھاتے ہوئے کہا۔
 ”جو صلیکس! کئی! تم جانتی تو ہو میں ڈر تک نہیں لیتی۔“ اس نے فوراً انکار کر دیا۔
 ”دائے!“ اس نے پوچھا۔

”دیے ہی!“ اس نے شانے اچکا کر لاپرواہی سے کہا۔
 ”شاید تم مسلمان ہو اس لئے.....“ کیتھرین نے ان دونوں کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

لیکن اس کی بات پر اس نے ایک فلک شکاف قہقہہ لگایا اور ان کی طرف ایسی نظروں سے دیکھنے لگی جیسے انہوں نے کوئی مضحکہ خیز بات کر دی ہو جبکہ وہ تینوں اس کے اس انداز پر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”او کم آن کیتھرین! تم کیا سمجھتی ہو مسلمان ڈر تک نہیں لیتے؟ دیے ایک بات ہے مجھے تو تم نے ہی بتایا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔“ اس کے چہرے پر پھیلی نظریہ مسکراہٹ کو دیکھ کر وہ اس کے سراپے کا بھر پور جائزہ لینے لگیں۔

گہرے گلے کی باریک سی سیلیولس شرٹ اور منی اسکرٹ میں ملبوس بائیں ہاتھ میں سگریٹ دبائے وہ اپنی آنکھوں میں موجود معصومیت کے علاوہ کہیں سے بھی تو مسلمان دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

کیتھرین کنفیوزی ہو گئی تھی، سو اپنی خفت مٹانے کو بولی۔

چکا تھا اور ہر بار خواب دیکھنے کے بعد اس کی حالت پہلے سے مزید خراب ہونے لگتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اپنی بے ترتیب سانسوں کو بآسانی محسوس کر سکتا تھا۔ اپنے پورے جسم میں موجود نقابت کو محسوس کر سکتا تھا۔ خود پر طاری اسی بے بسی کو محسوس کر سکتا تھا جو اسے صحرا میں محسوس ہوتی تھی۔

اس نے نہایت مضطرب حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں میں دُکھتے ہوئے سر کو تھام لیا۔ وہ اٹھا اور کمرے کے درمیان میں کھڑے ہو کر اپنے پاس موجود دنیا کی ہر شے کو محسوس کرنے لگا۔ وہ اپنے کمرے میں اپنی دسترس میں موجود ہر اس چیز کو دیکھ سکتا تھا، چھو سکتا تھا اور محسوس کر سکتا تھا جو اس نے صحرا میں کہیں نہیں دیکھی تھی۔ یہاں چبھتا ہوا صحرا، کانٹے دار جھاڑیاں اور تپتا ہوا آسمان نہیں تھا اور پانی..... پانی تو اس سے محض ایک باشت بھر کے فاصلے پر تھا۔

”میں ان چیزوں سے کبھی محروم نہیں ہو سکتا۔ وہ تو ایک خواب تھا، محض ایک خواب!“
 جان کیری خود کو مطمئن کرنے کی خاطر زیر لب بڑبڑایا۔ شاید..... شاید وہ کسی بھی چیز سے محرومی کے احساس کو اپنے اندر محسوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے شاد لیا اور کپڑے چھینچ کر کے دوبارہ سونے کی تیاری کرنے لگا۔



وہ جیسے ہی فنکشن ہال میں داخل ہوئی، کیتھرین فوراً اس کی طرف جا چکی۔
 ”ٹھیک گاڈ! سیدہ! تم آئیں تو سہی، قسم سے تمہارے بغیر پارٹی بہت بورنگ فیل ہو رہی تھی۔“ کیتھرین نے نزاکت سے اس سے گلے ملتے ہوئے قدرے روٹھے روٹھے سے انداز میں کہا تو وہ بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ پھر چند لمحوں بعد گویا ہوئی۔

”کیا کریں جناب! ہماری پرسنالٹی ہی کچھ ایسی ہے۔“
 اس کے لہجے میں رعوت واضح تھی۔ اس کا ایک ایک انداز اس کے حسن کے اظہار کو نمایاں کر رہا تھا۔

”ہیلو سیدہ!“

اپنے پیچھے کسی مردانہ آواز پر وہ چونک کر آواز دینے والے کو دیکھنے لگی اور پھر اپنے چہرے کے گہڑتے زادیوں کو کنٹرول کرتے ہوئے ایک ادائے لاپرواہی سے بولی۔

سے اٹھتے ہوئے اپنے سلی بالوں کو ہاتھوں کی مدد سے جینڈ کرتے ہوئے تقریباً اکتا کر جواب دیا۔

”سیدہ! بڑے ہونے میں اور دولت مند ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔“ انہوں نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

”تم شاید جانتی نہیں کہ رسل بہت روج ہے اور پھر اس کے فادر تمہارے پاپا کے بہت اچھے دوست رہ چکے ہیں۔“

”اما! مجھے اس سے یا اس کے روج ہونے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ اس نے بیڈ کی ایک سائیڈ پر بیٹھتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

”مجھے تو بس اتنا پتہ ہے کہ اس کی کہنی بہت بڑ ہے۔“

”میں تمہیں یہ بتانا چاہ رہی ہوں کہ تم اس سے دوستی ختم مت کرنا۔“ انہوں نے اسے تنبیہ والے انداز میں کہا تو وہ محض ”او کے اما!“ کہہ کر رہ گئی۔

جبکہ وہ اس کے جواب پر مطمئن انداز میں کمرے سے باہر نکل گئیں تو وہ بھی لائٹ آف کر کے سونے کے لئے لیٹ گئی۔



وہ شاپنگ سنٹر سے نکل کر پارکنگ میں کھڑی اپنی کار کی طرف بڑھ رہا تھا جب اچانک اس کی نظر شاپنگ سنٹر کے ساتھ بنی ایک تاریک گلی کی طرف جا پڑی جہاں ایک مکان کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ایک شخص نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔

وہ حیرت سے اس شخص کو دیکھنے لگا جو اتنی شدید سردی میں نیچے پاؤں تھا اور محض دو کپڑوں میں لباس تھا۔ اس کے گرد آلود بال بے ترتیبی سے اس کے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے جس سے اس کے چہرے کا ایک حصہ مکمل طور پر چھپا ہوا تھا۔ ایک وحشت سی تھی جو اس کے پورے چہرے کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خوف پنہاں تھا۔ وہ بے چینی کی حالت میں جب اپنے سر کو دیوار سے ٹکراتا تو اس کے چہرے پر مزید ایک وحشت سی طاری ہو جاتی تھی۔ وہ زور زور سے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو بے دردی سے زمین پر ریت رہا تھا۔

”نہیں! اصل میں سیدہ! میں نے سنا تھا کہ مسلمان ڈرنک نہیں لیتے اس لئے میں سمجھی کہ.....“

”خیر یہ تو میں نہیں جانتی کہ مسلمان کیا لیتے ہیں اور کیا نہیں؟ بہر حال میں ویسے ہی ڈرنک نہیں لیتی بالکل اسی طرح جیسے کچھ نان مسلمز بھی نہیں لیتے۔“ اس کی بات پر وہ محض خاموش رہ گئیں۔

آج کی پارٹی ویسے بھی بہت شاندار تھی۔ اس نے بہت زیادہ انجوائے کیا تھا اور مزید بھی کر سکتی تھی اگر رسل بار بار اسے ڈسٹرب نہ کرتا تو۔ جبکہ وہ مسلسل اسے اگنور کر رہی تھی۔

جس وقت وہ گھر پہنچی رات کے تین بج چکے تھے۔ وہ بری طرح تھک چکی تھی۔ وہ ڈریس چھینج کر کے آئی تھی جب ہی ماما اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

”کیسی رہی تمہاری پارٹی؟“ انہوں نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”بہت اچھی اما! بہت انجوائے کیا میں نے۔“ اس نے خوشی سے بتایا تو وہ مسکرا کر اس کے صبح چہرے کو دیکھنے لگیں۔

”تم جانتی ہو سیدہ! مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے جب تم یہ پارٹیز وغیرہ اٹینڈ کرتی ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم زندگی کو بھر پور طریقے سے انجوائے کرو، بالکل ویسے ہی جیسے میں چاہتی ہوں۔“

وہ ماما کی اسی محبت پر فریفتہ ہوئی جاتی تھی۔ انہوں نے کبھی اس پر کوئی بندش لگانے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ وہ اکثر پارٹیز اور گید رنگ میں جانے سے انکار کرتی تو وہ اس سے اپنی ناراضگی کا بھرپور اظہار کرتیں اور اسے تو ان کی ناراضگی سے بہت ڈر لگتا تھا سو فوراً جانے کے لئے تیار ہو جاتی۔

”سیدہ! یہ رسل کیسا لڑکا ہے؟“ وہ بڑے مہذب انداز میں اپنے ہاتھوں پر کریم لگا رہی تھی جب انہوں نے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

”ہوں! بس ٹھیک ہے۔“ اس نے قدرے بیزار سے جواب دیا۔

”کیا مطلب؟“ انہوں نے حیرانی سے پوچھا۔

”اما! بہت بڑ ہے رسل، اس قدر کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔“ اس نے ڈرینگ ٹیبل پر

اس قدر ہنسا کہ اس کی گردن کی رگ نمایاں ہونے لگی تھی۔
 وہ اسے یوں ہنسا دیکھ کر پل بھر کو حیران ہوا اور اپنی اس تذلیل پر ابھی وہاں سے اُٹھنے کا قصد کر رہی رہا تھا کہ اس کے کھلنے لیوں پر ارادہ ملتوی کر کے وہیں بیٹھا رہا۔
 ”مجھے..... مجھے یہ پتہ چل جائے کہ میں کون ہوں تو کیا میری یہ حالت ہو؟“ اب اس کے چہرے پر ہنسی کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔

اس کی اس بات پر وہ اسے تعجب سے سر تا پا دیکھنے لگا جو اپنے چہرے کے خدو خال کے علاوہ روانگی سے انگٹس بولنے ہوئے برطانوی ہی لگ رہا تھا۔
 ”اور..... اور یہ تو تو بھی نہیں جانتا کہ تو کون ہے؟“ وہ بے خونی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہایت راز داری سے اس کے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے مستحکم لہجے میں بولا تو وہ ایک لمحے کے لئے ساکت رہ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہمت کر کے بولا۔
 ”میں کیری ہوں..... جان کیری!“

اس کا نام سن کر وہ ایک بار پھر زوردار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
 ”تو..... تو وہ نہیں ہے جو تو ہے بلکہ..... بلکہ تو وہ ہے جو تو اس وقت نہیں ہے۔“ وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔
 وہ اس کی اس بات پر الجھ کر رہ گیا تھا۔ اسے اس کی دماغی حالت پر شبہ سا ہونے لگا تھا۔
 وہ اب مزید کچھ بڑبڑا رہا تھا جو اس کی سمجھ سے بالکل باہر تھا۔ وہ مزید کچھ بھی سمجھنے کی کوشش کئے بغیر وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا اور پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔

”تو..... تو وہ نہیں ہے جو تو ہے بلکہ..... بلکہ تو وہ ہے جو تو اس وقت نہیں ہے۔“ اس شخص کے یہ الفاظ اسے مضطرب کر رہے تھے جن کا مفہوم وہ بالکل سمجھ نہیں پایا تھا۔ وہ اپنے ذہن سے سب کچھ جھٹک کر گاڑی کا زرخ جانس کے گھر کی طرف موڑنے لگا۔
 وہ خود کو ریلیکس کرنا چاہتا تھا۔ اس شخص کی باتوں نے اسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اس شخص سے زندگی میں دوبارہ کبھی ملنا نہیں چاہتا تھا جس نے چند ہی منٹوں میں اسے اس قدر پریشان کر دیا تھا۔



اس سے مزید اس کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور وہ فوراً اس کی طرف بڑھ گیا۔ وہ تقریباً ساٹھ بیسٹھ سال کا ایک بوزھا شخص تھا۔ وہ خوفزدہ سا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔
 ”آپ..... آپ کو کیا چاہئے؟“ اس کی ظاہری حالت دیکھتے ہوئے اس نے نرمی سے پوچھا مگر جواباً وہ شخص خواخوئند نظروں سے اسے گھورنے لگا۔
 ”تو..... تو کیا دے گا مجھے؟“ وہ دھاڑا۔

”کیا دے سکتا ہے تو مجھے؟“ وہ اب اس کا گریبان پکڑے ہوئے تھا۔
 وہ یکدم گھبرا سا گیا اور اس کی گرفت سے خود کو چھڑانے کی سعی کرنے لگا۔ اس نے بغور اس شخص کی آنکھوں میں دیکھا جو بظاہر اسے پکڑے ہوئے تھا مگر درحقیقت وہ خود کسی سحر میں جکڑا نظر آتا تھا اور وہ سحر کیا تھا؟ وہ خود بھی انجان تھا۔ وہ اس کے نحیف سے ہاتھوں میں جکڑے اپنے گریبان کو چھڑاتے ہوئے ملائمت سے گویا ہوا۔
 ”میں..... میں آپ کی ہر طرح سے مدد کر سکتا ہوں۔“ وہ اسے پورا یقین دلاتے ہوئے بولا۔

”آپ کو بھوک لگی ہے، میں کھانا کھلا دوں گا، آپ کو رہائش کا پرالیم ہے تو میں آپ کو اپنے ساتھ لئے چلتا ہوں اور اگر..... اگر آپ کو پیسے چاہئیں تو میں.....“
 ”نہیں..... نہیں!“ وہ اس کی بات کاٹ کر دوبارہ چلا اُٹھا۔
 ”مجھے..... مجھے کچھ نہیں چاہئے، جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ تو نہیں دے سکتا۔ جا..... جا یہاں سے چلا جا!“
 ”دیکھئے سر! میں.....“

”میں نے کہا ناں! تو یہاں سے چلا جا!“ وہ دوبارہ اس کی بات کاٹ کر تنبیہ کرنے والے انداز میں بولا۔
 مگر وہ اپنی نرم فطرت سے مجبور کسی کو پریشانی یا تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا سو دوبارہ اس سے مخاطب ہوا۔

”سر! آپ کون ہیں؟ اور کہاں رہتے ہیں؟ میں آپ.....“
 ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس شخص نے ایک فلک شکاف قہقہہ لگایا اور

وہ تاحہ نظر پھیلے اس میدان میں پہنچا تھا۔ اس کے پاؤں حتیٰ کہ اس کا پورا جسم مٹی میں اٹ چکا تھا۔ دُور دُور تک کوئی آدم زاد نہیں تھا۔ وہ پناہ کی تلاش میں آگے کی جانب بڑھتا چلا گیا لیکن میدان تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

وہ بے اختیار آگے بڑھتا گیا۔ اچانک اسے اپنے پاؤں میں نمی کا احساس ہونے لگا۔ اس نے چونک کر اپنے پاؤں کی جانب دیکھا جو بری طرح کچڑ میں دھنس چکے تھے۔ اس نے ایک نظر سامنے کی جانب دیکھا، پورا میدان کچڑ سے بھرا ہوا تھا۔ خشک مٹی سے کچڑ اور علاوہ کب شروع ہوا اسے پتہ ہی نہ چل سکا۔

بہر حال اس نے آگے بڑھنے کے لئے اپنا دایاں پاؤں آگے بڑھایا مگر اسے محسوس ہوا جیسے اس کا پاؤں من من بھر کا ہو گیا ہے۔ تب ہی اس نے اپنا بایاں پاؤں اٹھانے کی بھرپور کوشش کی لیکن اسے لگا جیسے اس کے پاؤں نیچے کی جانب دھستے جا رہے ہیں۔ اس نے ایک بار پھر اپنی پوری کوشش کی کہ وہ اپنے پاؤں اس کچڑ سے باہر نکال لے مگر عاردار۔

تھوڑی ہی دیر میں اس کا آدھا جسم اس بدبودار کچڑ میں دھنس چکا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کی مدد سے اپنے جسم کو اوپر کی جانب اٹھانے کی سعی کرنے لگا مگر اس کے ہاتھ کچڑ میں دھنس جاتے۔ اس نے کئی بار یہ عمل دہرایا۔ اس نے اضطراب کے عالم میں اپنے چاروں طرف ایک نظر دوڑائی۔ اس کے اطراف میں کچڑ کے علاوہ کوئی دوسری شے تاحال موجود نہیں تھی حتیٰ کہ کوئی پرندہ بھی آسمان میں اڑتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ تب ہی اس نے بے بسی کے احساس سے چلا تا شروع کر دیا۔

”ہیلپ..... ہیلپ کوئی ہے جو میری مدد کرے گا..... کوئی ہے؟“ وہ بری طرح چیخ رہا تھا، چلا رہا تھا۔

”پلیز..... پلیز کوئی..... کوئی تو میری مدد کو آئے۔“

اب اس کا پورا جسم اس دلدل میں پھنس چکا تھا صرف چہرہ باقی تھا۔ وہ اپنے پورے جسم کو بے جان تصور کر رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کے جسم کا پھلا حصہ اس کی گردن سے الگ ہو گیا ہے اور اس احساس کے ساتھ ہی اس کی مجبوری، لا چاری، بے چارگی اور بے بسی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

اب وہ بری طرح رو رہا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی موت اس سے محض ایک بات کے فاصلے پر ہے اور جیسے ہی اس کا چہرہ اس دلدل میں گیا وہ اس طرح اس بدبودار کچڑ میں اپنا وجود کھو بیٹھے گا جیسے وہ کبھی اس دنیا میں آیا ہی نہیں تھا۔

”کوئی ہے..... پلیز! میری مدد کریں میں مر رہا ہوں۔ کوئی تو آئے میرے جسم کو اس دلدل سے باہر نکالے۔ پلیز! کوئی تو آئے۔“ وہ اب تڑپ رہا تھا۔ موت کے قریب آنے کا احساس اسے رلا رہا تھا۔

”ماما! پاپا! جانسن! کوئی تو آؤ میری مدد کے لئے۔ پلیز! مجھے بچا لو! میں مر رہا ہوں۔ میں..... میں مر جاؤں گا اس دلدل میں۔ مجھے یہاں سے نکال لو۔ پلیز ماما!..... پلیز پاپا!“ وہ بری طرح بلک رہا تھا۔ روتے روتے اس کا گلارندہ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔ مگر اس کی پکار کوئی بھی نہیں سن رہا تھا۔

وہ اب بری طرح ہانپ رہا تھا۔ کچڑ کی ناگوار بدبو اس کے حلق تک پہنچتی تو اس کا سانس اکھڑ جاتا جس کے باعث اسے ابکائی سی محسوس ہوتی۔ چاروں طرف جیسے تعفن پھیلا ہوا تھا۔ آنکھوں میں پھیلی آنسوؤں کی دھندلاہٹ اسے ہر چیز سے بہت دُور کئے دے رہے تھی۔ وہ اتنا مجبور اور بے بس ہو جائے گا کہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے آنسو بھی صاف نہیں کر سکے گا۔ اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

موت کا خوف اس کے سر پر سائے کی طرح منڈلا رہا تھا۔ پھر اچانک ہی اسے کچڑ میں پھنسنے اپنے وجود سے نفرت سی ہونے لگی تھی۔ اس کا بے اختیار دل چاہا کہ وہ اپنے جسم کو اس بدبودار اور غلیظ کچڑ سے آزاد کر لے۔ لیکن اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس دلدل سے باہر نکل آئے لیکن کیسے؟ یہ وہ نہیں جانتا تھا۔ وہ اپنے پیاروں کو اپنی مدد کے لئے بلاتے بلاتے اب تھک سا گیا تھا۔ مگر وہ ہمت ہارنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس وقت تک خود کو اس دلدل میں اپنی زندگی کے ہونے کا احساس دلانا چاہتا تھا جب تک اس کی ایک سانس بھی باقی ہے۔

ایک لمحہ کے لئے اسے محسوس ہوا جیسے کوئی ہے جو اس کی مدد کر سکتا ہے مگر وہ کون ہے؟ وہ انجان تھا۔ وہ اسے کیسے پکارے؟ کس نام سے اسے اپنی مدد کے لئے بلائے؟ وہ نہیں جانتا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی وہ ایک بار پھر رو پڑا تھا۔ روتے روتے اس کی آنکھ کھلی تو وہ یکدم

اس نے اپنے چاروں طرف مضطرب انداز میں نظر دوڑائی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اضطراب کے عالم میں بیڈ پر پھیرنے لگا۔ تب اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھا جو آسانی حرکت کر سکتے تھے۔ اس کے ارد گرد کچھ بھی نہیں تھا کوئی مٹی، کچھ یا دلدل کچھ بھی نہیں تھا۔

”اس کا مطلب ہے کہ میں نے پھر سے دیباہی خواب دیکھا ہے۔“ وہ زیر لب بولا۔

یکدم اسے اپنا جسم بے تحاشا دکھتا ہوا محسوس ہوا جیسے وہ نہ جانے کتنے گھنٹوں سے رسیوں میں جکڑا ہوا تھا۔

تب اسے اپنے بالکل قریب سے بہت زیادہ ناگوار بدبو آتی محسوس ہوئی جو بالکل ویسی تھی جو اس دلدل میں پھنسنے کے بعد اسے محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے پورے جسم کو سونگھا۔ یکدم اسے ابکائی سی محسوس ہوئی۔ اسے اپنے پورے جسم سے بدبو کا احساس ہو رہا تھا۔ اس سے برداشت نہیں ہوا اور فوراً اٹھ کر واش روم میں گھس گیا اور شاور لینے لگا۔ ایک گھنٹہ شاور لینے کے بعد بھی اسے اپنے جسم سے آتی بدبو میں کمی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ ایسے رگڑ رگڑ کر جسم کو دھو رہا تھا جیسے کپڑوں پر لگے داغ کو دھویا جاتا ہے۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد وہ واش روم سے باہر آیا تو پہلے کی نسبت اس نے خود کو کافی بہتر محسوس کیا۔ ایک گلاس ٹھنڈا پانی پینے کے بعد وہ اپنے خواب کے بارے میں تفصیل سے سوچنے لگا جو اس نے تھوڑی دیر پہلے دیکھا تھا۔

”معلوم نہیں مجھے ایسے خواب کیوں دکھائی دیتے ہیں؟“ وہ خود سے سوال کرنے لگا اور پھر سب کچھ فراموش کر کے تھوڑی دیر بعد نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

اگلی صبح جب وہ سو کر اٹھا تو اسے اپنی طبیعت بہت بوجھل سی محسوس ہوئی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ناشتے کے لئے ڈائننگ روم میں آنا پڑا۔

”کیڑی! ٹھیک سے ناشتہ کرو مائی سن!“ وہ بہت بددلی سے انڈے کے چھوٹے چھوٹے پیر منہ میں ڈال رہا تھا جب ماما نے اسے مخاطب کیا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے کیا؟“ انہوں نے تشویش سے پوچھا۔

”نو ماما! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ اتنا کہہ کر اُدھورا ناشتہ چھوڑ کر ڈائننگ روم سے

باہر نکل گیا اور یونیورسٹی جانے کی بجائے جانسن کے فلیٹ پر جا پہنچا۔ وہ کوشش کے باوجود اب تک کسی سے بھی اپنے خوابوں کا ذکر نہیں کر پایا تھا لیکن وہ جانسن سے ان خوابوں کے بارے میں ڈسکس کرنا چاہتا تھا لیکن پھر یہ سوچ کر کہ وہ کبھی بھی سنجیدگی سے اس کا پرابلم سمجھ نہیں سکے گا، سواراہ ملتی کر دیا۔

تھوڑی دیر جانسن کے ساتھ باتیں کرنے کے بعد اچانک اس پر بیزاری سی طاری ہو گئی تو وہ وہاں سے بھی فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور بے مقصد سڑکیں تاپنے لگا۔ حتیٰ کہ شام گہری ہونے لگی تھی۔

وہ ابھی گھر جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر میوزیم کے ساتھ بنی ایک کشادہ مگر تاریک گلی پر جا پڑی۔

گلی کے کنارے اسٹریٹ لائٹ کی مدہم روشنی کے نیچے وہی شخص بیٹھا تھا جو اسے اب سے کچھ دن پہلے شاہنگ سنٹر کے ساتھ والی گلی میں نظر آیا تھا۔ وہ اب بھی اپنی گزشتہ حالت میں ہر چیز سے بکسرے نیاز اپنے آپ میں گن بیٹھا تھا۔

وہ اس سے ملتا، بات کرتا نہیں چاہتا تھا مگر ایک کشش سی تھی جو اسے اس گلی کی جانب کھینچ کر لے جانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

وہ عمارت کی دیوار سے ٹیک لگائے سلسل آسمان کی طرف دیکھنے میں محو تھا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب پہنچ گیا اور زمین پر گھٹنوں کے بل اس کے بالکل سامنے بیٹھ گیا اور چند ثانیے اس کو دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ شخص گردن کو تھوڑا سا خم دے کر اسے دیکھنے لگا۔ ایک لمحہ کے لئے اس کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک ڈرائی تھی۔ پھر نہ جانے کون سی طاقت کے زیر اثر جلدی معدوم بھی ہو گئی تھی۔

اس کی آنکھوں میں اپنے لئے اجنبیت کی دیوار گر گئی دیکھ کر اسے ایک گونہ خوشی کا احساس سا ہوا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ شخص اس کے لئے کبھی اجنبی تھا ہی نہیں بلکہ وہ اسے برسوں سے جانتا تھا لیکن اسے ایسا کیوں لگتا تھا؟ وہ لاعلم تھا۔

منجھ کر دینے والی سردی میں وہ صرف ایک عدد شرٹ اور پتلون میں ملبوس تھا۔ سردی کی شدت کے باعث اس کے ہونٹوں کا رنگ نیلا پڑ رہا تھا اور اس کے ہاتھ بھی کپکپا رہے تھے۔

”سیدہ! سیدہ!“ کیتھرین اسے بلند آواز سے پکارتی ہوئی اس کے کمرے میں ہی پہنچ گئی تھی۔

”سیدہ! بہت دیر ہو رہی ہے۔ لیٹ پہنچوں گی تو ماما ناراض ہو جائیں گی۔“ وہ اسے بری طرح جھنجھوڑتے ہوئے بولی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی اور اسی پوزیشن میں سوتی بنی رہی۔

”ٹھیک ہے! میں جا رہی ہوں، مجھے لگتا ہے تمہاری کوئی ڈش نہیں، اسی لئے تو سنڈے کو اتنے مزے سے سو رہی ہو۔“ وہ اسے دھمکی دیتے ہوئے دروازے کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی دھمکی ضرور کام آئے گی۔

اور ایسا ہی ہوا۔ اسے دروازے کی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ زور سے بول پڑی۔

”زکو کیتھرین! اگر تم اکیلی گئیں تو میں بھی ناراض ہو جاؤں گی۔“

اس کی بات سن کر وہ وہیں رُک گئیں اور انگلی کے اشارے سے واش روم کی طرف جانے کا آرڈر دینے لگی۔

”جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا! میری ابھی بہت سی ڈشز ہیں جو پوری نہیں ہوئیں۔ اسی لئے تمہارے ساتھ اتنی باتا قاعدگی سے چرچ جاتی ہوں۔“ وہ بالوں کو دونوں ہاتھوں کی مدد سے سینٹی ہوئی واش روم میں گھس گئی۔

”ماما! میں کیتھرین کے ساتھ چرچ جا رہی ہوں۔ پھر واپسی پر مدعو کے گھر چلی جاؤں گی۔“ وہ ماما کو ان کے کمرے میں اطلاع دے کر کیتھرین کے ساتھ گھر سے باہر نکل آئی۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں چرچ میں تھیں۔

”اے سیدہ! آج کیا مانگو گی؟“ کیتھرین نے دُعا کے دوران اسے ٹھوکا دے کر سرگوشی میں پوچھا۔

”اپنے فائسل ایگزائز میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن کی دُعا کروں گی۔“ اس نے مخصوص انداز میں دُعا کے لئے ہاتھوں کو آپس میں ملائے ہوئے جواب دیا۔

”سنو! تم کبھی کسی اور چیز کے لئے بھی دُعا کر لیا کرو۔“ کیتھرین نے وہی گھسا پٹا سا جواب سن کر برا سامنہ بناتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟ مجھے کیا ضرورت ہے بھلا؟ سب کچھ تو ہے میرے پاس۔“ اس نے قدرے

اس سے مزید اس کی یہ حالت نہ دیکھی گئی اور فوراً بول اُٹھا۔

”سر! آپ..... آپ اُنھ جاییں یہاں سے، یہاں بہت سردی ہے، آپ میرے ساتھ چلئے، آپ کو آپ کے گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔“

”گھر..... کون سا گھر؟“ اس کی آنکھوں میں وہی وحشت سی ڈر آئی تھی جس سے وہ خوفزدہ ہو جایا کرتا تھا۔

”میرا گھر یہ ہے..... یہ“ اس نے اپنے ارد گرد پھیلی برف کو اپنی مٹیوں میں دباتے پھر ہوا میں زور سے اُچھالتے ہوئے کہا۔

”سر! پلیز آپ..... آپ اُنھ جاییں یہاں سے، ابھی تھوڑی دیر بعد بارش شروع ہو جائے گی اور ایسے میں آپ مزید یہاں نہیں بیٹھ سکتے۔“ اس کی ملائیت بھرے لہجے میں ہی شاید کوئی بات تھی کہ وہ ہل بھر کے لئے اسے بے خیالی میں دیکھنے لگا۔

اسے یوں اپنی جانب بڑھ سکون انداز میں دیکھتا پا کر اس نے فوراً ٹیکسی کرائی اور اسے لے کر اپنے فلیٹ پر جا پہنچا۔

”آپ یہاں بیٹھ جاییں، میں آپ کے لئے کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔“ وہ اسے سٹنگ روم میں بٹھا کر کچن میں چلا آیا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ کھانے کی ٹرے سمیت کمرے میں داخل ہوا تو اسے اسی کیفیت میں بیٹھا دیکھ کر تاسف سے سر ہلا کر رہ گیا۔

لیکن اب اس کے چہرے پر برہمی کے آثار کچھ کم ہو چکے تھے لیکن اس کے باوجود اس کی حالت میں بے جا لگی کا وہی عالم تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ گہری نیند سو گیا تو وہ ایک ٹک اسے دیکھنے لگا۔ جواتی گہری نیند میں بھی بے چین ساد کھائی دے رہا تھا۔ وہ خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آیا اور دوسرے کمرے میں جا کر سو گیا۔

لیکن اگلی صبح اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ شخص اسے بتائے بغیر اس کے فلیٹ سے چلا گیا۔

”شیو رام جی! میری دُعا قبول کر لو پلیز! رابرٹ مجھ سے میوزیم میں ملنے ضرور آجائے۔“ وہ کب سے دونوں ہاتھوں کو آپس میں جوڑے آنکھیں بند کئے دُعا میں مصروف تھی۔

”ہیلو انجلینا!“ اس نے صوفے پر بیٹھے ہی اسے پکارا۔

”آج کس سے مانگ رہی ہو؟“ وہ مذاق اُڑانے والے انداز میں گویا ہوا۔

”کیری! ڈونٹ ڈسٹرب می پلیز!“ اس نے اس کی جانب دیکھے بغیر اِجتائیہ انداز میں

کہا۔

”کیوں؟ کیا بدھ مت جی نے پہلے والی دُعا میں نہیں سنی جو اس بار.....“

”اسٹاپ اٹ کیری!“ اس نے گھور کر اسے مزید بولنے سے روکنا چاہا اور پھر دوبارہ دُعا میں مشغول ہو گئی۔

”ویسے تم بھی بہت عجیب ہو انجلینا! ایک سے دُعا قبول نہ ہوئی تو دوسرے سے دُعا میں مانگنا شروع کر دیتی ہو۔“ وہ اس کا تسخّر اُڑاتے ہوئے بولا۔

”تمہیں دُعا میں مانگنا، کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتا بہت پسند ہے کیا؟“

”کسی سے کچھ مانگ کر اگر ہماری خواہشیں پوری ہو جاتی ہیں تو پھر مانگ لینے میں کیا حرج ہے؟“ اس نے صوفے پر اس کے قریب بیٹھے ہوئے کہا۔

”جن کے پاس سب کچھ ہوتا ہے ناں! وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتے۔“ اس نے نہایت اطمینان سے کہا۔

”تم سے توجہ کرنا ہی فضول ہے۔“ وہ اتنا کہہ کر لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

”ارے سسر! پوری بات تو سنی جاؤ۔“ وہ چیخے سے پکارا۔ پھر خود بھی مسکرا کر اُنھ کھڑا ہوا اور جانسن کے گھر کی طرف چل پڑا۔

”نو..... نو! نو! نو! نو!“ ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی جانسن کی تیز آواز اس کی سماعتوں سے نکلئی تو وہ تجسس کے عالم میں حیران حیران سا اندر داخل ہوا۔

”سائے ہی انکل اور آئی پریشانی کی حالت میں صوفے پر براجمان تھے۔

”کیری بیٹا! تم ہی اسے سمجھاؤ! ہماری تو کوئی بات بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔“ انکل

تفاخر سے کہا۔

”میرا مطلب ہے کہ اپنے کسی بوائے فرینڈ کے بارے میں دُعا کرو کہ وہ تم میں سنجیدگی سے انٹرسٹ لینا شروع کر دے۔“ اس نے فری مشورہ دیا۔

”سنو! تم یہ مشورہ میرے بوائے فرینڈ کو دینا کہ وہ دُعا کرے کہ سلیو برائن اس میں سنجیدگی سے انٹرسٹ لینا شروع کر دے۔“

”وہاٹ.....؟“ کیتھرین کی ایک چیخ نما آواز سنائی دی۔

”تو اس کا مطلب ہے تم خود ہی.....“ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اسے بری طرح ہلکی آ رہی تھی۔ اس نے فوراً اثبات میں سر ہلادیا۔

تب ہی بالکل اچانک دونوں کی ہلکی جھوٹ گئی۔ ان کے اس طرح ہنسنے پر! رد گرد کھڑے کچھ لوگوں نے انہیں تنبیہ کرنے والے انداز میں گھورا تو وہ بمشکل اپنی ہلکی کورک کر دُعا یہ انداز میں ہاتھ جوڑے سر جھکا کر کھڑی ہو گئیں۔

”ویسے سلیو! تم اپنے بوائے فرینڈ میں انٹرسٹ کیوں نہیں لیتیں؟“ چرچ سے باہر آ کر کیتھرین نے دوبارہ وہی موضوع شروع کر دیا تو وہ بیزاری سے اسے دیکھنے لگی۔

”میرا کوئی بوائے فرینڈ نہیں ہے اور نہ ہی مجھے کوئی دلچسپی ہے کہ میں خواہ مخواہ فضول لوگوں کو اپنا فرینڈ کہوں؟“ اس نے اکتائے سے لہجے میں جواب دیا۔

”کیوں؟ رسل تمہارا بوائے فرینڈ نہیں ہے کیا؟“ کیتھرین نے اگلا سوال کیا۔

”پلیز کیتھرین! اس کا نام مت لیا کرو۔ عجیب سی الجھن ہونے لگتی ہے مجھے اس سے۔“ اس کے ذکر پر اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

”تم آخر اتنی اربک کیوں رہتی ہو بوائے فرینڈ بنانے سے؟“ کیتھرین شاید آج ہی اس سے اس بارے میں جان لینے کا قصد کر چکی تھی۔

”میں چاہتی ہوں میری زندگی میں آنے والا صرف ایک ہی شخص ہو، چاہے وہ کوئی بھی ہو، بس میرے دل کو بھا جائے۔“ اس نے مطمئن انداز میں جواب دیا۔

جبکہ کیتھرین اس کے جواب پر خاموش ہو گئی۔



”تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہئے جانسن!“ کیری کو اس کی یہ بات قدرے ناگوار گزری تھی۔

”کیوں؟ کیوں نہیں کہنا چاہئے ایسا؟ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ سب پیرنٹس اپنے بچوں کے لئے کرتے ہیں، خیر میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔“ وہ دوبارہ اپنے مقصد کی طرف آتے ہوئے بولا۔

”آپ لوگ خاموشی سے اپنے سارے اکاؤنٹس وغیرہ میرے نام کر دیجئے ورنہ میں کیس کر دوں گا، کورٹ میں لے جاؤں گا آپ دونوں کو۔“ وہ اب دھمکیوں پر اتر آیا تھا۔ کیری ناہنجی کے عالم میں اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی کون سی مجبوری تھی جس کی وجہ سے اتنا بڑا اسٹیپ لے رہا تھا۔ وہ اس کا کالج فرینڈ تھا اور اتنے عرصے تک ان کی دوستی اعتماد پر برقرار تھی مگر اب..... اب کون سا مسئلہ تھا جس کے پیش نظر وہ اتنا روڈ لی بیو کر رہا تھا اور جس کے متعلق اس نے اسے بھی آگاہ نہیں کیا تھا۔

وہ الجھ سا گیا تھا مگر کیا کرے؟ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔

”جو تمہارے دل میں آتا ہے کر لو لیکن میں دیا ہرگز نہیں کروں گا جیسا تم چاہتے ہو۔“ انکل نے اسے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا اور ایک فیملی کے درمیان ہونے والی اس جھڑپ میں خود کو بالکل مس فٹ محسوس کر رہا تھا، سو اس نے اُنھ کو جانے کا قصد کیا ہی تھا کہ جانسن کو انکل کی طرف طیش کے عالم میں بڑھتا دیکھ کر فوراً زک گیا۔

”یہ کاغذات ہیں ان پر ابھی سائن کر دیجئے ورنہ.....“ اس کی آنکھیں بغاوت پر اتر آئی تھیں۔

”دیکھو جانسن!“ وہ حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

”تم درمیان میں مت آؤ کیری!“ اس نے دونوں ہاتھوں کی مدد سے اسے پرے دھکیلتے ہوئے غصے سے کہا اور دوبارہ ان کی جانب متوجہ ہو گیا۔

”کر دیجئے ان پر سائن!“ اس نے بمشکل اپنے لہجے کی سختی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”نہیں کروں گا۔“ انہوں نے بے خوف ہو کر کہا۔ جبکہ ان کے انکار پر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ تب ہی ایک لمحے کی دیر کے بغیر اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب

اسے دیکھتے ہی فوراً اس کی طرف لپکتے ہوئے پریشانی سے بولے۔

”آپ پلیز! یہاں بیٹھ جائیں، میں جانسن سے بات کرتا ہوں۔“ وہ انہیں قریبی صوفے پر بٹھا کر جانسن کی طرف بڑھا جو غصے میں بھرا ہوا تھا۔

”کیا ہوا ہے جانسن!“ اس نے آرام سے پوچھا۔

”کچھ نہیں ہوا کیری! اپنا حق مانگ رہا ہوں بس۔“ وہ بھنائے ہوئے انداز میں بولا۔

”کون سا حق مانگ رہے ہو تم؟“ انکل شدید غصے کے عالم میں بولے۔

”تم پر، تمہاری پڑھائی پر اور تمہاری عیاشیوں پر نجانے کتنا پیسہ خرچ کیا ہے ہم نے، یہ جانتے ہو تم؟“

”انکل! انکل پلیز! آپ..... آپ بیٹھ جائیے۔ میں اسے سمجھاتا ہوں۔“ وہ انہیں ٹھنڈا کرتے ہوئے گویا ہوا۔ جبکہ وہ خود اب تک معاملے کی نوعیت کو سمجھ نہیں سکا تھا۔

”جانسن! آخر تم چاہتے کیا ہو؟“ وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے سارے اکاؤنٹس اس کے نام کر دیں تاکہ یہ.....“

”ہاں! یہی چاہتا ہوں میں، کیونکہ میں آپ کی اکلوتی اولاد ہوں اور میرا پورا حق ہے آپ لوگوں کی دولت پر۔“ ماما کی بات پر وہ مزید بھڑک کر بولا۔

”اولاد ہو تم ہماری جیسی تو تم پر بے دریغ خرچ کیا ہے ہم نے۔“ انکل ایک بار پھر چیخ

پڑے۔

”دنیا کی ہر شے لا کر تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دی۔ جہاں تم نے چاہا ہم نے دیں تمہیں ایجوکیشن دلائی، کبھی تم پر روک ٹوک نہیں کی، کبھی تم پر بے جا پابندی نہیں لگائی اور اب تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے سارے اکاؤنٹس اور اپنا بزنس تمہارے نام کر دیں تاکہ ہمیں بیکار سمجھ کر اولڈ ہوم کی زینت بنادو۔“

”آپ کی تو اصل جگہ ہی وہیں ہے ڈیڈ! نہ جانے یہاں کیا کر رہے ہیں آپ لوگ؟“

اس نے تنفر سے کہا۔

”اور ویسے بھی آپ لوگ مجھ پر روک ٹوک کرنے کا قانونی اختیار بہت پہلے ہی کھو چکے

ہیں۔“

”اور کیا؟“ وہ ایک جھٹکے سے ان کے دونوں ہاتھوں کو اپنے گریبان سے آزاد کراتے ہوئے وحشیانہ انداز میں چیخ کر بولا۔

”اور کیا سکھایا تھا آپ نے مجھے، یہی ناں کہ دولت ہی سب کچھ ہے، پیسہ اور اسٹیٹس ہی سب کچھ ہے اور ان چیزوں کی خاطر کچھ بھی کر گزرتا ہو، کر جاؤ۔“

”تم نے..... تم نے میرے شوہر کو مار ڈالا۔“ وہ غرا کر بولیں۔

”مت دکھائیے مجھے یہ ڈرامہ ماما! آپ کی اصلیت بھی اچھی طرح جانتا ہوں میں۔ نفرت محسوس ہوتی ہے مجھے آپ کو اپنی ماں کہتے ہوئے، جانتی ہیں آپ؟“ وہ دھاڑا۔

”ضرورت تو مجھے آپ کی بھی نہیں ہے۔ آپ دونوں..... آپ دونوں نے مل کر میری زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ آپ دونوں ایک دوسرے کو دھوکا دیتے تھے اور جو مجھے بھی دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے تھے۔“ وہ ان پر ریوالور تان کر غرا کر بولا۔

”کون سا دھوکا دیا ہے ہم نے تمہیں؟“ انہوں نے کمزور سے لہجے میں پوچھا۔

”دھوکا.....؟ کون سا دھوکا نہیں دیا آپ لوگوں نے؟ مجھے..... مجھے اس..... اس دنیا کے اندھیروں میں بھٹکا دیا آپ نے اور پوچھتی ہیں کہ کون سا دھوکا دیا ہے؟ ساری زندگی یہی تو دھوکا دیتے رہے ہیں آپ لوگ مجھے کہ دنیا میں خود کو گم کر لوں میں۔“ اس کی آواز میں عجیب سی شکستگی نمایاں تھی۔

جبکہ وہ سنجی کے عالم میں اسے دیکھے گئیں۔

”آپ جتنا شوہر پرستی کا ڈھونگ رچاتی ہیں ناں! میں..... میں سب جانتا ہوں کہ آپ کا شمار بھی لندن کی اس تیسری شادی شدہ عورت میں ہوتا ہے جو اپنے شوہر کے علاوہ ایک بوائے فرینڈ رکھنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔“ اس کے منہ سے کف اُڑ رہا تھا جبکہ دوسری طرف آنٹی کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

انہیں اس بات کا کبھی شبہ بھی نہیں ہوا تھا کہ جانسن ان کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ وہ تو سمجھتی تھیں کہ وہ اپنی زندگی میں مگن ہے لیکن..... بہتر یہی تھا کہ وہ اس سے اس وقت نرمی اور محبت سے کام لیں۔ یہی سوچ کر وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔

”نہیں جانسن!..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں..... میں تمہاری ماں ہوں۔“

سے ریوالور نکالا اور ان پر تان دیا۔

اس کی اس جسارت پر جہاں انکل اور آنٹی ہکا بکارہ گئے تھے وہیں اس پر بھی سراسیمگی کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

”سائن کر دیجئے پاپا! ورنہ..... ورنہ آج کے بعد آپ میرے منہ سے خود کو ”پاپا“ لفظ نہیں سن سکیں گے۔“

”یہ..... یہ کیا کر رہے ہو جانسن! یہ تمہارے قادر ہیں۔“ وہ آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھتے ہوئے نرمی سے بولا۔

”وہیں رُک جاؤ کیری!“ وہ ریوالور کا رخ اس کی جانب کرتے ہوئے تنبیہ کرنے والے انداز میں بولا تو وہ وہیں جم کر رہ گیا۔

”جو باپ اپنی اولاد کی ایک ادنیٰ سی خواہش پوری نہ کر سکتا ہو وہ میرے نزدیک باپ کہلانے کے قابل نہیں ہے۔“ وہ دوبارہ ریوالور کا رخ ان کی طرف کرتے ہوئے غصے سے گویا ہوا۔

”اب تو میری پراپرٹی میرے مرنے کے بعد ہی تمہارے نام ہوگی جانسن!“ وہ اپنے بیٹے کے منہ سے یہ الفاظ سن کر مایوس کن لہجے میں بولے۔

”جانسن! ایسا مت کرو مائی سن!“ آنٹی وہیں کھڑے کھڑے التجائیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

”آپ کچھ مت بولیں ماما! شکایتیں تو آپ سے بھی بہت ہیں مجھے۔“ اس کے باغیانہ لہجے پر وہ دم بخود رہ گئیں۔

”سائن کر دیجئے پاپا!“ اس نے خود پر ضبط کرتے ہوئے ایک بار پھر وارن کرنا چاہا۔

ان کے نفی میں سر ہلاتے ہی اس نے ٹریگر پر اپنی انگلی کا دباؤ بڑھا دیا اور چند لمحوں پہلے اپنے مضبوط پاؤں پر کھڑا ہونے والا شخص اپنی ساری قوتیں کھوکھو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

”جانسن! یہ..... یہ کیا، کیا تم نے؟“

آنٹی اس کی طرف دیوانہ وار لپکیں اور اس کا گریبان جھنجھوڑ کر بولیں۔

”اپنے..... اپنے باپ کو مار ڈالا تم نے، پراپرٹی کی خاطر تم نے اپنے باپ کو مار ڈالا۔“

تھا۔ اسے اپنی تمام سانسیں سینے میں اٹکتی محسوس ہو رہی تھیں۔

وہ ان لاشوں پر سے نظریں ہٹانا چاہتا تھا مگر باوجود کوشش کے وہ اپنی توجہ دوسری جانب مبذول نہیں کر پا رہا تھا۔ جمادینے والی سردی میں اس کا جسم پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔ اسے اپنے قدموں پر ٹھہرنا مشکل لگ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا مضبوط جسم کچھ ہی لمحوں میں زمین بوس ہو جائے گا۔

اس نے اپنے کپکپاتے ہاتھوں سے کرسی کی پشت تھام لی۔ بے اختیار اس کا دل وہاں سے بھاگ جانے کو چاہا مگر چاہنے کے باوجود وہ کچھ بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ اسے اس وقت اپنی کمزور قوت ارادی پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ تب ہی اس کی آنکھوں کے آگے دھند سی چھا گئی تھی۔ وہ دونوں لاشیں اس کی آنکھوں کے سامنے محض ایک عکس بن کر رہ گئی تھیں۔

”کیا ہوا کیری! آریو آل رائٹ؟“ جانسن نے پریشانی سے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”کم آن یار! ریلیکس!“ وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ جو اس نے فوراً جھٹک دیا۔

”میری نظروں سے دور ہو جاؤ جانسن! تم..... تم انسان نہیں درندے ہو درندے۔“ وہ اپنے لہجے کی کپکپاہٹ پر قابو نہیں رکھ پایا تھا۔

”میں جانتا ہوں تمہیں اس وقت مجھ سے نفرت محسوس ہو رہی ہوگی لیکن تم ہی بتاؤ! میں اور کیا کرتا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا میرے پاس۔“ وہ بے بسی سے بولا۔

”اپنے ماں باپ کو مار دینا کس مسئلے کا حل ہوتا ہے جانسن!“ وہ اپنی تیز چلتی سانسوں کو اور کپکپاتی آواز کو بمشکل کنٹرول کرتے ہوئے بولا۔

”تمہیں دولت کی ضرورت تھی ناں! اب وہ تمہاری ہوگی، صرف تمہاری..... تمہاری ماں تمہارے لئے ایک سیاہ داغ کی مانند تھی ناں! اب تو مٹ گیا ہوگا ہر داغ تمہارے ماتھے سے، لیکن تھوڑی دیر کے لئے..... صرف تھوڑی دیر کے لئے یہ تو سوچ لیا ہوتا کہ انہوں نے کیا نہیں کیا تمہارے لئے، تمہاری پرورش، تعلیم، تمہاری تربیت میں کہاں کس چھوڑی تھی جو..... جو تم نے اتنا گھٹا تا جرم کر ڈالا؟ اپنے ہی والدین کو مار ڈالا تم نے۔“ اس نے تاسف سے اس کی

”چپ ہو جائیے پلیز! ایک لفظ بھی مت کہئے گا ورنہ.....“

ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

”جانسن! مائی سن! پلیز!“ وہ اس کی طرف مزید پیش قدمی کرتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں بولیں۔

”نوماما! نو..... زک جائیے ورنہ.....“ پتہ نہیں اس کے اندر کون سا لادابھرا ہوا تھا جو ان کے ایک لفظ کہنے پر ہی اُبل رہا تھا۔

”جانسن! میری بات سنو!“

ان کی بات ابھی مکمل ہی نہ ہونے پائی تھی کہ فائر کی گونج ایک بار پھر فضا میں پھیلی خاموشی کو توڑ گئی۔

اور پھر چند ہی لمحوں بعد وہی جامد سکوت چاروں طرف پھیل گیا جو اب سے کچھ دیر پہلے اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے تھا۔

”کہا تھا ناں..... کہا تھا ناں میں نے مت بولے مجھ سے، چپ ہو جائیے۔“ وہ ان کے بے جان وجود کو بری طرح جھنجھوڑتے ہوئے چیخ چیخ کر وحشیانہ انداز میں بول رہا تھا۔

”مزید آپ کا جھوٹ اور آپ کی صفائی برداشت نہیں ہو رہی تھی مجھ سے۔ ساری زندگی آپ دونوں کی فضول باتیں اور آپ کا جھوٹ ہی تو برداشت کرتا آیا ہوں میں اور آج..... آج پھر آپ مجھ سے جھوٹ بولنے جارہی ہیں۔“ وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا اور شکستہ سی حالت میں صوفے پر جا بیٹھا۔

جبکہ وہ نبھانے کتنی ہی دیر سے پھٹی پھٹی آنکھوں سمیت کارپٹ پر پڑی دونوں لاشوں کو نکلے جا رہا تھا۔ گرم گرم ہوتا خون کارپٹ پر دُور تک پھیل گیا تھا۔ دوزندہ وجود جن میں اب سے تھوڑی دیر پہلے تک زندگی کی رت موجود تھی، بے جان حالت میں زمین پر پڑے تھے۔ اس نے پہلی بار اپنی آنکھوں کے سامنے کسی کو یوں بے دم ہوتے دیکھا تھا۔ پہلی بار جسموں سے اُبلتا خون دیکھا تھا۔ اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔

ان کی کھلی آنکھیں اسے مزید خوف میں مبتلا کر رہی تھیں۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی یہ دونوں لاشیں اُنھ کھڑی ہوں گی۔ یکدم اس کا تیز تیز چلتا سانس اب مدہم سا ہونے لگا

”میں پتہ نہیں کیوں برداشت نہیں کر سکا تھا اپنی ماں کی بے جا آزادی کا غلط استعمال۔“
پتہ نہیں کیوں میرا خون کھولتا تھا جب..... جب میں انہیں کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھتا تھا۔“ اس
کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے مگر وہ خود پر ضبط کرتے ہوئے دوبارہ بولا۔

”کاش! میں بھی یہاں پر موجود ان بہت سے لڑکوں میں سے ایک ہوتا جنہیں ان
باتوں کا احساس ہوتا ہے نہ پردہ کہ ان کا باپ کرپٹ ہے یا نہیں، ان کی ماں کے کتنے بوائے
فریڈ ہوتے ہیں اور ہوتے بھی ہیں یا نہیں۔ کاش! میرا ضمیر بھی مر گیا ہوتا کیری! تو آج یہ
دونوں تو زندہ ہوتے۔“ اب وہ باقاعدہ رونے لگا تھا۔

”میں نے بہت اذیت میں اپنی زندگی کا یہ دور گزارا ہے، بہت تکلیف سے گزرا ہوں
میں اور اپنی اس تکلیف، اپنی اس اذیت کو ختم کرنے کے لئے میں نے کون کون سے ڈرگز کا
استعمال نہیں کیا۔ کون سی ایسی شے تھی جو انسان کو خود سے دُور کر دیتی تھی، میں نے نہیں اپنائی۔
شاید ہمارے معاشرے میں پلٹنے والا میری طرح کا ہر نوجوان یونہی جذباتی فیصلے کر لیتا ہے۔
آخر وہ کون سا راستہ ہے کیری!“ وہ بولتے بولتے اچانک اس سے مخاطب ہوا جس پر وہ اسے
سراٹھا کر دیکھنے لگا۔

”وہ کون سا راستہ ہے کیری! جس پر چل کر میرے جیسے نوجوان ایسے فیصلے نہیں کرتے،
جس پر چل کر وہ خود کو اندھے کنویں میں نہیں دھکیلے، جس پر چل کر وہ ایسی بہت سی برائیوں
سے بچ جاتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ برائی بھی ہے یا نہیں۔
ایسی برائیاں جو آہستہ آہستہ ہمارے جسموں کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہیں اور دوسروں کو ہمیشہ
ہمیشہ کے لئے برباد۔“ وہ سانس لینے کو رکھا۔

”میں خود نہیں جانتا کہ ایسا کون سا راستہ ہے؟“ وہ صوفی پر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے
بولا۔

”لیکن مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کچھ ہے، ایسا کچھ ہے جانسن! جو ہمیں ان تمام راستوں پر
چلنے سے روک سکتا ہے۔ جو برائیوں کی طرف لے جاتا ہے۔“

کافی دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔
پہلے کی نسبت اب اس کی حالت قدرے بہتر تھی مگر ایک خوف سا تھا جو اسے اپنے گرد

طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”صحیح کہتے ہو تم کیری! بالکل صحیح کہتے ہو۔“ جانسن کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔

”بھلا کیا کی تھی میرے پاس؟ لیکن تم نہیں جانتے، بظاہر تو سب کچھ تھا میرے پاس، وہ
سب کچھ تھا جس کی ایک شخص کو ضرورت ہوتی ہے لیکن..... لیکن میں یہ سب نہیں چاہتا تھا
کیری! یا! میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا تھا۔“ وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔

”میں نے کبھی بھی تمہیں یا آرنلڈ کو اپنی کیفیت کے بارے میں نہیں بتایا تھا، بظاہر تو میں
تم لوگوں کے ساتھ خوش رہتا تھا، زندگی کے ہر ایونٹ کو بھرپور طریقے سے مناتا تھا لیکن
درحقیقت میں ان رنگینوں سے تنگ آ چکا تھا، میں ان سب چیزوں سے فرار چاہتا تھا لیکن.....
لیکن کوئی بھی راستہ ایسا نہیں تھا جس پر چل کر مجھے میرے ہونے کا احساس ہوتا لیکن چاہتے
ہوئے بھی اس روٹین اور اس زندگی سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا۔“ وہ ایک لمحہ کے لئے رُکا اور
پھر گویا ہوا۔

”میں نے..... میں نے ساری زندگی پاپا کو دولت کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔
دولت ہی ان کی اولاد تھی اور دولت ہی ان کا ایمان، اور حقیقت تو یہ ہے کہ جو دولت کو اپنا سب
کچھ مان لیتا ہے وہ برائی کو پالیتا ہے۔ پاپا نے تو خود ایسا کیا ہی تھا، انہوں نے مجھے بھی دولت
کا پجاری بنا ڈالا تھا۔ ان کی ہر بات پیسے سے شروع ہو کر پیسے پر ختم ہوتی تھی۔ میں بھی
نجانے کب دولت کا بھوکا بن کر رہ گیا کہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ مجھے اپنی پاکٹ منی کم
پڑتی چلی گئی۔ آخر میری رگوں میں بھی تو دولت کی محبت خون بن کر دوڑ رہی تھی ناں! پھر میں
کیسے اپنی اس ہوس کو نہ مٹاتا سو مار ڈالا میں نے انہیں۔ میں تو اصل میں اپنے والدین کی
تربیت کا ہی نتیجہ ہوں جنہوں نے مجھے کبھی اخلاقیات کا سبق پڑھایا اور نہ کبھی مذہبی تعلیم دینے
کی کوشش کی۔ پھر ایسا تو ہونا تھا ناں!“ وہ بکھرے بکھرے سے انداز میں صوفی پر ڈھے سا
گیا اور چند لمحوں بعد دوبارہ گویا ہوا۔

”میری ماں..... تم جانتے ہو کیری! میری ماں کو، یہ کیسی عورت تھی؟ کیسی بیوی تھی؟
اور..... اور کیسی ماں تھی؟ تم نہیں جانتے لیکن..... لیکن میں جانتا ہوں میں.....“ اتنا کہہ کر وہ
یکدم چپ سا ہو گیا اور پھر ایک نقطے پر نظریں مرکوز کئے ہوئے بولا۔

وہ شروع سے ہی ماما کے اس انداز سے خوفزدہ سی ہو جاتی تھی۔

ایک طویل خاموشی کے بعد جانسن اٹھادہ ٹیلی فون کے نمبر پر پریس کرنے لگا۔

وہ قدرے حیرانی سے اس کی پشت کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے یقیناً پولیس کو فون کیا تھا۔

”میں نے پولیس کے حوالے کر دوں گا، جو جرم میں نے کیا ہے اس کی سزا تو بہر حال

مجھے ملنی چاہئے ناں! اور پلیز! پولیس کے آنے سے پہلے تم یہاں سے چلے جاؤ۔“ جاسن نے

وہیں کھڑے کھڑے اسے اپنے ارادے سے آگاہ کیا تو وہ محض اسے دیکھ کر رہ گیا۔

گھر پہنچے پر بھی اس کی حالت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ نہ جانے کتنا

لباس فرطے کر کے آ رہا ہو۔ وہ اپنے جسم کی کچکپاہٹ اور تیز تیز چلتی سائیس بآسانی سن سکتا

تھا۔ اسے اپنا پورا جسم آگ کی مانند جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ فوراً اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اب بنی دو لائیں

لہو مری میں اور ساتھ ہی جاسن کا افسردہ چہرہ ہی۔ اس نے سائید دراز میں سے ایل

نیبلٹ نکال کر لکھائی اور سوئے کی نوکس کرے گا۔

“سیدہ!”

ماما کی آواز پر اس نے انگلیوں میں دبا سگریٹ ٹیرس سے باہر پھینک دینا چاہا لیکن اس

کے ایسا کرنے سے پہلے انہوں نے ایک نظر اس کی انگلیوں میں دبے سگریٹ کی جانب دیکھا

پھر فوراً نظر انداز کر کے اس کے چہرے کی جانب دیکھنے لگیں تو اس نے بھی مطمئن انداز میں

سگریٹ کو الیش ٹرے میں مسل دیا۔

”سیدہ! کل تم گیٹ روم میں کیا کر رہی تھیں؟“ انہوں نے نفیستہ انداز میں پوچھا۔

”میں.....“ وہ ان کے سخت تیور دیکھ کر ڈر سی گئی تھی۔

”وہ..... ماما! میں وہاں سے لڑ رہی تھی تو لڑیندے مامے مجھے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اس

نے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا لہجہ رہی سیس وہم سے؟ انہوں نے مجھے پرہیز دیا کہ پوچھا۔“

چھ نہیں ماما! وہ سیری اسیدیر کے بارے میں پوچھ رہی ہیں۔ اس کے بارے

وہ شروع سے ہی ماما کے اس انداز سے خوفزدہ سی ہو جاتی تھی۔

”کوئی ایکسٹرابات تو نہیں کی انہوں نے تم سے؟“ ان کا انداز ہنوز کھوجنے والا تھا۔

”نوما!“ اس نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کا جواب سن کر وہ ریلیکس سی کر سی پر

براجمان ہو گئیں تو اس نے بھی اطمینان کا گہرا سانس بھرا۔

”تم ان کی فضول سی باتوں پر دھیان مت دیا کرو۔“ انہوں نے اسے تنبیہ کی۔

”یس ماما!“ وہ ان کے قریب پڑی چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”آپ لہیں جا رہی ہیں ماما!“ وہ ان کی بھرپور تیاری دیکھتے ہوئے بولی۔

”مسز جارج کا برتھ ڈے ہے آج، وہیں جا رہی ہوں۔ اس لیے سراسی گھروں سے

ان کا بھرپور جائزہ لیا۔

سرخ رنگ کی سیٹویس سرٹ اور بلیک کمرے لائف اسٹریٹ میں ان کا ادارت ہے۔

ان کا سفید دھلا بی رنگ آنکھوں کو زیرہ کر رہا تھا۔ اس کے ایک جبہ بڑا بڑا

”اے مہر آج جسے بخیر نصرت کرنا چاہتا ہوں؟“ اس نے محبت سے ان کے

ہمارا کہہ سکتا ہے کہ

”اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! تم تو دیکھو۔“

”تمہیں؟“ وہ اس کی ٹھوڑی کو ملکا سا چھو کر بولیں۔

”نوماما! میں آج جیسی خوبصورت تو نہیں ہوں ناں

”تم سے کس نے کہا؟ تم تو بالکل میرا عکس ہو۔“ وہ اسے منانے والے انداز میں

تو اس نے مطمئن انداز میں سر ہلادیا۔

”لیکن سیدہ! تم شاید جانتی نہیں کہ کچھ لوگ اس خوبصورتی کو برداشت نہیں کر پاتے۔“

انہوں نے قدرے نخوت سے کہا۔

”کون لوگ ماما!“ اس نے تجسس سے پوچھا۔

”جیسے تمہاری گریڈ!“ ان چار الفاظ کی ادائیگی انہوں نے نہایت تنفر سے کی تھی۔

”کیوں...؟ ٹھیک کیوں؟“ انہوں نے تعجب سے پوچھا۔

”تمہاری اسٹڈیز تو ہمیشہ ہی بہت اچھی رہی ہے، پھر اب کیوں ٹھیک ہے؟“

”پتہ نہیں پایا! کیا ہو رہا ہے؟“ وہ بہت الجھا الجھا سا دکھائی دے رہا تھا۔

”اپنی دے! میں چاہتا ہوں کہ تم بہت اچھے بزنس مین بنو اور اس کے لئے ضروری ہے کہ تم اپنی ساری توجہ اپنی اسٹڈیز پر ہی مرکوز رکھو۔“ انہوں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ محض اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

”اور ہاں! وہ جانسن کا کیا ہوا؟“ انہوں نے اچانک یاد آنے پر پوچھا۔

”جی وہ..... عمر قید کی سزا سنائی ہے کوٹھ نے۔“ وہ بہت پشیمردہ سا دکھائی دے رہا

تھا۔

اتنا کہہ کر وہ ڈائمنگ نیبل پر سے اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ جانسن والے واقعے سے وہ کافی آپ سیٹ تھا۔ باوجود کوشش کے وہ اپنے ذہن کو پرسکون نہیں کر پایا تھا۔ درحقیقت وہ بہت حساس واقع ہوا تھا اور ایسا حادثہ تو اس کی زندگی میں پیش آنے والا پہلا بڑا حادثہ تھا۔ کوئی شخص اس قدر جذباتی بھی ہو سکتا ہے؟ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے ایک بھیانک خواب دیکھ لیا ہو۔ مگر جانسن کو جیل کی تنگ دتاریک سلاخوں کے پیچھے تڑپتا دیکھ کر اسے اس تکلیف دہ حقیقت پر یقین آنے لگتا تھا۔

وہ اپنے ہی خیالوں میں گم گھر سے باہر نکل آیا اور یونہی بے مقصد سڑک کے کنارے پر چلنے لگا۔ وہ ادھر سے ادھر چلتے پھرتے لوگوں کے چہروں کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اسے ہر چہرہ خوشی سے دھکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، ہر لب مسکراتا ہوا کھل سار ہا تھا۔

اس نے ایک نظر اپنے وجود پر ڈالی۔ اسے اپنے اندر کچھ کمی محسوس ہو رہی تھی لیکن کیا کمی تھی؟ وہ جان نہ پایا۔ حالانکہ سب کچھ تو تھا اس کے پاس۔ پایا کا دیا سب کچھ، دولت، جائیداد، بینک بیلنس، اس کا ذاتی فلیٹ، لندن کی سب سے بڑی یونیورسٹی میں جاری اس کی بہترین تعلیم، مکمل آزادی جس میں نہ کوئی روک ٹوک تھی اور نہ ہی کوئی بندش پھر۔ پھر کیا کمی تھی؟

اسے اکثر یہی سوال مضطرب کئے رکھتا تھا۔ جتنا وہ اس بارے میں سوچتا مزید الجھتا چلا

”ماما! آپ بالکل گریڈ ما سے مشابہت رکھتی ہیں۔ بالکل انہی کی طرح خوبصورت ہیں۔“ اس نے غور سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہوں! انہوں نے کب یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ خوبصورتی کیا چیز ہے؟ خوبصورتی تو وہی ہے جو نظر آئے، جس کو دیکھنے والا مبہوت رہ جائے مگر تمہاری گریڈ ما..... اونہ! ان کے ذکر پر ان کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

”جیلس ہوتی تھیں وہ مجھ سے، میری خوبصورتی سے، چاہتی تھیں کہ میں ان کی پابند ہو کر رہ جاؤں، لیکن وہ مجھے جانتی نہیں تھیں کہ میں جو کرنے کی ٹھان لوں پھر کچھ ہو جائے وہی کرتی ہوں۔ پھر کیسے وہ مجھے میری مرضی کے خلاف چلا سکتی تھیں، بہر حال.....“ وہ اچانک بات کرتے کرتے اس سے مخاطب ہوئیں۔

”تم ان سے دور ہی رہنا، مجھے ڈر ہے کہ ان کے باغیانہ خیالات تمہیں مجھ سے دور نہ کر دیں۔ اوکے مائی ڈیر!“ انہوں نے اس کے چہرے کو ہلکا سا جھوٹا اور اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

ماما سے دور ہونے کا خیال اسے دہلا کر رکھ دیتا تھا، سو فوراً بولی۔

”نوماما! مجھے ان کی باتوں سے بہت ڈر لگتا ہے، میں اس لئے ان سے بہت دور رہتی ہوں۔“ اس کے لہجے میں ڈر نمایاں تھا جسے محسوس کر کے وہ فاتحانہ انداز میں مسکرائیں۔ پھر سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

”مجھے تمہاری یہی عادت بہت پسند ہے کہ تم فوراً میرا پرالہم سمجھ جاتی ہو۔“ وہ محض مسکرا کر رہ گئی۔

ماما کے کمرے سے چلے جانے کے بعد وہ اُنھی اور مدھو کے گھر جانے کی تیاری کرنے لگی۔



”کیری!“ ڈائمنگ نیبل پر پایا کی آواز پر وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

”یس پایا!“

”تمہاری اسٹڈی کیسے جارہی ہے؟“ انہوں نے سرسری سے انداز سے پوچھا۔

”بس! ٹھیک جارہی ہے پایا!“ اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

”سر! مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ آپ یہاں اس حالت میں..... میرا مطلب ہے کہ بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلے!“ اس نے نرمی سے کہا۔
 ”مجھے کہیں نہیں جانا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کسی کی۔ مجھے کسی شے سے کوئی غرض نہیں ہے۔ مجھے صرف خود سے غرض ہے، مجھے اپنے آپ سے مطلب ہے، صرف اپنے آپ سے۔“ وہ خود سے بالکل بیگانہ لگ رہا تھا۔ وہ مزید بولا۔

”میرے اندر بڑھنے والی بے قراری کو نہیں سمجھ سکتا..... نہیں سمجھ سکتا تو کہ میرے اندر کیسی آگ جل رہی ہے، جو مجھے نہ پوری طرح جلنے دیتی ہے اور نہ خود پوری طرح بجھتی ہے۔ بس..... بس اس آگ میں جھلتا رہا ہوں میں۔ لمحہ لمحہ جھلتا ہوں اس آگ میں۔“

اتنے عرصے میں وہ آج اس سے اپنی کیفیت بیان کر رہا تھا اور وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ اس کی اس حالت بارے میں جان کر اس کا مسئلہ حل کر سکے۔ سو وہ اس کی باتوں کو انتہائی انہماک سے سننے لگا۔ وہ شخص بظاہر تو اسے دیکھ رہا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ وہ ذہنی طور پر وہاں موجود نہیں ہے۔ اس کی آنکھیں اب بھی آنسوؤں سے تر تھیں مگر جو چیز اسے منہمک انداز میں دیکھنے پر مجبور کر رہی تھی وہ اس شخص کی آنکھوں سے جھلکتا کرب تھا۔

”میں جانتا ہوں کہ اس دنیا کے بسنے کا کوئی مقصد ہے، میرے بنائے جانے کا مقصد ہے، تیرے بنائے جانے کا مقصد ہے لیکن وہ کیا مقصد ہے؟ میں نہیں جانتا۔“
 ایک بار پھر اس نے رونا شروع کر دیا تھا۔ پھر یکدم اپنے چہرے پر سے آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

”میں دس سالوں سے ایسے جی رہا ہوں لیکن ایسے مرنا نہیں چاہتا کہ جب میں مروں تو میری زبان پر اس کا نام نہ ہو جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ لیکن..... لیکن کس نے پیدا کیا ہے مجھے کس نے.....“ وہ ہر سوچ انداز میں آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

”یہی سوال مجھے بڑا پتا ہے اور یہی خیال مجھے زلاتا ہے کہ میں نے ساری زندگی اس کو خدا نہیں مانا کہ فلاں میرا خدا ہے کیونکہ..... کیونکہ میں جانتا ہوں کہ خدا ایک ہے صرف ایک، لیکن وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ میں نہیں جانتا۔“

وہ اب کی بار گھٹنوں میں سر دیئے بلک بلک کر رو رہا تھا۔ چند لمحوں تک وہ یونہی روتا رہا

جاتا تھا۔ اس وقت بھی اس پر وہی کیفیت طاری تھی جو اسے اضطراب میں مبتلا کئے رکھتی تھی۔
 اس نے روڈ کراس کیا اور سامنے بنی ایک کافی شاپ میں داخل ہو گیا۔ کافی کا گرم گرم کپ پینے کے بعد اس نے خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی اور تھوڑی دیر تک خالی الذہن کے ساتھ وہیں بٹھا رہا۔ وہ ہر سوچ اور ہر خیال کو اپنے ذہن سے محو کر دینا چاہتا تھا۔

اس نے پڑ سکون انداز میں اپنا سر کرسی کی پشت پر ڈال دیا۔ تب ہی بالکل اچانک اس کی نظر گلاس ڈور سے باہر سڑک کے اس پار دائیں جانب مڑنے والی گلی پر جا پڑی۔ وہ فوراً کرسی چھوڑ کر کافی شاپ سے باہر نکل آیا اور تقریباً دوڑتا ہوا اس گلی کے کٹڑ پر جا پہنچا۔

کتنے ہی دنوں سے وہ اس شخص کو تلاش کر رہا تھا۔ کتنی ہی بار وہ اس کی مخصوص جگہ پر گیا تھا مگر اسے وہاں موجود نہ پا کر وہ مایوس لوٹ آتا اور پھر دوسری جگہوں پر ڈھونڈنے نکل کھڑا ہوتا، لیکن آج اچانک ہی وہ شخص اسے نظر آیا تو وہ ایک لمحے کی بھی دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔

اس کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔ وہ ایک لمبا سانس لے کر اس شخص کے بالکل سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا جو اسٹریٹ لائٹ کے نیچے زمین پر اپنی مخصوص حالت میں بیٹھا تھا۔
 اس نے بغور اس شخص کا جائزہ لیا۔ وہ شاید رو رہا تھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور جسم بھی بری طرح کانپ رہا تھا۔

وہ زیادہ دیر تک اسے اس حالت میں نہ دیکھ سکا اور فوراً بول اٹھا۔
 ”ایکسیکوزی سر! آپ..... آپ ٹھیک تو ہیں ناں!“ اس نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا جس پر وہ مزید رونے لگا تھا۔

”سر! کوئی پرالیم ہے آپ کے ساتھ؟“ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا مبادا وہ اسے جھڑک نہ دے مگر توقع کے برخلاف وہ مزید نرم پڑتا چلا گیا۔

”یہ تو میں بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ پرالیم کیا ہے؟ میں..... میں خود نہیں جانتا کہ میں اصل میں چاہتا کیا ہوں؟“

اس کی سفید داڑھی آنسوؤں میں بھیگ چکی تھی۔ وہ اس وقت خود سے بالکل اجنبی سا، دکھائی دے رہا تھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر دوبارہ گویا ہوا۔

”میں چاہتا تھا کہ صرف ایک سے مانگوں کیونکہ ایک دینے والا ہے لیکن میں نے اس کو ڈھونڈنے کی خاطر صرف اس کو پانی کی خاطر نبھانے کتنے پتھروں کو پوجا، کتنے بدھوں کی عبادت کی، مگر میرے اندر کی بے چینی میں ذرہ برابر کی نہیں ہوتی، بلکہ میری بے قراری مزید بڑھتی چلی گئی اور جوں جوں میں بے قرار ہوتا، میں نے نئے مذاہب کا پیرکار بننا چلا جاتا۔ کسی نے کہا پانی میں خدا ہے تو میں نے پانی کو خدا مان لیا، لیکن ایسا کرتے ہوئے ہر بار میرے ذہن میں سوال اٹھتا تھا کہ اگر یہ چاند، سورج، پتھر اور بت خدا ہیں تو وہ کون ہے جس نے انہیں وجود کی شکل دی؟ اگر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) خدا ہیں تو وہ خدا سے مدد کیوں مانگتے تھے؟ اس کا مطلب ہے کہ جس نے ہر شے کو اس کے مقام پر لا کھڑا کیا، میں اس خدا کو کس نام سے پکاروں؟ یہاں تو خداؤں کی قطار لگی ہے۔ میں اس کو اس کے نام سے پکارنا چاہتا ہوں، اس نام سے جسے سن کر میں اسے، اپنے اندر اپنی روح میں اترتا محسوس کروں گا۔“

وہ بولتے بولتے شاید تھک چکا تھا تب ہی اس نے اچانک رُک کر اپنی آنکھیں بند کیں اور اسی حالت میں دیوار سے ٹیک لگالی۔ اسٹریٹ لائٹ کی زرد مدہم روشنی میں اس کے چہرے پر پھیلے آنسو اب موتیوں کی مانند چمک رہے تھے جبکہ اس کی پیشانی پسینے سے آلودہ ہو چکی تھی۔ اتنی سخت سردی میں اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں دیکھ کر اسے اچنبھا سا ہوا۔ اس شخص نے اپنے خشک اور چڑی زدہ ہونٹوں پر زبان پھیری اور آہستہ آہستہ آنکھیں کھولنے لگا۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ اس کی خاموشی میں اس کے لفظوں کی گونج کو اپنے اندر کہیں محسوس کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر وہاں بیٹھے رہنے کے بعد وہ عجیب سے احساس میں گھرا وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سڑک کے ایک کنارے پر بنے فٹ پاتھ پر وہ سر جھکائے چل رہا تھا۔ ہر اٹھتے قدم پر اس کی سوچیں بھٹک کر اسی شخص کے لفظوں میں گم ہو رہی تھیں۔

اس نے آج سے پہلے کبھی خدا یا مذہب کے متعلق اتنی گہری دلچسپی کسی میں نہیں دیکھی تھی مگر آج اس شخص کی باتیں اس پر بہت کچھ عیاں کر گئیں تھیں۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اس نے

کبھی کسی مذہب میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی تھی، اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ مذہب کا انسانی زندگی پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ اسے تو بس اپنے روز و شب سے غرض تھی۔

۵ ۵ ۵

پورا لان خوشبوؤں میں بسا ہوا تھا۔ درختوں پر لگے رنگین ققعوں کی مدہم مدہم سی روشنی ماحول کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھی۔ سرگوشیوں میں باتیں کرتے اور مدہم مدہم سے میوزک پر رقص کرتے لوگوں کو دیکھ کر اس کا بے اختیار دل چاہا کہ کوئی اس کے ساتھ بھی ڈانس کرے مگر ایک بھر پور نظر پورے لان میں ڈالنے کے بعد اسے کوئی بھی شخص ایسا نظر نہ آیا جس کے ساتھ وہ بھر پور خوشی محسوس کر سکتی۔ اس نے مایوس کن انداز میں سر ہلایا اور پھر ڈرائنگ روم سے لان کی طرف اترنے والی تین چار میزھیوں میں سے ایک میز می پر بیٹھ گئی اور باری باری سب کپلو کو حسرت سے دیکھنے لگی۔ تب ہی اس کی نظر ماما پر جا پڑی۔ وہ مسٹر ڈیٹل کے ساتھ رقص میں محو تھیں۔

انہیں اس قدر خوش اور مطمئن دیکھ کر اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آن ٹھہری۔ اس نے ہمیشہ ماما کو خوش دیکھا تھا اور دیکھنا بھی چاہتی تھی۔ ان کا مسکراتا چہرہ اسے بہت تقویت پہنچاتا تھا اور وہ ماما کو سب سے زیادہ خوش پارٹنر وغیرہ میں ہی دیکھ پاتی تھی جو وہ اکثر گھر پر اریخ کرتی رہتی تھیں۔ اگر نہ زیادہ تر وہ ان کے بالکل سپاٹ چہرے سے خوفزدہ سی رہتی تھی مگر اسے لگتا تھا کہ اس چہرے کے پیچھے بھی ماما کی اس کے لئے بے تحاشا محبت چھپی ہوئی ہے۔

وہ ایک بار پھر انہیں محبت سے دیکھنے لگی جو مسٹر ڈیٹل کی کسی بات پر قبضہ لگا کر کہتی تھیں لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اسے یوں بیٹھے بیٹھے بوریٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ اصل میں اسے یہ پارٹی ہی بہت ڈل فیل ہو رہی تھی جو ماما نے اپنے آفس اسٹاف کو ایک پرائیویٹ کی زبردست تکمیل کے بعد دی تھی۔

اس نے پاس پڑے سگریٹ کیس کو اٹھایا اور اس میں سے ایک سگریٹ نکال کر لائٹر سے سلگانے لگی۔ سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر اس نے خود کو پڑ سکون کرنے کی کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اب تو اسے باقاعدہ طور پر خود پر ہی بہت غصہ آ رہا تھا کہ اس نے کیہ ترین کا برتھ ڈسے کر دیا تھا۔ کیونکہ ماما نے اسے اپنے ساتھ پارٹی میں انجوائے کرنے کی آفر کی تھی

”میری گاڑی تو مسٹر تھا س لے کر گئے ہیں، ابھی آتے ہی ہوں گے۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”آئی کانت ویٹ ماما!“ اس نے جھنجھلا کر کہا۔

”تم ٹیکسی سے چلی جاؤ!“ انہوں نے مشورہ دیا اور دوبارہ مسٹر ڈینیل کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

اس کا موڈ مزید آف ہو گیا تھا۔ غصہ اور جھنجھلاہٹ کی کیفیت میں وہ گیٹ کر اس کر کے باہر نکلے اور ٹیکسی کے انتظار میں سڑک کے کنارے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی چلتی رہی۔ یونہی چلتے چلتے وہ اپنے گھر سے کافی دور نکل آئی تھی مگر کہیں بھی ٹیکسی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ سڑک کر سڑک کے دائیں بائیں جانب دیکھنے لگی۔ پوری سڑک سنسان پڑی تھی۔ چاروں طرف ایک گیمیری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اچانک اس نے بائیں ہاتھ میں بندھی رسٹ وایج میں ٹائم دیکھا۔ رات کے سوا دو بجے تھے اور اس وقت اس ایریے میں ٹیکسی کا ملنا ناممکن ہی تھا۔

اسی اثناء میں اسے احساس ہی نہ ہوا کہ وہ کب سڑک کے کنارے سے ہٹی اور تب ہی سامنے آتی ایک مرسیڈیز اس سے جا ٹکرائی اور پھر....



”اوکے آرئلڈ! میں اب چلتا ہوں۔“ وہ اس سے معافی کرتے ہوئے بولا۔

”کم آن یار کیری! آج تو ایک پیگ ہو جائے۔“ آرئلڈ نے اسے التجائیہ انداز میں پیشکش کی جو اس نے ہر بار کی طرح اس بار بھی سہولت سے مسترد کر دی۔

”نو ٹھیکس یار! تمہیں پتہ ہے ناں! کتنی الجھن ہوتی ہے مجھے اس چیز سے، مجھے وہ شے زیادہ انٹرکٹ کرتی ہے جس میں میرے حواس برقرار رہیں۔“ اس کی بات پر آرئلڈ محض شانے اچکا کر رہ گیا۔

لبی اور صاف شفاف سڑک پر پیدل چلتے ہوئے اسے ہوا میں شدید کھٹکی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا، پورا آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ لگتا تھا بہت تیز بارش ہوگی جبکہ وہ بارش ہونے سے پہلے پہلے گھر پہنچنا چاہتا تھا۔

لیکن ماما تو مصروف ہو گئی تھیں جبکہ وہ فارغ بیٹھے بیٹھے اکتا سی گئی تھی۔

”سیدہ! تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ آؤ وہاں چلو اور پارٹی جوائن کرو۔“ ماما نے ڈریک کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے کھلتی اور بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اسے پیشکش کی جو اس نے فوراً مسترد کر دی اور اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

”نوما! میں یہاں بہت بور ہو رہی ہوں، اس پارٹی میں مجھے بالکل مزہ نہیں آرہا۔“

ہر پارٹی میں وہ کیتھرین اور مدھو کے ساتھ بہت انجوائے کرتی تھی لیکن کیتھرین کے برتھ ڈے کے باعث مدھو بھی اس کو جوائن کرنے نہیں آ سکتی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے اٹھی اور اندر کی طرف چل پڑی۔ لاؤنج میں رکھے ٹیلی فون سیٹ سے وہ کیتھرین کا سیل نمبر ڈائل کرنے لگی۔

”ہیلو کیتھرین! میں سیدہ بات کر رہی ہوں۔“ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

”اوہائے سیدہ! کہاں ہو تم؟ یار! ہم بہت مس کر رہے ہیں تمہیں۔“ اس کی آواز سنتے ہی کیتھرین نے قدرے افسردگی سے کہا۔

”میں بھی بہت مس کر رہی ہوں تم لوگوں کو۔“ اس نے اُداسی سے کہا۔

”تو تم ہمیں جوائن کیوں نہیں کر لیتیں؟ فوراً آ جاؤ میرے گھر۔“ اس نے فوراً تجویز پیش کی تو وہ ریسور کرڈل پر رکھنے کے بعد فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر نکل کر ماما کی تلاش میں لان میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ وہ ابھی تک مسٹر ڈینیل کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

وہ فوراً ان کے قریب جا کھڑی ہوئی تو ماما مسٹر ڈینیل کو ایکسکیز کر کے اس کی جانب متوجہ ہو گئیں۔

”ماما! میں کیتھرین کے گھر جانا چاہ رہی ہوں، میرا یہاں دل نہیں لگ رہا۔“ اس نے لاڈ سے کہا۔

”اوکے! چلی جاؤ!“ انہوں نے فوراً اجازت دے دی۔

”مجھے آپ کی گاڑی چاہئے۔“ اس کی اپنی گاڑی کئی دنوں سے سروں کے لئے ورکشاپ گئی ہوئی تھی۔

”آپ.....؟ کیا کر رہی ہیں آپ یہاں؟“ انہوں نے انتہائی غضب ناک ہو کر کہا۔
 ”شائستہ! شائستہ! سنیو کہاں ہے؟ دوپہر کے بارہ بجے ہیں اور کل رات سے.....“
 ”آپ کو اس کی کیا ٹینشن ہے؟ مت کیا کریں اس کی فکر، بچی نہیں ہے اب وہ۔“
 انہوں نے بدستور اسی لہجے میں جواب دیا۔
 ”وہ بچی ہی ہے شائستہ!“ انہوں نے کمزور سے لہجے میں کہا۔
 ”بس کیجئے! آپ صرف اپنی فکر کیجئے۔ صبح ہی صبح میرا موڈ خراب مت کریں، جائیں یہاں سے۔“

اتنا کہہ کر انہوں نے زور سے دروازہ بند کر دیا اور پھر کتنے ہی لمحوں تک وہ بھیگی آنکھوں سمیت بند دروازے کو دیکھتی رہیں پھر یاسیت سے اپنے کمرے کی جانب مڑ گئیں۔ ان کا یہ رویہ انہیں کتنا کمزور کر دیتا تھا، کس قدر اذیت میں مبتلا کر دیتا تھا انہیں، یہ تو ان کا دل جانتا تھا اور ان کا خدا۔ انہوں نے کرب سے آنکھیں موند لیں تو سارے آنسو قطروں کی شکل میں بہہ گئے۔

لیکن اس وقت تو انہیں اپنے ہر درد اور ہر تکلیف سے زیادہ سنیو کی سلامتی کی فکر تھی۔
 ”یا اللہ! تو سنیو کو اپنی امان میں رکھنا۔ وہ جہاں کہیں بھی ہو خیریت سے ہو۔ اس کی جان اور عزت دونوں کی حفاظت کرنا الہی!“ وہ سجدے میں گر کر اس کی زندگی کی دعائیں مانگتی رہیں۔ ان کا نحیف سا بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔ ان کے لبوں پر اس کے لئے صرف دعائیں ہی تھیں۔



چیز پر بے ترتیبی سے بیٹھے بیٹھے کب اس کی آنکھ لگی اسے پتہ ہی نہ چلا اور جب اس کی آنکھ کھلی تو سامنے دغڈ سے آتی نرم نرم سی دھوپ اس کے چہرے پر پڑی تو کئی لمحے وہ اس کی حدت کو محسوس کرتا رہا۔ پھر اچانک کچھ یاد آنے پر فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور آہستہ آہستہ چلا ہوا اس کے بند کے قریب جا کھڑا ہوا۔ وہ دواویوں کے زیر اثر گہری نیند میں تھی۔

وہ واپس مڑنے کا قصد کر ہی رہا تھا کہ بالکل اچانک اس نے دیر سے دیر سے اپنی آنکھیں کھولیں اور کپکپاتے لبوں سے پانی مانگنے لگی۔ وہ فوراً سائینڈ نیبل پر رکھے جگ میں سے

یہی سوچ کر وہ تیز تیز قدم اٹھانے لگا مگر جوں جوں وہ تیز چلتا سردی کی شدت مزید بڑھتی جاتی۔ تب ہی ہلکی ہلکی سی بوند باندی شروع ہو گئی تو وہ شارٹ کٹ کی خاطر دائیں طرف مڑنے والی ایک کشادہ مگر قدرے سنسان سڑک پر نکل آیا۔ وہ ابھی تھوڑی ہی دُور چلا تھا کہ اسے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے تجسس کے عالم میں اپنے چاروں طرف ایک طائرانہ سی نظر دوڑائی مگر فی الحال اسے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا درد میں ڈوبی آواز میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔

چلتے چلتے اسے اپنے بائیں طرف کھنی بازو میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اسٹریٹ لائٹس چونکہ کافی فاصلے پر تھیں، لہذا اس جگہ اندھیرا ہونے کے باعث فوری طور پر وہ کچھ بھی کلیئر نہ دیکھ پایا۔
 اس نے رُک کر اس بازو کی جانب دیکھا، ایک لڑکی اوندھے منہ زمین پر بالکل ساکت و جامد نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑی تھی۔

کچھ دیر تو اسے بالکل سمجھ نہ آیا کہ کیا کرے مگر پھر ہمت کر کے اس نے اسے سیدھا کیا۔ وہ بائیس تیس سال کی ایک کامنی سی لڑکی تھی۔ اس کے ماتھے پر شدید چوٹ لگنے کے باعث اس کا پورا چہرہ خون سے تر تھا۔ حتیٰ کہ اس کی ایک ٹانگ سے بھی خون رس رہا تھا۔
 اس نے مدد کے لئے سڑک کی دائیں طرف دیکھا مگر دُور دُور تک کوئی بھی موجود نہ تھا۔ وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں سڑک پر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ تب ہی بالکل اچانک اسے سڑک کے دائیں طرف سے آتی ایک ٹیکسی کی ہیڈ لائٹس دُور سے ہی دکھائی دیں۔ ٹیکسی کو رُکوا کر وہ فوراً اس کی جانب بڑھ گیا۔



”شائستہ..... شائستہ!“ وہ اسٹک کے سہارے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی انہیں آوازیں دینے لگیں۔

”شائستہ.....!“ دروازے پر دستک دیتے ہوئے ان کی آواز میں واضح کپکپاہٹ تھی۔
 دروازہ ایک جھٹکے سے کھولا گیا۔

صبح ہی صبح انہیں اپنے سامنے پا کر ان کا خون ہی کھول گیا تھا۔

بغیر نہ رہ سکا اور پھر کھل کر مسکرا دیا۔ اپنی یہ کیفیت اسے بہت بھلی لگ رہی تھی۔



وہ کب سے ماما کا موبائل ٹرائی کر رہی تھی مگر وہ مسلسل انجیج جا رہا تھا۔ اس نے غصے کے عالم میں اسے زور سے زمین پر پٹخ دیا۔ اسی لمحے وہ دروازے سے اندر داخل ہوا اور اپنے پاؤں کے پاس پڑے موبائل کو اٹھا کر خاموشی سے اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

”میں نے آپ کے موبائل سے آپ کے گھر کا فون نمبر نوٹ کر کے وہاں انفارم کر دیا تھا کہ آپ ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں لیکن..... اب تک وہاں سے کوئی نہیں آیا۔“ اس نے دھیرے سے بتایا۔

”تھمکس!“ اس نے نظریں جھکائے ہوئے کہا۔

”اگر آپ گھر جانا چاہتی ہیں تو مجھے بتا دیجئے، میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔“ اس کی مسلسل خاموشی اس کے اضطراب کو عیاں کر رہی تھی۔



پانی گلاس میں اُٹھیلنے لگا۔ جب تک وہ پانی کا گلاس لے کر اس کی طرف مڑا وہ دوبارہ آنکھیں بند کر چکی تھی۔

تھوڑی دیر تک تو اسے سمجھ نہ آیا کہ وہ اسے کیسے مخاطب کرے۔ پھر کچھ سوچ کر دھیرے سے بولا۔

”ایکسکیوز می!“

اس کی آواز پر اس کی پلکوں میں ہلکی سی لرزش پیدا ہوئی تو اس نے دوبارہ اسے پکارا۔
”ایکسکیوز می! یہ..... یہ پانی پی لیں۔“ وہ بدستور اس کی دھیرے دھیرے کھلتی آنکھوں کی جانب دیکھتا رہا۔ جیسے ہی اس نے آنکھیں کھولیں اس نے گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔ ایک گھونٹ لے کر اس نے گلاس واپس اس کی طرف بڑھا دیا اور محض اس پر ایک نظر ڈال کر دوبارہ غنودگی میں چلی گئی۔

جبکہ وہ چند لمحوں کے لئے مہبوت رہ گیا تھا۔ اس کی سیاہ چمکدار آنکھوں میں بے پناہ معصومیت تھی۔ ایسی معصوم آنکھیں اس نے پہلے کہیں نہیں دیکھی تھیں۔ اس کی لمبی اور گھنی پلکیں بالکل ساکت تھیں مگر اسے لگا جیسے وہ اس کی آنکھوں کی گہرائی اور معصومیت کو اپنے اندر کہیں جذب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ اس وقت خود کو بالکل بے اختیار پارہا تھا۔ وہ محویت سے اس کی بند آنکھوں کو اپنی نظروں کے حصار میں لئے ہوئے تھا اور نجانے کیوں اسے ایسا کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ خود کو اس وقت ایک عجیب سی کیفیت میں گھرتا محسوس کر رہا تھا۔

اس نے ایشین مین نفوش میں ایک سحر انگیز جاذبیت اور تمکنت سی دیکھی تھی۔

وہ کمرے سے باہر نکل کر سیدھا ڈاکٹر کے پاس گیا اور اس کی رپورٹس معلوم کرنے لگا۔ معلوم نہیں وہ کیوں ایسا کر رہا تھا۔ وہ کیا لگتی تھی اس کی؟ کچھ بھی تو نہیں، پھر کیوں وہ رات بھر اس کے لئے پریشان ہوتا رہا تھا۔ اس کی تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے اسے ایک بار بھی اسے یونہی ہسپتال چھوڑ کر جانے کا خیال تک نہ آیا اور اب..... اب اس کی آنکھیں دیکھ کر تو وہ قطعی اس سے غفلت نہیں برت سکتا تھا۔

اس کا خیال آتے ہی ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی تو وہ خود پر حیران ہوئے

”ہیلو کیتھرین! میں سنیہ بات کر رہی ہوں۔“

”اوہ سنیہ! کہاں ہو تم؟ کل کیوں نہیں آئیں میرے گھر؟“ اس کی آواز سننے ہی اس نے فوراً شکوہ کر ڈالا۔

”تمہارے گھر ہی آ رہی تھی کہ میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور اب میں ہسپتال میں ہوں۔“ اس نے بتایا۔

”اوہ! کیا ہوا؟ کچھ سیریس پرالیم تو نہیں ہے؟“ اس نے فکر سے پوچھا۔
 ”نہیں! بس ٹانگ میں ہلکا سا فریکچر ہے اور ماتھے پر چوٹ آئی ہے۔ کیتھرین! میرا دل یہاں بہت گھبرا رہا ہے۔ پلیز! تم آ جاؤ میرے پاس۔“ اس نے اہتاجیہ انداز میں کہا۔
 ”سنیہ! تم تو جانتی ہو میں اس وقت بڑی ہوتی ہوں۔ میں ابھی ابھی یونیورسٹی سے آئی ہوں اور ابھی جم بھی جانا ہے۔ اگر ہو سکا تو میں تمہارے پاس دو گھنٹے تک آ جاؤں گی، اوکے بائے!“ اتنا کہہ کر اس نے موبائل آف کر دیا تو وہ مزید اکتاہٹ کا شکار ہو گئی۔

اس نے مدھوکا فون ٹرائی کیا اور اسے بھی اپنی کنڈیشن کے بارے میں بتا کر ہسپتال آنے کی ریکوریسٹ کی مگر وہ بھی آج اپنے انکل کے ہاں ہونے والی پارٹی کی تیاری میں مصروف تھی۔ سو وہ بھی نہیں آ سکتی تھی۔

وہ بیزاری سے بیڈ سے اتر کر کمرے سے باہر نکل آئی اور کارڈیور سے ہوتی ہوئی ہسپتال کے لان میں پہنچ گئی۔ چلتے ہوئے اس کے پاؤں میں ہلکی سی ٹیس اٹھی مگر وہ برداشت کر گئی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک بیچ پر بیٹھ گئی اور کیتھرین کا انتظار کرنے لگی۔

”ماما کتنی پریشان ہو رہی ہوں گی میرے لئے۔“ بار بار اسے یہی خیال ستا رہا تھا اور اسی خیال کے تحت اس نے کئی بار ماما کے موبائل پر رینگ کیا تھا مگر وہ مسلسل انگریج جا رہا تھا۔

اس کا بے اختیار دل چاہا کہ وہ فوراً گھر پہنچ جائے لیکن جانے سے پہلے وہ ایک بار اس شخص سے ملنا چاہتی تھی جو انجان ہوتے ہوئے بھی انجان نہیں تھا۔ اس کا خیال آتے ہی اسے ایک عجیب سے احساس نے آن گھیرا۔ وہ اپنی جانب اس کی اٹھتی ہوئی شفاف نگاہوں کو اب بھی اپنے اوپر محسوس کر رہی تھی۔

وہ بے چینی سے گیٹ پر نظریں جمائے اس کا انتظار کرنے لگی۔ اسے وہاں ایک ہی

”آپ نے میرے لئے اتنا کچھ کیا، میں آپ کی بہت مشکور ہوں۔“ اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اس کے چہرے کے خدو خال سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ غالباً ایشیائی ہے لیکن اس کا انگلش بولنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ صرف یہی زبان جانتی ہے۔

”میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہئے تھا۔ بہر حال ڈاکٹر نے آپ کو ڈسچارج کر دیا ہے، آپ جب بھی گھر جانا چاہیں مجھے بتا دیجئے، میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔“ وہ اتنا کہہ کر ہاتھ میں پکڑا لچ بکس اس کی طرف بڑھانے لگا جو اس نے خاموشی سے تھام لیا اور وہ خود اس کے لئے کافی پھینٹنے لگا۔

رائس کا جچ منہ کی طرف لے جاتے ہوئے اس نے سامنے صوفے پر بیٹھے اس انجان شخص کی طرف دیکھا جو یقیناً برٹش ہی تھا۔ لندن میں زیادہ تر لوگوں کے بالوں کا رنگ گولڈن ہی ہوتا ہے مگر اس کے سیاہ ترتیب سے بنے بال اس کے چہرے کی سفید رنگت کو مزید نمایاں کر رہے تھے۔ البتہ اس کی آنکھیں گہری سبز تھیں۔

اس نے تیزی سے کافی پھینٹنے اس کے ہاتھوں کو دیکھا اور پھر سر جھکا کر لچ کرنے لگی۔ وہ اسے کافی کا کپ تھا کر باہر نکل گیا جبکہ وہ اس کے چلے جانے کے کچھ دیر بعد سائیڈ ٹیبل پر رکھے موبائل کو اٹھا کر کیتھرین کو رینگ کرنے لگی۔

دیکھ رہی تھی۔

”میں نے خواہ مخواہ آپ کو اتنا ڈسٹرب کیا۔“ اس نے شرمندہ شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

”ہوں! ڈسٹرب تو بہر حال بہت کیا ہے۔“ وہ زیر لب مسکرا کر بولا۔

جیسے وہ واضح طور پر سن نہ پائی۔

”جی؟“ اس نے سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔

”کچھ نہیں!“ اس نے فوراً ٹال دیا اور اس سے ایڈریس پوچھنے لگا۔

”آپ فرینڈشپ کریں گے میرے ساتھ؟“ تھوڑی دیر بعد اس نے اپنا دایاں ہاتھ

اس کی جانب بڑھاتے ہوئے ایک اُمید سے پوچھا۔

اس نے سڑک کے کنارے گاڑی کو بریک لگائی اور حیرت اور خوشی کے طے جلے

تاثرات سمیت اسے دیکھنے لگا۔ جہاں بولڈنٹس کے بجائے ایک خواہش تھی۔

اس نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نرمی سے تھام لیا۔

”سیدے برائے!“ اس نے مسکرا کر اپنا تعارف کرایا۔

”جان کیری!“ اس نے جواباً اپنا نام بتایا۔

”کیا کرتی ہیں آپ؟“ اس نے دوبارہ گاڑی اشارت کرتے ہوئے پوچھا۔

”بزنس ایڈمنسٹریشن۔“ اس نے جواب دیا۔

”اور آپ؟“

”میں بھی بزنس ایڈمنسٹریشن۔“ اس نے سڑک کے دائیں جانب ٹرن لیتے ہوئے

جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھر کے گیٹ پر موجود تھی۔ گھر میں قدم رکھتے ہی اس نے ماما کی

تلاش میں نظریں دوڑائیں مگر وہ کہیں بھی نہیں تھیں۔ اس کا موڈ شدید خراب ہو گیا تھا۔ عمو ماما

اس وقت تک آفس سے آ جایا کرتی تھیں مگر آج انہیں گھر میں نہ پا کر اسے شدید افسوس ہو رہا

تھا۔

”ہاں نہیں ماما کہاں ہیں؟“ وہ زیر لب بڑبڑائی اور پھر ان کے آفس فون کرنے لگی مگر وہ

وہاں بھی موجود نہیں تھیں۔ وہ قدرے متفکر ہو گئی تھی۔

پوزیشن میں بیٹھے بیٹھے تقریباً ایک گھنٹہ ہو چکا تھا مگر وہ اب تک نہیں آیا تھا۔ وہ شدید قسم کی

انجھن کا شکار ہو رہی تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ گھرا کیلی نہیں جاسکتی تھی۔ بلکہ اس کا دل اس کے ساتھ جانے کی

خواہش کر رہا تھا اور ایسا کیوں تھا یہ تو وہ بھی نہیں جانتی تھی۔

وہ بیچ سے اٹھی اور لان میں آہستہ آہستہ ٹہلنے ہوئے اس کا انتظار کرنے لگی۔ اس کی

نظریں مسلسل گیٹ کا طواف کر رہی تھیں۔ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہر اجنبی شخص کو دیکھنے

کے بعد اس پر مزید جھنجھلاہٹ سوار ہو رہی تھی۔ مگر وہ بھی تو اجنبی ہی تھا۔

”اگر وہ نہ آیا تو.....“

اس سے آگے وہ مزید کچھ نہ سوچ سکی۔

تب ہی وہ گیٹ سے اندر داخل ہوا تو وہ غیر ارادی طور پر تیزی سے اس کی جانب بڑھی

مگر پاؤں میں ایک زوردار ٹیس اٹھنے کے باعث وہ زیادہ نہ چل سکی اور رک گئی۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اندر کی طرف بڑھ رہا تھا جب وہ اس کے بالکل سامنے آگئی۔ وہ

اس کے یوں اچانک سامنے آنے پر ٹھک کر رک گیا اور اسے حیران سی نظروں سمیت دیکھنے

لگا۔

جبکہ اس کی آنکھوں میں کچھ برہمی کے آثار تھے۔

”آپ جانتے ہیں میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔“ اتنا کہتے ہوئے بے

اختیار اس کی آنکھوں میں نمی آگئی۔

چند ثانیے وہ اسے خاموشی سے تکتا رہا پھر نرمی سے گویا ہوا۔

”آپ..... آپ نے مجھے بتایا نہیں تھا کہ آپ کس وقت جانا چاہیں گی؟“

اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی کو دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا لیکن وہ ظاہر نہ کر

سکا۔

”آپ آئیں میرے ساتھ!“ وہ اسے لے کر کار پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔

”آئی ایم سوری!“ اس کی آواز نے گاڑی میں پھیلے گھرے سکوت کو توڑ ڈالا۔

”فاروٹ؟“ اس نے وینڈ سکرین پر سے نظریں ہٹا کر اسے ایک نظر دیکھا، وہ اسے ہی

ان سے بات کرنے سے گریز کیا کرو۔“
 ”میں چاہتی ہوں کہ تمہارا کوئی اسٹینس ہو، سوسائٹی میں ایک اہم مقام ہو جبکہ ان کی فضول باتیں سن کر تم اپنے مقصد سے ہٹ جاؤ گی۔ سمجھ رہی ہوں میری بات؟“
 انہوں نے تصدیق چاہی تو وہ محض اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔ وہ اب تک ان سے خوفزدہ ہی لگ رہی تھی۔
 ”اور یہ کیا ہوا؟“ شاید انہوں نے اب اس کے ماتھے پر لگی مینڈیج کو دیکھا تھا۔ تب ہی پوچھ بیٹھیں۔

”وہ..... ماما! میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا رات کو۔ میں نے آج کئی بار آپ کو رنگ کیا لیکن کبھی آپ کا موبائل آف ہوتا اور کبھی انگریج جا رہا ہوتا تھا۔“ ان کے پوچھنے پر اس کا آدھا خوف جاتا رہا تھا۔ تب ہی اس نے محبت سے ان کے گلے میں ہاتھیں ڈالتے ہوئے کہا۔
 ”ادھ سوری! سیدہ ڈیر!“ انہوں نے اس کے بازوؤں کو اپنے گلے سے بنا کر ہاتھوں میں لیتے ہوئے قدرے لگاوت سے کہا۔

”وہ اصل میں آج ایک اپورنٹ مینٹ تھی، بس میں وہیں بڑی تھی، ویسے مجھے سیدہ کی بہت فکر تھی لیکن میں کیا کرتی؟ مینٹ آئینڈ نہ کرتی تو بہت نقصان ہو جاتا۔“
 ”اٹس اوکے ماما! میں سمجھتی ہوں آپ کی مجبوری کو۔“ اس نے انتہائی محبت سے کہا تو وہ مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”میں آج شام مسز پٹیل کے ہاں انوائنڈ ہوں۔ تم آرام کرنا دو کہ!“ وہ دروازے کی طرف جاتے جاتے مڑ کر اسے ہدایات دینے لگیں تو اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔
 ان کے جانے کے بعد وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے خود کو ریلیکس کرنے لگی۔
 بے اختیار وہ اسی شخص کے بارے میں سوچنے لگی جو اجنبی ہوتے ہوئے بھی اسے بہت اپنا سا لگا تھا۔



”کیری! تم کوئی مذہب ایڈاپٹ کیوں نہیں کر لیتے؟“ ناشتے کی ٹیبل پر پاپا نے سرسری

”سیدہ! سیدہ! میری بچی! تم آگئیں۔“ اس نے اپنی پشت پر گرینڈ ما کی آنسوؤں سے لبریز اور محبت سے پُر تخفیف سی آواز سنی تو وہ فوراً مڑ کر انہیں دیکھنے لگی۔
 وہ اسٹک کی مدد سے چلتی ہوئیں اس کے قریب آنے لگیں۔ جبکہ وہ ٹکٹکی باندھے نہیں تک رہی تھی۔
 ”آپ کیا کر رہی ہیں یہاں پر؟“ اس سے پہلے گرینڈ ما اس کی طرف پیش قدمی کرتیں، ماما کی کرخت آواز پر وہ فوراً زک گئیں۔

جبکہ وہ ہزبزا کر ماما کے چہرے پر پھیلی درشتی کا جائزہ لینے لگی، جو ابھی ابھی لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں۔

”سیدہ! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔“ انہوں نے فوراً حکم صادر کر دیا تو وہ ایک نظر گرینڈ ما پر ڈال کر ان سے کچھ کہنے ہی دالی تھی کہ ماما کی تیز آواز پر دہلی سی گئی۔
 ”میں نے کہا ناں! تم اپنے کمرے میں جاؤ سیدہ!“

اس نے ایک لمحے کے دیر کئے بغیر اپنے کمرے کا رخ کیا اور وہاں سے پلٹ گئی۔
 کمرے میں آ کر بھی اس کا ذہن گرینڈ ما کے وجود، ان کے چہرے اور ان کی آواز کو فراموش نہیں کر پا رہا تھا۔

تب ہی ماما ایک جھٹکے سے دردازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں اور قدرے سخت لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے بولیں۔

”سیدہ! میں نے تمہیں کئی بار منع کیا ہے ان سے بات مت کیا کرو۔“
 ان کے اس انداز پر وہ گھبرا سی گئی تھی۔

”نو ماما! میں نے تو ان سے کوئی بات نہیں کی تھی۔“
 کیا کہہ رہی تھیں وہ تمہیں؟“ انہوں نے مشکوک انداز میں پوچھا۔
 کچھ بھی نہیں ماما!“ وہ مزید گھبرا گئی تھی جبکہ اس کی حالت دیکھتے ہوئے وہ قدرے نرم پڑ گئی تھیں۔

”دیکھو سیدہ!“ وہ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔
 ”میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ ان کی ذہنیت، ان کی سوچ بہت پرانگندہ ہے۔ بس! تم

ہی ہوں، ہے ناں پاپا!”

اس نے ان سے تائید چاہی جبکہ وہ اس کی بات پر مسکرا کر باہر نکل گئے، اور وہ تعجب سے اسے دیکھنے لگا جو انتہائی مطمئن نظر آ رہی تھی۔

”کیا دُعائیں اتنی اہم ہوتی ہیں کہ ان کو پوری کرنے کی خاطر کسی کو بھی وقتی طور پر خدا مان لیا جائے اور اپنی مراد پوری کرا لی جائے؟ اور اگر دُعائیں اتنی ہی اہم ہوتی ہیں تو کیا خدا اہم نہیں ہے؟ اور اگر خدا اہم ہے تو اتنے خداؤں میں سے کون سا خدا ہے جو واقعی خدا ہے؟“

اس کی ذہنی رو بھٹک رہی تھی۔ وہ مزید اضطراب کا شکار ہو گیا تھا۔

”کیری! اپنا بریک فاسٹ کمپلٹ کر لو۔“ اسے مسلسل کھڑا دیکھ کر ماما نے کہا تو وہ چپ چاپ اپنی چیز پر بیٹھ گیا لیکن پھر فوراً ہی اُنھ کو باہر نکل گیا۔

اکثر اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا تھا۔ جب وہ ذرا ذرا سی بات کو بہت محسوس کیا کرتا تھا اور پھر اس کے متعلق گھنٹوں مضطرب رہتا تھا۔ اس وقت بھی وہ بہت زیادہ نینس ہو گیا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی جو اس پر حاوی ہو رہی تھی۔ اس کے ذہن سے ہر خیال، ہر سوچ اور ہر شخص محو ہو گیا تھا، اگر کچھ یاد تھا تو وہ اس کا اضطراب تھا۔ اپنے اندر کی اس بے کلی کو وہ کسی طور بھی کم نہیں کر پار ہا تھا۔

بے اختیار اس کا دل اسی شخص سے ملنے، اس سے باتیں کرنے کو چاہنے لگا تھا۔ کوئی تو بات تھی اس شخص میں کہ وہ اس سے بات کرنے کو اکثر بے چین ہو جایا کرتا تھا۔ اس کی تلاش میں وہ اسی ایریے کی سڑکوں کے دائیں بائیں بنی مختلف گلیوں میں ڈھونڈتا رہا مگر دو گھنٹے کی مسلسل تلاش کے بعد بھی جب وہ شخص اسے نظر نہ آیا تو واپس گھر کی جانب مڑ گیا۔

”ہے کیری!“ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ایک روڈ کراس کرنے ہی والا تھا جب اس نے اپنے پیچھے کسی کو آواز دیتے سنا۔ اس نے روڈ کراس کرنے کا ارادہ ملتوی کیا اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ اس سے کچھ ہی فاصلے پر وہی پری ویش کھڑی تھی۔ اسے یوں بالکل اچانک اپنے سامنے پا کر وہ پہلے والی کیفیت سے باہر نکل آیا اور مسکراتا ہوا اس کی جانب بڑھ گیا۔

”ہیلو سیدی!“ وہ اس کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے غفلتگی سے بولا۔

”ہائے کیری! کیسے ہو؟“ وہ بے تکلفی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

سے انداز میں کہا۔

”ہم نے مذہب کی چوٹس تم پر چھوڑی ہوئی ہے، جو بھی تمہیں پسند آئے اس کے پیروکار بن جاؤ۔“ انہوں نے ٹینکین سے منہ صاف کرتے ہوئے مشورہ دینے والے انداز میں کہا۔

”سوری پاپا! اکیچو نیلی مجھے مذہب و مذہب میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے اور ویسے بھی میرے نزدیک میری زندگی میں کسی بھی مذہب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے کانٹے سے انڈے کا پیس منہ میں ڈالتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

”ایز یو وٹش مائی سن! لیکن پھر بھی سوسائٹی میں اچھے مذہب کے پیروکار کی بہت اہمیت ہے۔ ہماری پوری فیملی کرچین ہے اور کرائسٹ کو مانتی ہے جس کی یہاں بہت ویلیو ہے۔ اسی لئے میں چاہتا تھا کہ تم جب بھی کوئی مذہب اپناؤ تو کرائسٹ کو مت بھولنا، اوکے!“ انہوں نے نہایت تحمل سے کہا۔

”پاپا! آپ کرچین ہیں تو ہم بھی کرچین ہوئے ناں! پھر یہ مذہب ایڈاپٹ کرنے کا کیا جواز بنتا ہے؟“ اس نے اُلجھے اُلجھے سے انداز میں پوچھا۔

”مذہب کی آزادی سب کو ملنی چاہئے، بس اسی لئے یہاں کا دستور ہے کہ بچے جب بالغ ہو جائیں تو وہ اپنی مرضی سے کسی بھی خدا کو اپنا خدا مان لیں۔“ انہوں نے غیر موثر انداز میں جواب دیا۔

”پتہ نہیں کیوں پاپا! میں اس بات پر آکر ہمیشہ اُلجھ سا جاتا ہوں کہ یہ اتنے سارے خدا کیوں ہیں؟“ ان کی بات پر وہ مزید اُلجھ کر رہ گیا تھا۔

”ابنی و۔۔۔ مائی سن! بیٹ آف لک! مجھے دیر ہو رہی ہے آفس کے لئے، باقی باتیں پھر کبھی ہوں گی۔“ انہوں نے اپنا بریف کیس اٹھاتے ہوئے کہا۔

”ون منٹ پاپا!“ اس نے کھڑے ہو کر انہیں روکنا چاہا۔

”پاپا! یہ انجیلینا ہر روز کسی نہ کسی کو اپنا خدا مان لیتی ہے، تو کیا.....“

”یو آر اسٹوپڈ کیری!“ وہ جلدی سے اس کی بات کاٹ کر بولی۔

”وہ تو میں اپنی دُعائیں قبول ہو جانے کے لئے ایسا کرتی ہوں، اہل میں تو میں کرچین

وہ اندر تک شانت ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر اس کے ساتھ وہاں بیٹھے رہنے کے بعد وہ گھر کی طرف روانہ ہوا تو اس کا روم روم خوشی سے بھر پور تھا۔ یوں اچانک ہی اسے اتنی بڑی خوشی مل جائے گی اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا اور نہ کبھی یہ سوچا تھا کہ وہ بھی اس کے بارے میں ایسے ہی جذبات رکھتی ہے۔

جس کیفیت میں وہ گھر سے نکلا تھا، اب اس کا دُور دُور تک نام و نشان بھی نہ تھا۔ اسے لگا کہ بس یہی زندگی ہے جو اس کے تصور کے ساتھ گزرے۔ اسے سوچتے سوچتے کب وہ گھر جا پہنچا اسے پتہ ہی نہ چلا۔



”میں ملنا چاہتی ہوں اس سے..... کیا نام ہے اس کا؟“ ماما میک آپ ریوود کرتے ہوئے معروف سے انداز میں بولیں تو وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر بولی۔

”جان کیری ماما!“

”اوہ ہاں! کیری!“ وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولیں۔

”سیدہ! ڈیز! میری ایک خواہش ہے کہ وہ جو کوئی بھی ہو اور جیسا بھی ہو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، اس کا فیوچر براٹ ہونا چاہئے اور اس کا بیک گراؤنڈ بھی اسٹریٹنگ ہو، اوکے!“ انہوں نے تائید کے لئے اس کی طرف دیکھا۔

”ڈونٹ وری ماما! وہ بزنس میں انٹرنشڈ ہے اور اس کے پاپا کا اپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس آل آؤر داؤرلڈ پھیلا ہوا ہے۔ ویسے ماما!.....“ وہ ایک لمحے کے لئے رُک پھر بولی۔

”مجھے ان چیزوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ اس کا لہجہ بالکل عام تھا جبکہ وہ اس کی اس بات پر خشمگین نظروں سے گھورنے لگی تھیں۔

ان کو اس طرح اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ قدرے سہم سی گئی۔

”میں نے تمہیں ہزار بار سمجھایا ہے کہ ان چیزوں کی اہمیت کو سمجھو، اپنی زندگی میں ان کی قدروں کو محسوس کرو۔ کیا ہو تم بغیر کسی اسٹینس کے اس سوسائٹی میں؟ تم ایک پل کے لئے بھی یہاں نہیں رہ سکتیں کیونکہ لوگوں کو صرف ہم سے نہیں ہمارے اسٹینس سے دلچسپی ہوتی ہے۔

”بالکل ٹھیک ہوں! لیکن تم اس وقت یہاں کیسے؟ میرا مطلب ہے کہ تم یونیورسٹی نہیں گئیں؟“ اس نے فٹ پاتھ کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

”اور بالکل یہی سوال میرا ہے تم سے۔“ اس نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دیا اور پھر بولا۔

”الکچو نیلی آج میرا موڈ نہیں تھا یونیورسٹی جانے کا، بس اسی لئے یہاں سڑکوں پر پھر رہا ہوں۔“

”بالکل یہی میری بھی کنڈیشن تھی، ماما پیرس گئی ہوئی ہیں بزنس کے سلسلے میں، تو میرا بھی دل نہیں چاہا کہ یونیورسٹی جاؤں کیونکہ جب میں کسی کو بہت زیادہ مِس کرتی ہوں تو ایسے ہی باہر نکل جاتی ہوں۔“ اس نے تفصیلاً بتایا۔

”لگتا ہے بہت محبت کرتی ہو اپنی مدر سے؟“ اس نے قریبی اسٹاپ پر بنے ایک پتھر کے بیچ پر بیٹھے ہوئے کہا۔

”آف کورس! میری دُنیا تو ماما سے ہی شروع ہوتی ہے۔“ اس کا لہجہ محبت سے چور تھا۔

”اور ختم کس پر ہوتی ہے؟“ اس نے بے اختیار اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تو وہ محض اسے دیکھ کر رہ گئی اور کوئی جواب نہ دے سکی۔

”سیدہ! تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“

پتہ نہیں وہ کیا جاننا چاہتا تھا۔ وہ ایک ہی پوزیشن میں سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے میں الجھانے میں مصروف رہی۔

جبکہ وہ منتظر نظروں سے اسے تک رہا تھا۔

”شاید تم پر ختم ہوتی ہے کیری!“ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”تھینکس سیدہ!“ وہ تشکر آمیز انداز میں اس کے نرم ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

”میں نے ان چند دنوں میں تمہارے بارے میں بہت سوچا تھا اور ہر بار میں نے تمہیں

خود سے بہت قریب پایا تھا۔“ اس نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

”اور میں نے کیری!“ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

”ان چند دنوں میں میں نے صرف تمہیں اپنا بنایا تھا، بہت اپنا۔“ اس کی اس بات پر

جالی کی کھڑکی پر پردے پڑے تھے۔ وہ اس کھڑکی کے بالکل سامنے رک کر اندر کی جانب دیکھنے کی کوشش کرنے لگا مگر باہر روشنی اور اندر اندھیرا ہونے کے باعث اسے فی الحال کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

”کون ہوتا؟“ ایک بار پھر وہی آواز آئی۔

”جی میں..... میں کیری ہوں۔“ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

”کیا میں سیدہ برائن سے مل سکتا ہوں؟“

”کون کیری؟“ مزید پوچھا گیا۔

”جی میں..... میں ان کا فریڈ ہوں۔“

”دیکھو جی! اس طرح ایک انجان لڑکے کا کسی لڑکی کے گھر آنا مناسب نہیں ہوتا۔“

ان کی بات اسے قدرے ناگوار گزری تھی۔ وہ چند ٹاپے خاموش کھڑا رہا پھر تحمل سے

بولا۔

”آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں، اصل میں میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ سیدہ کہاں ہے؟ وہ

خیریت سے تو ہے نا؟“

اس کے لہجے میں چھلکتی پریشانی کو دیکھ کر وہ قدرے نرم پڑ گئی تھیں۔

”میں نہیں جانتی کہ وہ دونوں سے کہاں ہے؟ میں خود اس کے لئے از حد پریشان

ہوں۔“

انہوں نے گہری تشویش کے عالم میں جواب دیا۔

جبکہ وہ ان کی بات سن کر خاموشی سے واپس مڑ گیا۔

اس کا ذہن بری طرح سے منتشر ہو رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کہاں

ڈھونڈے؟ کیسے تلاش کرے؟ وہ اپنی بے چینی کو سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا۔ وہ اسے بے حد پسند تھی

مگر اس پسند کو وہ کوئی نام نہیں دے پایا تھا۔

لیکن اس کی غیر موجودگی کے احساس نے اسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔ وہ خود کو بہت

مضطرب محسوس کرنے لگا تھا۔ گھر آ کر وہ خود کو فریض کرنے کی خاطر کافی دیر تک شاور لیتا

رہا مگر سکون نہ مل سکا۔

آج اگر تمہاری ماما کی اس سوسائٹی میں کوئی حیثیت ہے، کوئی عزت ہے تو وہ صرف پیسہ کی بدولت ہے، ہائی اسٹینس کی بدولت ہے اور جو تمہاری یہ اتنی ڈھیر ساری رچ فرینڈز ہیں ناں! وہ صرف تمہارے اسٹرونگ بیک گراؤنڈ کے باعث ہیں ورنہ یہاں کسی کو اتنی فرصت کہاں کہ ایک دوسرے کو تھوڑا سا ٹائم دے سکیں؟“ اس کے انجانے میں کہے گئے چند الفاظ کے بدلے ماما کے نخوت سے پڑ لہجے نے اسے پشیمانی میں مبتلا کر دیا تھا۔

”سوری ماما! کچھ نیکی میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔ لیکن..... اگر آپ کو میرا ایسا کہنا پسند نہیں تو میں آئندہ کبھی نہیں کہوں گی۔“

وہ ایسی ہی تھی۔ ان کی تھوڑی سی ناراضگی یا غصے پر فوراً ڈرسی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ وہ رونا بھی شروع کر دیتی تھی۔ وہ ماما کے معاملے میں بے حد حساس تھی۔ ان کا ناراض ہونا اسے اذیت میں مبتلا کر دیتا تھا۔

اس وقت بھی وہ بہت زیادہ آپ سیٹ ہو گئی تھی۔ ان سے سوری کرنے کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل گئی اور افسردگی سے لان میں جا بیٹھی۔

”پتہ نہیں ماما مجھے غلط کیوں سمجھتی ہیں؟“ اس کی آنکھیں بھینکنے لگی تھیں۔

♦ ♦ ♦

وہ پچھلے دو دنوں سے مسلسل سیدہ کا موبائل نمبر ٹرائی کر رہا تھا مگر وہ فون ہی ریسپونڈ نہیں کر رہی تھی۔ متعدد بار اس نے اس کے گھر پر فون کیا مگر وہاں سے بھی کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔

کیدم اسے تشویش ہونے لگی اور پھر کچھ سوچتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس کے گھر کے گیٹ پر موجود تھا۔ کئی بار ڈور بیل رینگ کرنے کے بعد بھی کوئی جواب نہ آیا تو وہ یاسیت میں گھر جانے کے لئے واپس مڑ گیا اور جیسے ہی اس نے دو قدم آگے کی جانب بڑھائے اسے اپنی پشت پر دائیں جانب ایک نحیف سی نسوانی آواز سنائی دی۔ وہ فوراً رک گیا۔

”کون؟“ دوبارہ پوچھا گیا۔

جس سمت سے آواز آئی تھی وہ اس طرف چل پڑا۔ سرخ اینٹوں سے بنی دیوار میں ایک

ظاہر ہو یا ادھل۔“

”لیکن مجھے تو خدا کہیں محسوس نہیں ہوتا پھر آپ..... آپ کو کیوں ایسا لگتا ہے کہ وہ ہے؟“ اس کی باتیں اسے اُلجھن میں مبتلا کر رہی تھیں تب ہی وہ جھنجھلا کر بولا۔

”تو..... تو اس دُنیا میں خود کو اس قدر گرم کر چکا ہے کہ تجھے اپنی ذات کے احساس اور اپنے وجود کے خمار کے علاوہ کچھ یاد نہیں ہے۔ جس دن تجھے اس کے ہونے کا احساس ہو گیا اس دن تو اپنے ہر احساس میں اسے محسوس کرے گا۔ اپنی سوچوں میں، اپنے لفظوں میں، اپنے دل کی ہر دھڑکن میں، اپنی انگلیوں کی ہر حرکت میں، اپنی پلکیں جھپکنے کے ہر عمل میں، اپنی ہر کھلتی اور بند ہوتی آنکھ میں۔ بات صرف محسوس کرنے کی ہے اور اللہ..... اللہ تو صرف ایک احساس ہے، ایک خوبصورت سا احساس۔“ اس کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی۔ کسی کی چاہت کا احساس اس کے چہرے سے چھلکتا دیکھ کر اسے کچھ ہونے لگا تھا۔

وہ بھی تو کسی کو چاہتا تھا، اسے بھی تو کسی کے وجود کی طلب تھی لیکن..... اس خیال نے اسے ایک بار پھر یاسیت میں دھکیل دیا تھا۔ وہ اس محبت کی طلب میں گھل رہا تھا جسے وہ ان چند ہی دنوں میں اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھا تھا، مگر اس کا نہ ملنا اسے تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔ بے اختیار اس کا دل چاہا کہ وہ اپنی کیفیت اس شخص پر عیاں کرے مگر چاہنے کے باوجود بھی وہ ایسا نہ کر سکا۔ وہ شروع سے ہی خود کو صرف خود تک محدود رکھنے کا عادی تھا۔ کسی سے اپنی فیلنگز یا اپنے پرابلمز کو شیئر کرنا اسے سخت ناپسند تھا۔ سوا ب بھی خود پر ضبط کئے صرف اس کی سنتا رہا۔ لیکن اس شخص کے چہرے پر موجود اطمینان اسے اچھیجھپے میں ڈال رہا تھا۔ آخر کون سی محبت ہے جو اس کی زندگی کو یکسر بدلنے کا موجب بنی ہے؟ وہ بھی تو یہی اطمینان چاہتا تھا جو شاید سیدہ کی محبت مل جانے سے ہی حاصل ہو سکتا تھا۔

وہ ایک دم بے چین سا ہو گیا تھا اور وہاں سے اُٹھ کر جانے ہی والا تھا کہ کسی خیال کے تحت رُک کر اس شخص کو بغور دیکھ کر بولا۔

”سرا! آپ کہتے ہیں کہ آپ اتنے عرصے سے خدا کی تلاش میں سرگرداں تھے تو پھر یہ اچانک آپ کو خدا کہاں سے ملا؟“ اس کے سوال پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ تھی جو اپنے اندر گہرا اطمینان لئے ہوئے تھی۔

اگلے کئی روز تک جب اس پر یہی کیفیت طاری رہی تو وہ جھنجھلا کر رہ گیا اور اس جھنجھلاہٹ کے عالم میں وہ آرنلڈ کی طرف چلا گیا مگر وہاں بھی اس کا خیال اس کے ذہن سے محو نہ ہو سکا۔ ایسا اس کے ساتھ پہلی بار ہو رہا تھا جب وہ کسی لڑکی کو اس قدر سنجیدگی سے نہ صرف سوچ رہا تھا بلکہ محسوس بھی کر رہا تھا۔ لیکن اپنے اوپر ہونے والی اضطرابی حالت سے وہ یکسر نادانف تھا۔ اس کا دل یکدم ہر چیز سے اُچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ خود پر کنٹرول کر کے محض آدھا گھنٹہ ہی آرنلڈ کے پاس بیٹھا رہا پھر اُٹھ کر یونی بے مقصد سڑکوں پر پھرتا رہا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس سے یوں محبت کرنے لگے گا کہ اس کا خیال ہی اسے اضطراب میں مبتلا کر دے گا۔ وہ خود میں اُلجھا اُلجھا سا چلتا رہا حتیٰ کہ اچانک اسے ایک بار پھر اسی شخص کو دیکھنے کی خواہش ہونے لگی۔ وہ اپنی اس کیفیت سے اب تک بے خبر ہی تھا کہ پریشانی کے عالم میں اسے وہی شخص ہی کیوں یاد آتا تھا؟ اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ اسی شخص کے سامنے بیٹھا تھا۔

لیکن اس بار وہ بہت حیرانی سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا جو پہلے کی نسبت بہت بہتر حالت اور حلیے میں بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ رہنے والی پریشانوں اور بے اطمینانی کا دُور دور تک شائبہ نہ تھا۔ اسے یکدم تجسس سا ہونے لگا تھا کہ آخر وہ کون سی چیز تھی جس نے اس شخص کے چہرے کو طمانیت بخش دی تھی۔ ابھی وہ اسے مخاطب کرنے کا قصد کر ہی رہا تھا کہ اس کی زندگی سے بھرپور آواز پر وہ چپ رہ گیا۔

”میں ساری زندگی اسے ڈھونڈتا رہا، اسے جو ہمیشہ سے ہی میرے اندر کہیں موجود تھا۔ میں اسے جان ہی نہیں پایا تھا کہ وہ تو میری ہر آتی جاتی سانس میں ہے۔ وہ میرے ہر اس احساس کو جانتا ہے جس کو ماننے کو میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا کجا کہ دعویٰ کروں۔“ وہ ایک لمحہ کے لئے سانس لینے کو رُکا تو وہ اس لمحہ کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا، اس نے وہاں سے اُٹھنا چاہا مگر اسے دوبارہ بولتا دیکھ کر اسے مجبوراً اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔

”یہاں قدم قدم پر خدا ہیں لیکن..... لیکن اللہ صرف ایک ہے، صرف ایک۔“ اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے شہادت کی انگلی اُٹھا کر کہا۔

”اور بس وہی خدا ہے وہی اللہ ہے۔ میں کہاں کہاں محسوس کروں اسے، وہ ہر شے میں نظر آتا ہے، وہ ہر جگہ موجود ہے اور جو موجود ہوتا ہے وہ اپنا وجود رکھتا ہے، ہر اس چیز میں جو

جبکہ وہ شخص اب اپنی آنکھیں بند کئے اپنے سر کو دیوار سے لگا کر مطمئن انداز میں ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانوں کو آہستہ آہستہ گرا رہا تھا۔ اس نے ایک نظر اس کے ہلتے ہونٹوں کی جانب دیکھا اور پھر اُنھ کر آگے کی طرف بڑھ گیا۔

اب اس کا ذہن کہیں اور بھٹکنے کی بجائے اس کے الفاظ میں محو ہو چکا تھا۔ اس نے بار بار کوشش کی کہ وہ سنیعہ کے متعلق سوچے مگر ہر بار وہ مجبور ہو کر اس کی باتوں کو دل سے محسوس کرنے لگتا۔

وہ خود میں الجھا الجھا سا آگے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

خدا کون ہے؟ کہاں ہے؟ اس قسم کے سوالوں سے وہ اب تک ناواقف تھا اور پہلی بار اس نے کسی کو مذہب کے بارے میں اس قدر حساس دیکھا تھا۔ لیکن شاید وہ شخص تو خدا کی تلاش میں تھا، صرف ایک خدا کی تلاش میں اور جب اس نے اسے پایا تو خود بخود مذہب سے منسلک ہو گیا۔ جبکہ وہ نہ کسی خدا کو مانتا تھا اور نہ ہی مذہب میں دلچسپی رکھتا تھا۔

وہ جتنا سوچتا جا رہا تھا مزید الجھتا جا رہا تھا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ مذہب اور خدا کے بارے میں کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ شدید ذہنی انتشار کا شکار ہو رہا تھا۔ گھر پہنچ کر وہ خود کو ریلیکس کرنے میں ناکام ہی رہا تھا۔ اس نے سلیپنگ پزلریں اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔



”کئی! آج کل وہ تمہارا بوائے فرینڈ تمہارے ساتھ نظر نہیں آ رہا۔“ کیتھرین نے اسے نئے بوائے فرینڈ کے ساتھ گاڑی سے اتر کر ان کی طرف آتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔

”لیو دس ٹاپک کیتھرین! میں تو اسے کب کا چھوڑ چکی ہوں۔“ اس نے پرس سائیڈ پر رکھ کر ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بیزاری سے کہا۔

”کیوں؟ کیا ہوا؟“ وہ تو تمہارے ٹاپک کا تھا نا! پھر کیا ہوا؟“ مدھو نے مزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”بس یار! پہلے تو اس نے اپنے چیرٹس کا مرڈر کیا، خیر! اس پر تو مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا کیونکہ وہ اپنا حق مانگ رہا تھا اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی اور ویسے بھی اس نے چھ سات سال بعد تو ایکساں رہی جانا تھا۔“

”میں نے کہا نا کہ وہ تو ہمیشہ سے ہی میرے اندر موجود تھا، میرے بالکل قریب تھا۔ لیکن خدا کو اصل نام نہیں دے پا رہا تھا میں، اور جب اس رات.....“ وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”اس رات میں نے اس کا نام سنا تو..... تو اس نام کو میں نے اپنے اندر اُترتے محسوس کیا، یہاں.....“ اس نے اپنے دل کی جانب ایک انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے مزید کہا۔

”یہاں محسوس کیا میں نے اس کی محبت کو۔ وہ رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب دُور سے آتی ایک آواز پر اچانک میری آنکھ کھل گئی اور ”اللہ اکبر“ کی آواز میری روح میں اُترتی چلی گئی۔ اس کا نام سنتے ہی میری ساری بے چینی ساری کلفت دُور ہونے لگی۔ میں نے کہا تھا نا کہ میں اسے اس کے نام سے پکاروں گا، اس نام سے جسے سن کر میں اپنی روح میں اس کی محبت کو اُترتا محسوس کروں گا، تو میں نے سن لیا اس کے نام کو اور پھر اگلی صبح میں مسجد جلا پہنچا اور اس ایک اللہ کو اپنے خدا اپنے رب کا درجہ دیتے ہوئے اس کا بندہ بن گیا۔“ وہ بولتے بولتے اچانک رُک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”میں نے ہر مذہب کے بارے میں پڑھا تھا اور اسلام کے بارے میں بھی جانتا تھا لیکن یورپ میں پھیلی اس افواہ کی زد میں میں بھی شامل تھا کہ اسلام دہشت گردی کا سبق دیتا ہے، سو میں نے زیادہ اس کے متعلق کچھ نہیں جانا چاہا، شاید میں بھول گیا تھا کہ میرے جیسا ہر شخص بذاتِ خود ایک دہشت گرد ہے جو ایک مذہب سے متنفر ہو کر دوسرے مذہب کو اپنا تا ہے، پھر تیسرے مذہب کو اور یوں وہ خود سے تو دُور ہوتا ہے، اپنے اصل سے بھی دُور ہو جاتا ہے۔ لیکن ان چند دنوں میں مجھ سے جتنا ہو سکا میں نے اسلام کا بغور مطالعہ کیا ہے اور میں اپنے رب کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے دُنیا کے اس گہرے گڑھے میں سے نکال لیا جہاں گرنے کے بعد میں بھی ان چلتے پھرتے زندگی سے بھرپور بے جان پتلوں میں شامل ہو جاتا جو یہی نہیں جانتے کہ وہ اصل میں ہیں کون؟ ارے! جس کا نام سنتے ہی پورے جسم کی تھکن دُور ہو جائے تو اس کی محبت روح کو شانت کر کے اس دُنیا سے غافل نہیں کرے گی کیا؟ اپنی بات مکمل کر کے وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا مگر وہ تو ان سب باتوں سے انجان تھا، کیسے کوئی جواب دے پاتا؟ سو خاموشی سے سر جھکا کر رہ گیا۔

اس کے لہجے سے اپنے لئے چھلکتی پریشانی اور اضطراب کو محسوس کر کے وہ ایک دم ہلکے ہو گئی۔

اس کی آواز اسے اپنے اندر کہیں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے اپنی یہ کیفیت بہت بھلی سی لگ رہی تھی مگر اچانک کسی خوف کے تحت وہ ڈر کر رہ گئی اور فوراً بول پڑی۔

”کیری! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔“ اس کی آواز میں کپکپاہٹ واضح تھی۔ جبکہ دوسری طرف گہرا سکوت چھا گیا تھا۔ وہ اس خاموشی سے مزید خوفزدہ سی ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں وہ کیا جواب دے؟ وہ لرز گئی تھی۔

”میں کون سا تمہارے بغیر رہ سکتا ہوں سنیو!“ گھمبیر خاموشی میں اس کی آواز سن کر اسے اپنے اندر ایک نئی زندگی بیدار ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے طمانیت سے آنکھیں موند لیں اور تصور میں اس کے چہرے کو اپنی آنکھوں میں عکس بناتا محسوس کرنے لگی۔

”میں تم سے ملنا چاہتا ہوں سنیو! ابھی اور اسی وقت۔“ وہ بے قراری سے بولا۔

”اوکے!“ وہ فوراً مان گئی۔

”پیرس میں ماما کا ایکسڈنٹ ہو گیا تھا، مجھ سے رہا نہیں گیا اور فوراً ان کے پاس جا پہنچی اور اس جلدی میں میں موبائل گھر پر ہی بھول گئی تھی۔“ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ایک ہلکے سونے کی جگہ پر آنے لگی۔ اس نے اپنی غیر حاضری کی وجہ بتائی۔

”کم از کم تم مجھے ایک کال کر کے اپنا پراہم تو بتا سکتی تھیں ناں!“ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گیا۔

”اگر میں تمہیں بتا دیتی تو مجھے پتہ کیسے چلتا کہ تم میرے لئے پریشان ہوئے یا نہیں۔“ وہ دھیرے سے مسکرا کر بولی۔

”یہ جاننے کے لئے کوئی دوسرا طریقہ بھی اختیار کر سکتی تھیں تم!“ وہ قدرے ناراضگی سے بولا تو اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ پھر سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

”ایک بات پوچھوں کیری!“ اس کے لہجے میں واضح خدشہ تھا۔ وہ اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

”پھر کیا پراہم تھا؟ کیوں چھوڑا تم نے اسے؟“ مدھو کو کھد بد ہو رہی تھی۔ تب ہی فوراً بول پڑی۔

”انکچو بلی جانسن نے جیل میں نبھانے کس مسلمان سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا جبکہ میرے ڈیڑ مسلمانوں کے سخت خلاف ہیں اور ویسے بھی میں کرپین ہوں تو ایک مسلمان کو لائف پانڈر کیسے بنا سکتی ہوں؟“

وہ جو اپنے خیالوں میں مگن سی بیٹھی تھی اس کی آخری بات پر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”ایک کرپین مسلمان سے شادی نہیں کر سکتا؟“ اس نے کانپتے دل سے سوچا۔

وہ انجانے خدشے کے تحت لرز کر رہ گئی تو اس کا مطلب تھا کہ وہ جو کیری کے ہمیشہ کے ساتھ کی متنی تھی، اس کی محبت کو محسوس کر کے وہ خود کو معتبر سمجھنے لگی تھی۔ پہلی بار وہ کسی کے لئے خود کو مضطرب محسوس کر رہی تھی اور اسے یہ اضطراب بہت بھلا بھلا سا لگتا تھا۔ پہلی بار وہ اپنے اندر پیدا ہونے والے ایک انوکھے سے جذبے کو پہنچتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ لیکن کئی کی بات نے اسے گہری تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اچانک کچھ کھو جانے کا خوف اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ اس سے مزید وہاں بیٹھنا نہ گیا اور فوراً جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے اس طرح اچانک اٹھ جانے پر وہ تینوں اسے حیرت سے جاتا دیکھتی رہ گئیں۔ اتنے دنوں بعد تو وہ آج اکٹھی ہوئی تھیں اور وہ اتنی جلدی چلی گئی تھی۔ وہ شانے اچکا کر رہ گئیں۔

گھر آ کر بھی اس کی پریشانی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ وہ جلد سے جلد کیری سے ملنا چاہتی تھی مگر باوجود کوشش کے وہ شام تک اس سے مل نہ سکی اور موبائل بھی اس کا مسلسل بڑی جا رہا تھا۔

وہ قدرے پریشانی کے عالم میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی جب اس کا موبائل بج اٹھا۔

”ہیلو کیری!“ موبائل سکرین پر اس کا نمبر دیکھ کر وہ بیٹابی سے بولی۔

”ہیلو سنیو! کہاں ہو تم؟ میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں لیکن تم ہو کہ..... میں تمہارے گھر آیا لیکن تم وہاں بھی نہیں تھیں۔ تمہارے موبائل پر رنگ کیا لیکن کوئی آنسر نہیں..... کہاں تھیں تم؟“

اپنی دھن میں گن ہر شے سے لا پرواہ ہو کر اس راستے پر چل رہے تھے۔

بے اختیار اس کا دل چاہا کہ وہ بھی انہی لوگوں میں شامل ہو جائے جنہیں کسی بھی شخص سے غرض تھی نہ کوئی دوسرا خیال انہیں ان کے مقصد سے غافل کر رہا تھا۔ یکدم اس نے اپنے حلیے کو تنقیدی نظر سے دیکھا۔ وہ بچے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھا۔

اُلجھے اُلجھے بال اور میلے کچیلے ہاتھ پاؤں اسے کوفت میں مبتلا کر رہے تھے۔ لیکن ان سب کے باوجود وہ انہیں لوگوں کے ساتھ شریک ہونا چاہتا تھا۔ لاکھوں لوگوں کا ایک اژدھام تھا جو اس سمت کی جانب بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کا دل پھل اُٹھا۔ وہ ان پر نورانی چہروں میں اپنا چہرہ شامل کرنا چاہتا تھا۔ اسی خیال کے تحت وہ فوراً کپڑے جھاڑتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

اور ابھی محض اس نے ایک قدم ہی بڑھایا تھا کہ بالکل اچانک کسی کے مضبوط ہاتھوں نے اسے وہیں روک لیا۔ وہ آگے کی جانب بڑھنا چاہتا تھا مگر اپنی ساری طاقت صرف کر لینے کے باوجود وہ جوں کا توں وہیں کھڑا رہا۔ حتیٰ کہ سارے لوگ ایک مجمع کی صورت میں اس مخصوص جگہ پر پہنچ گئے۔

وہ خالی خالی سی نظروں سے اس خوبصورت مقام کو تک رہا تھا۔ پھر اس نے ایک نظر اپنے آپ پر ڈالی۔

کیا وہ اس قابل نہیں تھا کہ ان لوگوں کی صف میں جا کھڑا ہوتا؟ یک دم اس کا دل بھر آیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس نے فضا میں گونجتے الفاظ کو اپنے دل میں اُترتے محسوس کیا جو اس نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں سنے تھے۔ لیکن وہ ان الفاظ کو واضح طور پر سمجھ نہیں پایا تھا۔ جبکہ اس کی تاثیر اسے اندر تک بے کل کر گئی تھی۔ وہ بے چینی کے عالم میں اپنے دونوں ہاتھوں کو بالوں میں پھنسائے اس سمت کو تک رہا تھا جس پر وہ چلنا تو چاہ رہا تھا مگر اسے کسی رہنمائی کی ضرورت تھی۔ مگر کون تھا جو اسے اس راستے کا راہی بناتا جو اسے حقیقی منزل سے ملا دیتا۔ فضا میں پھیلی ایک ٹانائوس سی خوشبو اسے بہت بھلی لگ رہی تھی۔ مگر اسے لگا جیسے وہ اس ماحول کا حصہ نہیں ہے۔

جبکہ اندر ہی اندر تڑپ رہا تھا وہاں سے آتی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں کو اپنے اندر اُترتا

”کیری! وہ.....“ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی تپش خود پر محسوس کر کے اس سے نظر اُٹھا کر بات کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ وہ بے قراری کے عالم میں مسلسل پہلو بدل رہی تھی۔ اب سے پہلے اس کے سامنے بات کرنا اسے کوئی مشکل کام نہیں لگ رہا تھا مگر اب اسے سامنے پا کر اس سے ایک لفظ بھی کہنا محال ہو رہا تھا۔ وہ سر جھکا کر رہ گئی۔

”سیدہ! دل پویری می!“

اس کے الفاظ پر وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ محبت بھری نظروں سے اسے ہی تک رہا تھا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم یہی کہنا چاہتی تھیں لیکن اس سے پہلے کہ تم کہہ پاتیں میں نے کہہ دیا صرف اس لئے کہ تمہارا نہ کہنا ہی مجھے بے حد خوشی دے گیا تھا۔ تمہارا مجھ سے جھجکا مجھے بہت اچھا لگا ہے سیدہ!“ اس نے مدہم لہجے میں کہا تو وہ دیر سے مسکرا دی۔

”کیری! تمہیں مجھ سے شادی پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا!“ اس نے لرزتے دل کو بمشکل سنبھالتے ہوئے کہا۔

”اعتراض؟“ اس نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔

”مجھے اعتراض کیوں ہو گا تم سے شادی کرنے پر؟“

”وہ..... اصل میں میں نے سنا ہے کہ کرپین سلسلے سے شادی نہیں کرتے۔“ اس نے اکتے ہوئے بتایا تو وہ محض مسکرا کر عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”سیدہ! میں کسی مذہب میں کوئی انٹرسٹ نہیں رکھتا اور نہ مجھے اس چیز سے کوئی فرق پڑتا ہے کہ تم مسلم ہو یا میں کرپین ہوں، اوکے!“ اس نے تسلی دینے والے انداز میں اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ طمانیت سے سر ہلا کر رہ گئی۔



وہ کب سے اس لمبی چوڑی مگر شفاف سڑک کے بائیں جانب درویشوں کی سی حالت میں خود سے یکسر انجان بیٹھا آتے جاتے لوگوں کو تک رہا تھا۔ ہر شخص سفید براق کپڑوں میں ملبوس ایک مخصوص سمت کی جانب چلا جا رہا تھا۔ نجانے کون سی لگن تھی کہ وہ خود سے بے نیاز

سانسوں کی سرگوشی اسے اپنے جواسوں میں واپس لے آئی تھی۔

وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور ایک نظر اپنے وجود پر ڈالی۔ پہلے دیکھے جانے والے خوابوں کی نسبت وہ اس خواب کو دیکھنے کے بعد نہ خوفزدہ تھا اور نہ ہی مضطرب۔ بس اسے اپنے اندر ایک کمی کا احساس ہو رہا تھا اور اپنا اندر بہت خالی خالی سا لگ رہا تھا۔ اپنے کچھ ہونے یا نہ ہونے کا احساس اسے کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا تھا۔

اس نے بیڈ کی پشت پر سر ڈال دیا اور غلاء کو گھورتے ہوئے اپنے اس خواب کے بارے میں تفصیل سے سوچنے لگا۔

آخر وہ کون سی جگہ، کون سا مقام تھا جہاں اسے کسی کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ جہاں وہ اپنے اندر پیدا ہونے والے ایک انوکھے سے جذبے کو کوئی نام نہیں دے پایا تھا۔

جہاں کی معطر فضا اسے دنیا کی ہر شے سے زیادہ خوشگوار لگی تھی۔ لیکن وہ ایک دم چونک سا گیا۔ لیکن اسے اس جگہ پر جانے کیوں نہیں دیا گیا تھا؟ اور وہ..... وہ کیوں وہاں جانے کے لئے اس قدر بیتاب تھا۔

اس جگہ اس مقام کو محسوس کر کے اسے اپنے اندر کی دنیا بدلتی محسوس ہوئی تھی، اگر وہ اس جگہ چلا جاتا تو.....

یہ خیال اسے مزید تقویت پہنچا گیا تھا۔ اس نے ایک اطمینان بھرا سانس لیا اور آنکھیں موند کر اپنے پورے خواب کو ذہن میں دہرانے لگا اور ایسا پہلی بار ہوا تھا جب اس نے کسی خواب کو دل ہی دل میں دہرایا تھا ورنہ اسے ہر خواب پہلے سے زیادہ بے چینی اور خوف میں مبتلا کر دیتا تھا لیکن اس بار وہ خود کو ہر ذرے سے آزاد محسوس کر رہا تھا۔

”آخر کوئی تو وجہ تھی اس خواب میں محسوس ہونے والے اطمینان کی۔“ وہ دل ہی دل میں بڑبڑایا اور ایک بار پھر تفصیل سے اس خواب کو سوچنے میں مصروف ہو گیا۔



آج وہ بے حد سرور تھی کہ اسے خود اپنی خوشی کا اندازہ نہیں تھا۔ اس کے ساتھ کا تصور ہی اس کے اندر ایک نئی رمت پیدا کر دیتا تھا اور اب تو اس کے ہو جانے کا احساس اسے زندگی کے مزید قریب کر گیا تھا۔ ایک دم اسے خود پر غرور سا محسوس ہونے لگا تھا جو اتنا شاندار شخص اس کی

محسوس کرنا چاہتا تھا۔ مگر بے اختیار اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ وہ کس قدر بے بس تھا۔ کتنا مجبور تھا وہ۔

اس مقام سے دوری کا سبب اور اپنے اندر پیدا ہونے والے اضطراب کو وہ قطعی طور پر سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ وہ کسی سے مدد مانگنا چاہتا تھا۔ کسی کو مدد کے لئے بلانا چاہتا تھا۔ مگر چاہتے ہوئے بھی اس کے منہ سے کسی کا نام نہیں نکل رہا تھا اور اس پل وہ خود پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اپنی ہر مشکل اور ہر مصیبت میں ماما اور پاپا کو مدد کے لئے بلاتا تھا لیکن اس وقت وہ اپنے اندر پیدا ہونے والی بے کلی کو کسی ذرا کا نام نہیں دے سکتا تھا۔ یہ بے کلی اور بیانیہ اسے موت کے خوف سے نجات دے گئی تھی۔

فضا میں گونجتے وہی الفاظ اسے کتری کا احساس دلا رہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کے اندر کوئی ایسی کمی ہے جو اس کی زبان ان الفاظ کی ادائیگی سے محروم تھی۔

وہ شدت ضبط کی آخری حد پر تھا۔ لیکن اپنی یہ بے بسی، مجبوری، لا چاری اور اضطرابی حالت میں اسے عجیب سا سکون مل رہا تھا۔ وہ یہ سمجھنے سے تاحال قاصر تھا کہ اس کی اس کیفیت کی کیا وجہ ہے؟

اب اسے اپنے وجود میں ایک تبدیلی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ یکدم ہاتھوں میں چہرہ دے کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو اس کی چوڑی ہتیلیوں میں جذب ہو رہے تھے۔ اسے اس طرح رونے میں طمانیت کا بھرپور احساس ہو رہا تھا۔ وہ مسلسل روئے جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ اب اس نے بلند آواز میں گڑگڑا کر روتا شروع کر دیا تھا۔

اور اس کا یوں رونا اس کے اندر کے اضطراب کو کافی حد تک کم کر گیا تھا۔ تب ہی بالکل اچانک اس نے اپنے اندر پھیلے گہرے سناٹے کو کم ہوتے محسوس کیا اور اسی اطمینان کے ساتھ اس نے اپنے چہرے پر پھیلے آنسوؤں کو ایک ہاتھ کی مدد سے صاف کیا اور آنکھیں کھول کر ایک بھر پور نظر اپنے چاروں طرف دوڑائی۔

اس نے غائب دماغی سے اپنے پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرے میں پھیلا گہرا سکوت اور فضا میں بکھری ایک گھمبیری خاموشی کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اس خاموشی میں پھیل اس کی

”میں تو تمہیں اس سوسائٹی میں ایک اسٹریٹنگ بزنس دومین کے طور پر دیکھنا چاہتی تھی لیکن تم.....“

ان کے لہجے سے اپنے لئے چھلکتے افسوس اور پریشانی سے وہ ان کی محبت پر فریفتہ ہو گئی۔

”اٹس اوکے ماما! میں شادی کے بعد آپ کا بزنس جوائن کر دوں گی لیکن اگر کیری.....“ اس نے انک انک کر کہا۔

”کیوں؟ کیری کو کیا اعتراض ہوگا؟ اس کی خاطر تم اپنی ماما کی خواہش کو ریجیکٹ کر دو گی؟“ انہوں نے تکیے انداز میں کہا تو وہ مل کر رہ گئی اور جلدی سے بولی۔

”نوماما! میرا..... میرا یہ مطلب تو نہیں تھا، میں.....“

”بس! اگر تمہیں مجھ سے ذرا سی بھی محبت ہے تو تم میری اس خواہش کو رد ہرگز نہیں کرو گی، انڈر سٹینڈ!“ وہ سخت لہجے میں بولتی ہوئی وہاں سے اٹھ گئیں تو وہ خالی خالی نظروں سے انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ دونوں ہاتھ گود میں رکھے وہ بالکل خالی الذہن کے ساتھ بند ہونے والے دروازے کو تک رہی تھی۔

”پتہ نہیں ماما کو میری محبت پر یقین کیوں نہیں ہے؟“ اس کی ذہنی رو بھٹک رہی تھی۔
”کیوں وہ ہر بار مجھ سے ایسی بات کر جاتی ہیں جس کا جواب مجھے دینا ہی نہیں آتا؟“
کیوں ماما میری محبت کو آزمائش میں ڈال دیتی ہیں؟“ اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ یکدم وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔



”آئی ڈونٹ لائک مسلم!“ انجیلینا پچھلے پندرہ منٹ میں تیس بار یہ جملہ کہہ چکی تھی۔ مگر اس پر مطلق کوئی اثر نہیں تھا۔ وہ بدستور مطمئن انداز میں چپس کھاتا رہا اور دھیرے سے مسکراتا رہا۔

”ویسے سیدھے بہت پیاری لیکن ہے تو مسلم ناں!“ وہ اس کی تعریف کرتے ہوئے آخر میں منہ بنا کر بولی۔

”تمہیں کہاں سے مسلم لگتی ہے وہ؟“ ماما نے ٹی وی پر سے نظریں ہٹا کر اس سے مخاطب

زیست بن رہا تھا۔ ایک عجیب سی چمک نے اس کی آنکھوں میں جگنو بھردیے تھے۔ ایک خوبصورت سی مسکراہٹ نے مسلسل اس کے چہرے کا احاطہ کیا ہوا تھا۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے آپ کو سٹائش بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا حسن دو آتشہ ہو رہا تھا۔ اس نے ایک بھر پور نظر اپنے مکمل سراپے پر ڈالی اور پھر خود ہی مسکرا دی۔

”سیدھے!“ ماما کی آواز پر اس نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔ ماما اسی کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

”یس ماما!“ وہ فوراً ان کی جانب متوجہ ہو گئی۔

”آج تم بہت کیوٹ لگ رہی ہو۔“ ماما کی تعریف پر وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

”میں تم سے ایک بات کرنا چاہ رہی تھی سیدھے!“ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولیں۔

”دیکھو سیدھے! میں نے ہمیشہ تمہاری خواہشوں کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلے کئے ہیں اور کیری سے انجیج منٹ بھی میں نے تمہاری پسند کے مطابق ہی کی ہے۔ لیکن میری بھی ایک خواہش ہے۔“ وہ ان کی آخری بات پر چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

پتہ نہیں وہ اس سے کیا کہنے جا رہی تھیں۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ منتظر نظروں سے انہیں تک رہی تھی۔

”میری خواہش تھی کہ تم بزنس میں میرا ہاتھ بٹاتیں لیکن کیری کی فیملی کی جانب سے اتنی جلدی شادی کے باعث مجھے لگتا ہے کہ میری یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔“ ان کے یاسیت بھرے لہجے سے وہ کچھل کر رہ گئی۔

”ماما! آپ کیا چاہتی ہیں؟“ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

”میں اتنا اچھا رشتہ اپنی خواہش کی وجہ سے ضائع نہیں کر سکتی اسی لئے جب وہ کہیں گے شادی تب ہی ہوگی لیکن اگر تم شادی کے بعد میرا بزنس جوائن کر لو گی تو میری ہیلپ بھی ہو جائے گی اور تمہارا بھی ایکسپرنس بڑھے گا۔“ وہ ایک لمحے کے لئے رکیں پھر دوبارہ گویا ہوئیں۔

”ایکسی بڑی سڑ!“ اس نے پیچھے سے اسے پکارا جبکہ وہ اس کی آواز پر مڑ کر اسے نکلنے لگا۔

”سڑ! کیسے ہیں آپ؟“ اس نے اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے پوچھا۔
آج وہ شخص اچھی حالت میں تھا۔ صاف ستھرے کپڑے اور ترتیب سے بنے بال اس کی اندرونی حالت کی بہتری کا پتہ دے رہے تھے۔

اس نے ایک سرسری سی نظر اس کے سراپے پر ڈالی۔

”ٹھیک ہوں!“ اس نے مدہم آواز میں مختصر جواب دیا۔

”سڑ! آپ..... آپ جانتے ہیں کہ میں آج کس قدر خوش ہوں؟“ تھوڑی دیر بعد وہ قریبی پارک کے ایک بیچ پر بیٹھے ہوئے بیٹابی سے بولا۔

اس کے لہجے سے چھلکتا خوشی کا شمار اسے بے قرار کر رہا تھا۔ اسے خود معلوم نہیں تھا کہ سیدھے کے ہمیشہ کے ساتھ کی خواہش یوں پوری ہو جانے پر اس کا روم روم کھل اٹھے گا۔

”کیا خوشی مل گئی ہے؟“ وہ شخص اس کی طرف دیکھ کر بغیر آہستگی سے بولا۔

”مجھے میری محبت مل گئی ہے۔ میری وہ خواہش پوری ہو گئی ہے جس کے بغیر مجھے لگتا تھا کہ میں اُدھورا ہوں، میری ہر خواہش اُدھوری ہے۔“ اس کی بات پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا اور وہ پہلی بار اسے یوں مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

”کون سی محبت کی بات کر رہے ہو تم! اس محبت کی جو ایک خواہش ہے یا اس محبت کی جو یہاں قدم قدم پر بکھری پڑی ہے، جس میں صرف وجود کی طلب ہوتی ہے، جیسی جاگتی آنکھوں اور مسکراتے لبوں کی ضرورت ہوتی ہے۔“ اس نے عجیب سی نظروں سے اس شخص کی طرف دیکھا جس کی نظریں بالکل سامنے کی جانب ایک ہی نقطے پر مرکوز تھیں۔

”میرا خیال ہے سڑ! کہ بغیر خواہش کے تو ہم کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔“ اس نے جراح کرنے کی کوشش کی۔

”اور ویسے بھی میں ڈرتا ہوں کہ کہیں کوئی ایسی خواہش جو میری پوری زندگی کی حاصل ہو وہ پوری نہ ہوئی تو میں ہمیشہ ایک محرومی کے احساس میں گھرا رہوں گا۔“

”یہ کون سے ڈر میں مبتلا ہے تو؟ ارے! تجھے اپنے آپ سے ڈرنا چاہئے، اپنے نفس

ہوئیں۔“
”بالکل ہم جیسی ہی تو ہے۔ اس کا رہن سہن، اس کی ڈرینگ حتیٰ کہ اس کی لیکوئج بھی۔“

”بائی دادو! تمہیں مسلمان پسند کیوں نہیں ہیں؟“ وہ بھی ان کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بولا۔

”مسلمان بہت کنزرویٹو ہوتے ہیں۔“ اس نے قدرے تنفر سے کہا۔

”تو تمہیں کیا کہتے ہیں؟“ اس کی بات پر اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

”بس! مجھے نہیں پسند۔“ اس نے اکتا کر کہا۔

”ٹھیک ہے لیکن پلیز! تم آج کے دن ایسی ویسی کوئی بات مت کرو۔“ اس نے صوفے پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”اوہ! آئی سی، میں بھول گئی تھی کہ آج تمہارا انگیجمنٹ ڈے ہے، سوری!“ اس نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں کہا تو وہ بھی مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

وہ اپنی زندگی کی اس سب سے بڑی خوشی کو کسی کے ساتھ شیئر کرنا چاہتا تھا۔ اب سے پہلے وہ اپنی ہر خوشی کو جانسن اور آرنلڈ کے ساتھ سلیم ریٹ کرتا تھا۔ جبکہ جانسن کے جیل جانے کے بعد وہ آرنلڈ سے زیادہ قریب ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے سلیمیشن کے انداز اسے کسی طور پسند نہیں تھے۔ اسی لئے اس نے آرنلڈ کی طرف جانے کی بجائے خود ہی اس اہم دن کو منانے کی خاطر بے مقصد سڑک کی ایک سائیڈ پر چلنا شروع کر دیا۔

سیدھے سے انگیجمنٹ کا احساس اسے تعویت پہنچا رہا تھا۔ اس کا تصور اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا تھا۔ وہ اپنی مسکراہٹ کو مزید گہری ہونے سے نہ روک سکا اور آگے کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ اس نے سڑک کے بائیں جانب بنے ایک اسلامک سنٹر سے اسی شخص کو باہر نکلتے دیکھا، وہ بڑے گمن سے انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا فٹ پاتھ پر چل رہا تھا۔

اچانک اس کا دل چاہا کہ وہ اس سے اپنی ہر کیفیت کا اظہار کرے۔ یہی سوچتے ہوئے وہ فوراً سڑک کر اس کے اس کی جانب بڑھ گیا۔

”جا! مزاج اس طرف جو تیرے وجود کو ان مجازی محبتوں سے آزاد کر دے گا۔ تجھے آزاد کر دے گا ان لا حاصل خواہشوں سے جنہوں نے تیرے وجود کو جکڑ رکھا ہے کچھ اس طرح کہ تو اپنا بھی نہیں رہا۔ ارے! تجھ میں اتنا دم کہاں کہ تو کسی کو اپنا سکے؟ جا!..... جا اس کا ہو جا! جو تجھے اپنا چاہتا ہے لیکن تو بے خبر ہے۔“

”آپ..... آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟ کون مجھے اپنا چاہتا ہے؟ میں کسی کو نہیں جانتا۔“ اس کی بات پر وہ جھنجھلا کر چلا پڑا۔

اس شخص کی باتیں اسے اندر سے کمزور بنا رہی تھیں۔ اس کے اندر کی کمی کے احساس کو مزید ابھار رہی تھیں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ تمام محبتوں سے دُور ہوتا جا رہا ہے۔ وہ مزید وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے آگے کی جانب قدم بڑھانے چاہے لیکن اسی لمحے اس کی آواز پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رُک کر اسے دیکھنے لگا۔

وہ ہنوز اسی پوزیشن میں سامنے کی جانب نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

”کتنا بے خبر ہے تو! کتنا بد قسمت ہے تو! کتنا بے مراد ہے تو! شاید تو نہیں جانتا..... تو نہیں جانتا کہ تو کیا کھو رہا ہے؟ تو خود اپنے وجود کو اس غلاطی میں دھکیل رہا ہے جہاں سے نکلنے کے بعد بھی تیرے وجود سے تیرے گناہوں کی بسانہ آتی رہے گی اور پھر تو خود اس بسانہ سے بھاگنے کی کوشش کرے گا مگر یہ تیرے تعاقب میں رہے گی اور ایک دن اسی بسانہ کے باعث تو اپنے وجود سے نفرت کرنے لگے گا، حقارت سے دیکھے گا تو اپنے وجود کو۔ اس سے پہلے کہ تو خود سے بھاگے، خود سے فرار چاہے، اپنا لے خود کو، سمجھ لے خود کو۔ جس دن تو خود کو سمجھ لے گا، خود کو جان جائے گا تو درحقیقت اس کو جان لے گا، اس کو سمجھ لے گا جس کو سمجھنے میں ہی عافیت ہے، جس کو جاننے میں ہی نجات پنہاں ہے۔“

وہ اس کے سامنے ہی گھاس پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور بغور اس شخص کو دیکھنے لگا۔ اس کے الفاظ اس کی حالت کی غمازی کر رہے تھے۔ اس نے اپنے سینے میں دھڑکتے دل کے شور کو سنا اور بے اختیار گردن جھکا گیا۔ اس کے اندر عجیب سی الجھل مچی ہوئی تھی۔

اس کے الفاظ اس کے ذہن کو منتشر کر رہے تھے۔ اسے لگا جیسے اس شخص نے اس کے خواب کو لفظوں میں ڈھال دیا ہو، جو اس نے اب سے کچھ عرصہ پہلے دیکھا تھا۔ آج بھی

سے ڈرنا چاہئے، اپنے وجود میں پلٹنے والی ان بے شمار خواہشوں سے ڈرنا چاہئے جن کو پورا کرتے کرتے تو اپنے وجود کو ذلت کے ایسے گڑھے میں جھونک رہا ہے جہاں پہلے سے ہی نامعلوم کتنی خواہشیں کفن میں لپٹی پڑی ہیں۔“

”لیکن کسی کی محبت کی خواہش کرنا کوئی غلط کام تو نہیں ہے۔“ اس نے ناگواری سے کہا۔

”مت پر کسی کی چاہت میں۔“ وہ یکدم چیخ کر بولا۔

”نہ کر کسی وجود کی خواہش، کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ بس..... بس خود کو یاد رکھ، خود کو سمجھ، خود کو چاہ۔ پھر جان جائے گا تو کہ تو کیا چاہتا ہے اور کس کو چاہتا ہے؟ اٹھالے اپنے کندھوں پر سے کسی کی چاہت، کسی کی محبت کا بار، پھر تو اپنے سینے میں پیدا ہونے والی حقیقی چاہت کو محسوس کرے گا اور یہی تیری اصل چاہت، تیری حقیقی محبت ہوگی۔“ وہ اس کی بات پر خاموش ہو گیا۔ اس کی باتوں کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس کی باتیں اسے اپنے اندر اُترتی محسوس ہو رہی تھیں۔

”میں..... میں نے کبھی کسی لڑکی سے محبت نہیں کی لیکن اسے دیکھنے کے بعد مجھے لگا کہ وہی میری سب کچھ ہے۔“ اس نے بیچ پر سے اٹھتے ہوئے کمزور لہجے میں کہا اور ادھر سے ادھر ٹپٹلے لگا۔ شاید وہ اس کی باتوں کو خود پر حادی کرنا نہیں چاہتا تھا تب ہی خود کو کسی کی محبت کی اسیری کا احساس دلاتے ہوئے مزید بولا۔

”مجھے ہر آواز میں اس کی آواز اور ہر چہرے میں اس کا چہرہ نظر آتا ہے۔ میں اسے اپنا چاہتا ہوں۔ مجھے..... مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے حقیقی چاہت یا حقیقی محبت کی۔“ وہ اب بہت بے چین ہو رہا تھا۔ ایک دم اسے ہر چیز سے بیزاری محسوس ہو رہی تھی۔

”اپنے وجود میں سامنے والی آوازوں کو محسوس نہ کر، یہ تو تجھے ان رستوں کا راہی بنا دیں گی جن پر چل کر تو اپنے پاؤں زخمی کر لے گا۔ اپنی روح میں سرایت کر جانے والی آوازوں کو سن!..... سن! وہ تجھے بلا رہا ہے اپنی طرف، جا!..... جا! اس کی سن! وہ جو سچا ہے اس کی سن!..... سن! لے اس کی۔ وہ ہر ایک کو نہیں بلاتا۔ وہ ہر ایک کو اپنی محبت میں کہاں جتلا کرتا ہے؟“

لگا۔

”جو۔ جو دعوے کرتا ہے تجھ سے اپنی ڈھیر ساری محبتوں کے، اپنی چاہتوں کے، اس کی یہ محبتیں اور اس کی یہ چاہتیں محض ایک دھوکا ہیں۔ ارے! جو تجھ جیسے شخص کو چاہے، تجھ جیسے شخص سے محبت کرے، وہ بھلا کیا جانے کہ محبت کیا ہے اور چاہت کیا ہے؟ درحقیقت وہ تو تجھے آسمان سے زمین پر لانے کا سبب بنتا ہے اور وہ تو خود یہ نہیں جانتا کہ وہ اپنے آپ سے کیا چاہتا ہے؟ نکل آ ان جھوٹی محبتوں کے حصار سے، نہ تو دوسروں کی جھوٹی محبتوں میں مبتلا ہو اور نہ کسی کو اپنی محبت کے فریب میں مبتلا کر، کچھ نہیں ملا تجھے اور نہ ملے گا اس کو، جب تک تو اسے نہیں جان لیتا، خود کو نہیں سمجھ لیتا۔“

”میں..... میں خود کو ان مسائل کا شکار بنانا نہیں چاہتا، میری بس اتنی سی خواہش ہے کہ میں ایک پرسکون زندگی گزاروں اور وہ بھی اس کے ساتھ جسے میں پسند کرتا ہوں۔ میں اپنی وہ تمام خواہشیں پوری کرنا چاہتا ہوں جو.....“ وہ بات کرتے کرتے چونک کر انہیں دیکھنے لگا جس کے تاثرات خطرناک حد تک بدل رہے تھے۔

”اپنے وجود کو اس قدر بے مصرف نہ بنا کہ ایک روز تجھے اپنے اس ناکارہ وجود کو خود اپنے ہی ناتواں کندھوں پر اٹھانا پڑ جائے اور پھر اس دن تو سمجھ جائے گا کہ تو اپنے اندر کتنی مردہ خواہشوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھا کہ جس کے وزن سے تو محض دو قدم بھی بمشکل چل پاتا ہے۔“ وہ شخص ایک لمحہ کے لئے سانس لینے کوڑکا پھر دوبارہ گویا ہوا۔

”جا!..... جا! پالے اسے جو تجھے کھونا نہیں چاہتا، اسے خود سے قریب کر لے جو تجھ سے دُور ہوتا نہیں چاہتا۔ تو کیوں دوسروں میں اتنا گن ہے؟ تو خود میں گم ہو کر دیکھ! اپنی ذات کے گہرے سمندر میں اتر کر دیکھ! تجھے کسی کے وجود کی طلب رہے گی نہ خواہش۔“

وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا مگر اس کی باتوں کا سحر اس پر اس قدر حادی ہو چکا تھا کہ وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگا تھا اور اسی بے بسی کی حالت میں وہ وہیں بیٹھا رہا۔ اس کی باتیں اس کو اندر سے جھنجھوڑ رہی تھیں۔

وہ جو ہمیشہ خواہشوں کا تابع رہا تھا، دوسروں کی محبتوں کا خواہش مند، اپنے اندر کی حقیقت سے بے خبر، وہ تو ہمیشہ دوسروں میں ہی خود کو تلاش کرتا رہا تھا اور خدا کو تو اس نے کبھی

آج بھی اسے لگتا تھا جیسے اس کے جسم سے اسی کچھڑ کی بو آ رہی ہے۔ اس نے اضطراری حالت میں اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور خود کو اس کے لفظوں سے آزاد کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اسے اُلجھن سی محسوس ہو رہی تھی۔

”مت دبا اپنے اندر پیدا ہونے والے اس شور کو جو تجھ سے تیرے بارے میں پوچھتا ہے جو..... جو یہ جان لینا چاہتا ہے کہ تو کون ہے؟“

”آپ..... آپ بار بار یہ کیوں کہتے ہیں کہ میں کون ہوں؟“ وہ جھلا کر بولا۔

اس کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ خود کو اندر ہی اندر مار رہا ہو۔

”میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں؟“ اس نے اپنے لہجے کی کپکپاہٹ پر قابو رکھتے ہوئے چیخ کر کہا۔ حالانکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ خود انجان تھا کہ وہ کون ہے؟

جبکہ وہ شخص اس کی اس بات پر زور دار قبضہ لگا کر ہنس پڑا۔ پھر تھوڑی دیر بعد انتہائی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

”تیرا ایک انسان ہونا ہی کافی نہیں ہے، اصل میں تیرا بندہ ہونا ضروری ہے جو صرف اس کی بندگی کرتا ہو اور تو..... تو اس دن بندہ بنے گا جس دن تو اسے اپنے اندر محسوس کر کے اس کے ہو جانے کا اقرار کر لے گا۔“ وہ از حد حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنے اندر ایک گہرا خلاء سا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے ہر چیز سے کوفت محسوس ہو رہی تھی۔ تب ہی وہ خود پر قابو رکھتے ہوئے بولا۔

”میں..... میں یہاں آپ سے اپنی فیلنگز شیئر کرنے آیا تھا لیکن آپ نہ جانے کون کون سی باتیں کر رہے ہیں مجھ سے؟“ اس نے مدہم آواز میں احتجاج کیا جبکہ اس کے چہرے پر تفکرات نمایاں تھے۔

”آپ سمجھتے ہیں کہ صرف میں ہی اس سے محبت کرتا ہوں وہ بھی مجھ سے.....“

”وہ ابھی اپنی بات مکمل بھی کر نہیں پایا تھا کہ اس کی تیز آواز پر چونک کر اسے دیکھنے

غصے سے بھرپور نظر ڈال کر لاؤنچ سے باہر نکل گئیں تو گرینڈ ما انہیں تاسف سے دیکھتی رہ گئیں۔
 ”کاش! میں بھی اپنی بیٹی پر اتنا حق جتا سکتی، جتنا تم اپنی بیٹی پر اپنا حق جتا سکتی ہو
 شائستہ!“ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

وہ ایک نظر ان پر ڈال کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

اس وقت اسے گرینڈ ما پر سخت غصہ آ رہا تھا جو اسے اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی
 سے محروم کرنا چاہتی تھیں اور اسی لمحے اسے ماما پر بے تحاشا پیار آ رہا تھا جو اس کی خاطر گرینڈ ما
 سے اُلجھ پڑی تھیں۔ وہ ان کی اس محبت پر دھیرے سے مسکرا دی۔



”کیری! مائی سن!“ پاپا گر مجبوشی سے دونوں بازو پھیلائے اس کی طرف بڑھے تو وہ فوراً
 ان کے گلے جا لگا۔

”آئی ایم سوگلیڈ مائی سن!“ وہ فرط محبت سے اس کی کشادہ پیشانی کو چومتے ہوئے
 بولے۔

”آج تم نے میرا وہ خواب پورا کر دیا جو میں نے تمہاری پیدائش کے ساتھ ہی دیکھنا
 شروع کر دیا تھا۔“ وہ ان کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا آگے کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔

آج پاپا نے اس کا بزنس ایڈمنسٹریشن کپلیٹ ہو جانے کی خوشی میں ایک گرینڈ پارٹی کا
 اہتمام کیا تھا۔ پاپا کی خوشی دیدنی تھی۔

اس نے ایک نظر پارٹی ہال میں دوڑائی جہاں ہر شخص گن اور ہر چہرے پر مسکراہٹ
 بکھری تھی۔

اس نے اپنے اندر کوٹھنولا چاہا جہاں خوشی کا کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ بیزاری سے
 پاپا کے ساتھ ساتھ چلا رہا یہاں تک کہ اسے ہر ایک سے اکتاہٹ سی محسوس ہونے لگی تھی۔
 یکدم اس کا دل چاہا کہ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں دور چلا جائے جہاں کوئی بھی نہ ہو۔ مگر
 الحال وہ اپنی اس خواہش کو پورا نہ کر سکتا تھا۔ تب ہی وہ پاپا کی بات پر چونک کر انہیں دیکھنے
 لگا۔

”اب چند دنوں تک تمہارا بزنس بھی اسٹبلش ہو جائے گا۔ بس! اب تم جلدی سے کوئی

ڈھونڈنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی، اور کرتا بھی کیسے؟ وہ تو ”خدا“ لفظ سے ہی ناواقف تھا۔
 اور اب.... اب اپنے اندر پیدا ہونے والے تغیر کو وہ بآسانی محسوس کر سکتا تھا۔ وہ
 خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد گویا ہوا۔

”لیکن سر! میں... میں کہاں ڈھونڈوں اس کو؟“ اس کے لہجے میں طلب واضح تھی۔
 ”میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے؟“

”وہ ہر جگہ ہے، ہر شے میں ہے، تیرے اندر ہے، تیرے باہر ہے، محسوس کر، اسے
 محسوس کر کہ وہ تیری ہر آتی جاتی سانس میں ہے۔“ وہ شخص کھوئے کھوئے سے انداز میں بولا۔
 یوں لگتا تھا جیسے وہ اس لمحے خدا کو اپنے قریب محسوس کر رہا ہو۔

وہ تھکے تھکے سے قدموں سمیت وہاں سے اُٹھ گیا۔ اسے اپنے قدموں کی چاپ میں
 شکستگی سی محسوس ہو رہی تھی۔ اسے اپنا آپ بہت بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔ لیکن اپنی اس تبدیلی کو
 وہ کوئی مثبت نام نہیں دے پایا تھا۔



”یہ کیا کر رہی ہو شائستہ!“ گرینڈ ما کی آواز پر وہ اپنے کمرے کی جانب جاتے جاتے
 رُک گئی جو ماما سے لاؤنچ میں مخاطب تھیں۔

”کیوں؟ کیا ہوا؟ کیا کر رہی ہوں میں؟“ ماما تکیے انداز میں گویا ہوئیں۔
 ”ایک عیسائی سے سنیہ کی شادی کا فیصلہ تم نے کیا سوچ کر کیا ہے؟“ ان کا لہجہ انتہائی
 کمزور ہو رہا تھا۔

”کیوں؟ کیا حرج ہے اس شادی میں؟“ ماما بروچڑھا کر سختی سے بولیں۔
 ”تمہارے نزدیک مذہب کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن کم از کم اپنی بیٹی کی زندگی کے
 بارے میں...“

”اسناپ اٹ!“ ان کی بات پر ماما ہتھے سے اُکھڑ گئیں۔
 ”آپ کو اتنی بار منع کیا ہے میں نے کہ میرے کسی معاملے میں مداخلت مت کیا کیجئے
 لیکن آپ... آپ کو میری بات سمجھ میں نہیں آتی۔ سنیہ میری بیٹی ہے، میں اس کے لئے
 جس شخص کا بھی انتخاب کروں گی وہی اس کی زندگی میں شامل ہوگا۔ انڈر اسٹینڈ!“ ماما ان پر

”کم آن کیری! تم ہر ایونٹ کو اسی طرح برباد مت کیا کرو۔“ آرنلڈ نے قدرے خفگی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”سوری آرنلڈ! لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا، ہاں! اگر تم لوگ سیلبرٹ کرنا چاہتے ہو تو ضرور کرو۔“ وہ قطعی انداز میں کہتا ہوا صوفے پر جا بیٹھا۔

”اوکے! اب اگر تم نے ہمارا دیا ہوا گفٹ وصول نہیں کیا تو پھر یہ دوستی ختم سمجھو۔“ آرنلڈ نے دھمکی دی تو وہ تجسس سے اسے دیکھنے لگا۔

ایسا کون سا گفٹ تھا جس کو پریزنٹ کرنے کے لئے وہ اس قدر سیریس ہو رہا تھا۔ وہ سوالیہ نظروں سے اسے نک رہا تھا۔

”لیکن اس گفٹ میں ہم برابر کے شریک ہوں گے، کیوں آرنلڈ!“ آرنلڈ کے دوستوں میں سے ایک معنی خیز انداز میں عجیب سے لہجے میں کہا تو محض انہیں دیکھ کر وہ گیا جبکہ آرنلڈ ایک بھر پور قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

”کم آن کیری!“ آرنلڈ نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا اور اسے لے کر ایک کمرے کی جانب بڑھ گیا جو ڈرائنگ روم کی دائیں جانب کھلتا تھا۔

اور پھر آرنلڈ سمیت کمرے میں موجود اس کے دوستوں نے زوردار تالیوں میں دروازہ کھولنے کا سگنل دیا اور اسے ایک دم اندر کی جانب دھکیل دیا۔

اس کے بالکل سامنے کمرے میں عین وسط میں چیئر پر ایک سولہ سترہ سال کی لڑکی رسیوں میں جکڑی ہر اس اسی بیٹھی تھی۔ اس کی آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اسی پر مرکوز تھیں۔ اس نے ناگہمی کے عالم میں پہلے اس لڑکی کو اور پھر آرنلڈ کی جانب دیکھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسا گفٹ ہے لیکن آرنلڈ کی آنکھوں میں اترتی خباثت کو دیکھ کر اس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اسے کمرے سے باہر دھکیلا اور دروازہ لاک کر کے اس لڑکی کی جانب بڑھ گیا۔

اس کی برستی آنکھیں اس کی مجبوری اور لاچارگی کو ظاہر کر رہی تھی۔ وہ زمین پر گھٹنوں کے بل اس کے بالکل سامنے بیٹھ گیا اور اس کے ہاتھ کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ وہ بدک کر چیئر کی پشت سے جا نکل گئی۔

مذہب ایڈاپٹ کر لو تا کہ سوسائٹی میں تمہیں مزید کوریج مل سکے۔“ وہ اپنی بات مکمل کر کے آگے کی جانب بڑھ گئے تو وہ ان کے الفاظ میں گم عجیب سی کیفیت میں گھرا ان کی پشت کو ہلکا رہا۔ اس نے پھر ایک نظر پارٹی ہال میں موجود لوگوں پر ڈالی جہاں ہر شخص کسی نہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا تھا لیکن کوئی بھی شخص اپنے رویے اور ظاہری حالت سے کسی مذہب کا سچا پیروکار نہیں لگتا تھا۔

ان کا ہر عمل اور ہر فعل ان کی اپنی مرضی کے مطابق تھا۔ ان کی صبح اور ان کی رات ان کی مرضی کے تابع تھی تو مذہب کہاں تھا؟ محض ان رسومات میں جو وقتاً فوقتاً منائی جاتی تھیں۔

”کیا مذہب وہ نہیں ہوتا جس کے مطابق ہم اپنی ساری زندگی گزار دیتے ہیں؟“ اس نے خود سے سوال کیا۔

”کیا دنیا میں ایسا کوئی مذہب ہے جو ہمارے اندر اور باہر کو بدل کر رکھ دے؟“

وہ اپنے خیالوں میں گم گیٹ کر اس کر گیا۔ ہر اٹھتے قدم کے ساتھ اس کی سوچیں مزید گہری ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ دوبارہ اسی کنڈیشن میں چلا گیا تھا جس سے وہ بارہا بچنے کی کوشش کرتا آتا تھا۔ اپنی سوچوں میں غلطاں وہ آرنلڈ کے گھر پہنچ گیا جہاں وہ انوائٹڈ تھا۔

”کانگریجویشنز کیری!“ آرنلڈ اس سے مصافحہ کرتے ہوئے خوشی سے بولا۔

”تھینکس یار!“ اتنا کہہ کر وہ آرنلڈ کے ان دوستوں کی جانب مصافحے کے لئے بڑھ گیا جنہیں آرنلڈ نے انوائٹ کیا ہوا تھا۔

”آج تمہاری اتنی بڑی کامیابی کو سیلبرٹ کرنے کے لئے میں نے خاص طور پر اپنے ان دوستوں کو انوائٹ کیا ہے کیری!“ آرنلڈ نے اس کے کانڈھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے صوفے میں دھنسنے اپنے دوستوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ ایک بار پھر تھینکس کہنے لگا۔

”کم آن یار! آج ذرا زبردست قسم کی سیلبریشن ہونی چاہئے۔“ آرنلڈ اسے لے کر کمرے کی ایک سائینڈ پر بنے ڈرنک کارز کی جانب چل پڑا تو وہ اس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر پیچھے کی طرف ہٹ گیا۔

”تمہیں پتہ ہے آرنلڈ! میں۔۔۔“

”آپ مجھے یہاں سے نکال دیں گے ناں!“ اس نے ایک آس سے پوچھا۔
 ”نہیں! صرف یہاں سے نہیں نکالوں گا بلکہ بحفاظت تمہیں تمہارے گھر چھوڑ کر آؤں گا۔“ وہ اُٹھتے ہوئے بولا تو وہ بھی اپنے سر پر اسکارف کو اچھی طرح لپیٹ کر اس کے پیچھے چل دی۔

پورے کمرے میں دائن کی ناگواری بو پھیلی ہوئی تھی۔ آرئلڈ اور اس کے دوست ہوٹل و خرد سے بیگانہ زمین پر بے ترتیبی سے ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے۔ وہ فوراً یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اس نے اسے آگے کیا اور دروازے لاک کر کے گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔
 آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ اس کے گھر کے سامنے تھا۔
 ”ہینا!“ پینتیس چھتیس سال کی ایک نفیس خاتون فوراً اس کی گاڑی کی جانب دوڑ پڑیں تھیں۔

”ہینا! کہاں تھیں تم؟ ہم کب سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ تمہارے دادا ابو تمہارے لئے کس قدر متفکر تھے شاید تمہیں اندازہ نہیں ہے۔“
 اسے خود سے لگائے وہ آنسوؤں سے لبریز لہجے میں بول رہی تھیں۔ جبکہ وہ ان کی زبان سے واقف نہ ہونے کے باعث خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔
 ”یہ کون ہے؟“ انہوں نے اسے شاید اب دیکھا تھا تب ہی فوراً پوچھ لیا۔
 ”امی! یہ.....“ وہ اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اس کا تعارف کرانے لگی تھی مگر اچانک یاد آنے پر کہ وہ تو اس کا نام بھی نہیں جانتی، فوراً زک گئی۔
 جبکہ وہ موجودہ صورت حال کا اندازہ لگا کر خود ہی اپنا تعارف کرانے لگا۔
 ”جی! میں کیری ہوں۔“

عینانے کھڑے کھڑے اپنے ساتھ ہونے والے حادثے کے بارے میں انہیں سب کچھ بتا دیا تو وہ بے اختیار اس کی جانب بڑھ گئیں اور اس کی پیشانی چومنے لگیں۔
 ”خدا تمہیں سلامت رکھے بیٹا! تم دونوں جہان میں امان پاؤ۔“ وہ مسلسل آنسو بہاتے ہوئے اسے دُعا میں دے رہی تھیں۔ وہ ان کی زبان نہ سمجھتے ہوئے بھی سب کچھ سمجھ گیا تھا اور محبت کے اس لمس کو پہلی بار محسوس کر رہا تھا۔

”ریلیکس!“ وہ اس کے دائیں ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر بولا تو وہ چیخ پڑی۔
 ”نو..... نو ڈونٹ نیچ! پلیز!“ وہ اب بری طرح رو رہی تھی۔
 ”ریلیکس سسر! ریلیکس!“ وہ نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا تو وہ بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔
 وہ یقیناً برٹش ہی تھا لیکن اس کی آنکھوں میں وہ ہوس نہیں تھی جو اکثر یہاں کے نوجوانوں کی نظروں میں پائی جاتی تھی۔
 اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے چھائی دُھند میں اس کا تفصیلی جائزہ لیا اور اس کے الفاظ پر اعتبار کرنے لگی۔ شاید اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔
 جبکہ وہ اب اس کے بازوؤں کو رستی سے آزاد کرنے میں مصروف تھا۔
 ”تم بہت اچھی فیل کی لگتی ہو پھر.....“
 ”نہیں! میں..... میں یہاں اپنی مرضی سے نہیں آئی۔ یہ لوگ مجھے زبردستی یہاں لے کر آئے ہیں۔“ اس نے چہرے پر آئے آنسوؤں کو ایک ہتھیلی سے صاف کرتے ہوئے کہا۔
 ”میں..... میں مسلمان ہوں اور میں مکر بھی ایسا نہیں سوچ سکتی۔ آپ..... آپ پلیز! مجھے چھوڑ دیجئے!“ وہ اچانک اس کے آگے اپنے بندھے ہاتھوں کو جوڑتے ہوئے بولی تو اس نے اس کے ہاتھوں کو کھولنا چاہا لیکن اس کے ایسا کرنے سے پہلے اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی گود میں چھپائے۔
 ”میں مسلمان ہوں اور مجھے..... مجھے یہ زیب نہیں دیتا کہ کوئی نامحرم مجھے ہاتھ لگائے۔“
 وہ نوٹی پھوٹی انگلش بول رہی تھی لیکن وہ اس کا مطلب بخوبی سمجھ گیا تھا۔
 ”میں تمہیں آزاد کرنا چاہتا ہوں اور تم..... تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔“ اس نے نرمی سے کہا تو وہ شرمندہ سی اسے دیکھنے لگی۔
 جبکہ وہ اس کے ہاتھ کھولتے ہوئے بولا۔
 ”میرے ساتھ چلو گی؟“
 وہ ایک بار پھر بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔
 ”اگر اعتبار کرتی ہو تو.....“ اس نے اس کی آنکھوں میں بے یقینی کا عنصر دیکھ لیا تھا۔

سے کی گئی اس کمرے کی عبادت ایک الگ منظر پیش کر رہی تھی۔ کمرے کے دائیں جانب زمین پر کچھ چٹائی پر ساتھ بیسٹھ سال کا ایک بزرگ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے۔ انہیں یوں خضوع و خشوع سے عبادت میں مشغول پا کر اسے ڈسرب کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

تب ہی بالکل اچانک اس کی نظر بائیں جانب دیوار پر لٹکی ایک تصویر پر جا پڑی جو ایک نفیس سے گولڈن فریم میں مقید تھی۔ وہ مقناطیسی قوت کے زیر اثر اس کے بالکل سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس نے یہ منظر یہ جگہ اور یہ لوگ پہچاننے میں قطعی دیر نہ لگائی۔

روشنیوں اور نور سے جگمگاتی یہ جگہ اسے بالکل نئی نہیں لگی تھی۔ لیکن وہ ایسی تصویر زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا تھا پھر..... پھر اس نے خواب میں یہ منظر کیسے دیکھ لیا تھا؟ اچانک اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمک اٹھیں۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنی سانسوں کے شور کو بہت مدہم سا ہوتے سنا اور اپنے کپکپاتے ہاتھوں اور لرزتی انگلیوں سے اس تصویر کو چھونا چاہا تب ہی وہ کسی کی آواز پر ہزبڑا کر رہ گیا۔

”تم کیری ہونا!“ وہ مڑ کر اس کی آواز کی سمت میں دیکھنے لگا۔ جہاں سے آواز آئی تھی مگر سامنے کا منظر دھندلا دھندلا سا تھا۔ کب اس کی آنکھیں بھٹکی تھیں اسے پتہ ہی نہ چلا۔ اس نے فوراً اپنی آنکھوں میں اترتی نمی کو ہاتھ کی پشت سے صاف کیا تو سامنے کا ہر منظر بالکل صاف تھا۔

”ادھر میرے پاس آ جاؤ بیٹا!“ وہ قرآن شریف کو شلیف میں رکھتے ہوئے نرمی سے گویا ہوئے تو وہ میکانیکی انداز میں ان کی طرف بڑھ گیا جواب دوبارہ چٹائی پر بیٹھ چکے تھے۔

”مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ میں ایک ایسے شخص سے مل رہا ہوں جسے عورت کی عزت کا نہ صرف احساس ہے بلکہ وہ اس کی قدر بھی کرتا ہے۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے جس نے تمہیں ایک ایسے گناہ کے مرتکب ہونے سے محفوظ رکھا جس کی سزا یہ ہے کہ خدا روز قیامت اس شخص کی جانب نگاہ بھی نہیں ڈالے گا۔“

”گناہ!“ وہ زیر لب اس لفظ کو دہرانے لگا جس کو وہ پہلی مرتبہ سن رہا تھا اور شاید اس کی آواز ان کے کانوں تک پہنچ گئی تھی تب ہی وہ دوبارہ گویا ہوئے۔

”آؤ بیٹا! اندر آؤ!“ وہ اندر کی جانب جاتے ہوئے بولیں۔

”جی بہت شکریہ! بس میں چلتا ہوں۔“

”پلیز کیری بھائی! رُک جائیے!“ وہ بے اختیار اسے بھائی کہہ گئی تھی جس نے اسے

بہن بنایا تھا۔

وہ اردو میں کہے گئے ان الفاظ کا مطلب سمجھ نہیں پایا تھا لیکن اس کے چہرے پر سوجو تاثرات اس کے الفاظ کا مطلب سمجھا گئے تھے۔ وہ لمحہ ضائع کئے بغیر ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

اندر داخل ہوتے ہی اسے ایک خوشگوار سا احساس ہوا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کافی دیر وہاں بیٹھا رہا۔

وہ ایک پاکستانی فیملی تھی جو کچھ عرصہ قبل لندن میں شفٹ ہوئی تھی۔ عینا کے والد کی بے وفائی نے انہیں بے سہارا کر دیا تھا۔ آنٹی اور وہ خود مختلف اسٹورز پر جاب کرتی تھیں اور اب ان کی پہلی کوشش واپس پاکستان جانے کی تھی مگر فنانشل پر ابلہز کے باعث وہ یہاں رہنے پر مجبور تھیں۔

”ہمارے ساتھ میرے دادا ابو بھی رہتے ہیں لیکن وہ اپنے کمرے سے بہت کم باہر آتے ہیں۔ وہ ہر وقت اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔“ عینا نے چائے کا کپ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بتایا۔

جبکہ وہ اس کے منہ سے ادا ہونے والے لفظ ”اللہ“ کو دوسری بار سن رہا تھا۔ پہلی بار اس نے یہ لفظ اس شخص کے منہ سے سنا تھا۔

”کیری بیٹا! تم سے عینا کے دادا ابو ملنا چاہتے ہیں اگر تمہیں برا نہ لگے تو۔“ آنٹی اندر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

”آئی! مجھے برا کیوں لگے گا؟ بلکہ مجھے بہت خوشی ہوگی ان سے مل کر۔“ وہ سنٹرل ٹیبل پر کپ رکھ کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور آنٹی کے بتانے پر وہ بائیں جانب والے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

یہ چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں بمشکل ایک بید اور صوف سیٹ ہی سا پایا تھا۔ پاکستانی طرز

ہے؟

وہ مسلسل الجھن کا شکار ہو رہا تھا۔ اس نے تھک کر سرونی کی پشت پر ڈال دیا اور ہر سوچ کو ذہن سے جھٹک کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا اور تب تک دم اسے اپنا آخری خواب یاد آیا جس کو دہرا کر وہ خود کو ریلیکس کرتا تھا۔

”جب مجھے یہ خواب ہی اتنی تقویت اتنا سکون پہنچاتا ہے تو..... تو یہ خواب اور وہ تصویر؟ کتنا ملتا ہے میرا خواب اس تصویر سے۔ وہی سفید کپڑوں میں ملبوس پرنور چہرے، وہی ماحول، وہی فضا۔“ ایک دم وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا سا محسوس کرنے لگا۔

”کوئی تو وجہ تھی اس خواب کی۔“ اس نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر ایک فیصلہ کر کے مطمئن ہو گیا۔



”ہاں بیٹا! گناہ ایک ایسا کام ہے جسے لوگ ہوس اور عیش پسندی کی خاطر اسے اپنا لیتے ہیں۔“ وہ بغور ان کی بات سن رہا تھا۔

”تم..... تم کچن ہو بیٹا؟“ وہ اس کے نام سے اندازہ لگاتے ہوئے بولے۔

”جی میں..... میں.....“ اس سے آگے اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

وہ انہیں کیا بتاتا کہ وہ تو خود نہیں جانتا کہ وہ کون ہے؟

تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے اٹھا اور دوبارہ آنے کا وعدہ کرتے ہوئے گھر کی طرف چل پڑا۔

جس کیفیت میں وہ گھر سے نکلا تھا اس وقت بھی اسی کیفیت میں مبتلا گھر پہنچ گیا تھا۔

اپنے کمرے میں سائیزمیل پر رکھا سرخ گلابوں کا بکے اور گولڈن ریپر میں لپٹے گفٹ کو وہ قطعی طور پر نظر انداز کر گیا تھا۔ حالانکہ اسی گفٹ کا اسے صبح سے بے چینی سے انتظار تھا۔ سیدہ آج کل اپنی ماما کے ساتھ بزنس کے سلسلے میں فرانس گئی ہوئی تھی۔ جبکہ وہ اس کی کامیابی پر پہلے ہی وٹس کر چکا تھا۔

لیکن اب اسے کوئی غرض نہیں تھی کہ اس نے اسے کتنی فون کالز کیں اور گفٹ میں کیا بھیجا تھا؟ وہ خود سے الجھا الجھا سائیزمیل میں جا کھڑا ہوا اور اپنے اندر پیدا ہونے والے سناٹے کو چاروں طرف پھیلی خاموشی کے ساتھ جوڑنے لگا۔ مگر اس کے اندر اس قدر گہرا سکوت چھایا ہوا تھا کہ یکدم اسے خود سے خوف سا آنے لگا تھا۔

وہ فوراً ٹیرس سے ہٹ گیا اور ٹی وی آن کر کے اس کے شور میں خود کو گم کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر یہ محض اس کی خام خیالی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ جھنجھلا کر اٹھ کھڑا ہوا اور ریوٹ کو صوفے پر بیٹھ دیا۔ اسے اپنی شناخت، اپنی پہچان کا خود علم نہیں تھا۔ کیسا شخص تھا وہ جو خود اپنے آپ سے لاعلم تھا، اپنی پہچان سے غافل تھا۔ وہ اپنے اندر کے اضطراب کو اگر کم کرنا چاہتا تو وہ بہت پہلے کوئی مذہب ایڈاپٹ کر چکا ہوتا لیکن وہ جانتا تھا کہ ایسا کرنے سے اس کی بے قراری میں مزید اضافہ ہو جاتا کیونکہ اب تک اس کا دل اور دماغ اتنے خداؤں میں سے کسی کو بھی خدا ماننے کو تیار نہیں تھا۔ لیکن اب..... اب وہ اپنے بارے میں جانتا چاہتا تھا۔ وہ جانتا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے اور کیا

”لیکن میرا خیال ہے کہ یہ تمہارا مذہب نہیں ہے اور نہ ہی تم اس سے کسی بھی طرح سے منسلک ہو۔“ وہ جراح پر اتر آئی۔

”یہ واقعی میرا مذہب نہیں ہے سیدو! لیکن..... لیکن کیا تم نہیں جانتی کہ زین مجھ سے کتنی محبت کرتا تھا لیکن محض اس لئے اس نے مجھ سے شادی سے انکار کر دیا تھا کہ وہ مسلمان اور میں عیسائی ہوں۔“ کیتھرین نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

”تو اب تم چاہتی ہو کہ میں کیری سے شادی سے انکار کر دوں؟“ اس نے عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا سیدو! میں صرف اپنے تجربے کی بناء پر کہہ رہی تھی۔ خیر! یو دس ٹاپک ناؤ۔“ اس نے بات ختم کر کے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کس قدر خوش نصیب تھی وہ کہ بغیر کسی رکاوٹ کے اس کا من پسند شخص اس کا ہم سفر بننے جا رہا تھا اور یہ سب صرف ماما کی وجہ سے ہوا تھا جنہوں نے اس کی خواہش کو اس کا مقدر بنادیا تھا۔ وہ جتنا اپنی قسمت پر نازاں ہوتی کم تھا۔



وہ کئی دنوں سے اپنے اندر ایک عجیب بے معنی اور بے کلی سی محسوس کر رہا تھا۔ کسی بھی چیز میں اسے دلچسپی کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے اضطراب کی حد یہ تھی کہ وہ اپنے آپ سے بھی شدید الجھن محسوس کر رہا تھا۔

کوفت اور اکتاہٹ کے عالم میں وہ نڈھال نڈھال سا چیئر پر گر سا گیا اور اپنی کیفیت کا بغور جائزہ لینے لگا لیکن وہ سمجھ ہی نہیں پایا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

اس کے پاس دنیا کی ہر شے موجود تھی۔ وہ ایک کامیاب بزنس مین بن چکا تھا۔ سوسائٹی میں اسے ایک خاص مقام حاصل تھا مگر ان سب کے باوجود وہ دلی طور پر مطمئن نہیں تھا یا شاید وہ بھی ان نوجوانوں میں سے ایک تھا جو اس قدر ذہنی انتشار کا شکار ہوتے ہیں کہ نہ دوسروں کو کوئی زک پہنچانے سے گریز کرتے ہیں اور نہ خود کو۔ وہ یک دم ہڑبڑا کر رہ گیا۔

کیا اس میں بھی ایسی کوئی کمی تھی جس کے باعث وہ نہ ختم ہونے والے اضطراب میں مبتلا ہو رہا تھا؟

”آج کل تم کچھ زیادہ ہی مصروف نہیں ہو گئی ہو سیدو!“ کیتھرین نے کافی کا ایک سپ لیٹے ہوئے اس سے پوچھا۔

”کیا کروں؟ ناٹم ہی نہیں ملتا۔ سارا دن آفس میں گزارنے کے بعد صرف گھر جانے کو ہی دل چاہتا ہے۔“

وہ دونوں آج کئی دنوں کے بعد اکٹھی ہوئی تھیں مگر نہ ماما کی بزنس میں ہیلپ کرتے ہوئے وہ اپنی تمام فرینڈز کو بھلا بیٹھی تھی۔

”سیدو! ایک بات تو بتاؤ!“ کیتھرین نے کہا۔

”ہوں! پوچھو!“ اس نے کہا۔

”میں نے سنا ہے کہ مسلمان کرپین سے شادی نہیں کر سکتے جبکہ.....“

”دن منٹ کیتھرین!“ وہ جلدی سے اس کی بات کاٹ کر بولی۔

”تمہیں مسلمانوں کے بارے میں اتنی انفارمیشن کہاں سے ملتی ہیں؟ میں بھی تو مسلمان ہوں لیکن مجھے ان سب چیزوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے تو پھر تم کیوں اس قدر حساس ہوتی ہو اس بارے میں؟“

”میرا خیال ہے سیدو! کہ ہر شخص کو اپنے مذہب کے بارے میں ایسے ہی حساس ہونا

چاہئے۔“ وہ تکیے انداز میں بولی۔

ہے جس سے میرا مذہب منع فرماتا ہے۔ تم کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے اور میرا اللہ اس چیز کو پسند فرماتا ہے۔“

وہ دیر دیر بول رہے تھے جبکہ وہ بغور ان کی باتیں سن رہا تھا۔

”میں نے تمہارے خوابوں کے بارے میں بہت سوچا ہے اور میں ایک نتیجہ اخذ کر پایا ہوں کہ اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔ وہ تمہیں ان راستوں پر چلتے دیکھنا چاہتا ہے جنہیں وہ پسند فرماتا ہے۔“

جس صحرا میں تم نے خود کو بھٹکتے دیکھا تھا، وہ صحرا یہ دنیا ہے بیٹا! جہاں ہر شخص اپنے اپنے حصے کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے مگر کسی بھی ٹھوک پر وہ خود کو سنبھالنے کی نہ کوشش کرتا ہے اور نہ دعا۔ ان سب کے باوجود اللہ انسان پر اپنی رحمت کئے ہوئے ہے اور اس کی یہ رحمت اسی ٹھنڈے اور شفاف پانی کے حوض کی مانند ہے جو تم نے اس صحرا میں دیکھا تھا، جو ہم سے دور ضرور ہے مگر ادھل نہیں۔ تم سے بھی اس کی رحمت دور نہیں ہے بیٹا! بس تمہیں خود کو پہچانا ہے۔ اپنے بارے میں آگہی حاصل کرنی ہے۔

تمہارا دوسرا خواب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ انسان گناہوں کی دلدل میں پھنستا چلا جا رہا ہے اور اسے احساس تک نہیں ہے۔ لیکن تم نے خود کو پورا دھستے ہوئے نہیں پایا تو مطلب تم اس چیز کے خواہش مند ہو کہ تم اس دلدل سے باہر نکل آؤ اور یقیناً ہر شخص کی ہی خواہش ہوگی کہ وہ کسی بھی دلدل میں نہ دھنس پائے لیکن وہ یہ سمجھ ہی نہیں پاتا کہ اسے اس دلدل سے کیسے نکلتا ہے؟ لہذا وہ خود کو ڈھیلا جھوڑ دیتا ہے اور یوں موت کے آنے سے پہلے ہی خود کو موت کے حوالے کر دیتا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے اس کے اندر اس دلدل سے نکلنے کی لگن پیدا کر دیتا ہے اور تمہارے اندر وہ جستجو ہے بیٹا! تم نکل سکتے ہو اس گناہوں سے بھری دلدل سے۔“

”لیکن انکل! میں.....“ وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”مجھے نہیں لگتا کہ میں نے کبھی کوئی گناہ کیا ہو۔“

”اس کی وحدانیت سے منکر ہونا، اس کی ذات کی موجودگی کا اعتراف نہ کرنا..... کیا اس سے بھی بڑا کوئی گناہ ہو سکتا ہے؟“ وہ نرمی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔ جبکہ وہ

”نہیں! میں..... میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔“ وہ تشویش کے عالم میں خود سے

مخاطب ہوا۔

”میں..... میں بھی جانسن کی طرح محسوس کرنے لگا ہوں، ہر شے سے کوفت اور ہر شخص سے بیزاری۔“ اس کی ذہنی رو بھٹک رہی تھی۔

تب ہی اچانک وہ اٹھا اور کچھ عرصہ پہلے جو فیصلہ کیا تھا اس پر عمل کرنے کے لئے خود کو تیار کرتا ہوا گھر سے نکل پڑا۔

”آئیے کیری بھائی!“ عینا اسے دادا ابو کے کمرے میں لے گئی جن کے بارے میں اس نے آتے ہی پوچھا تھا۔

”انکل! میں خود کو بہت..... بہت مضطرب محسوس کرتا ہوں۔ میرا اندر بالکل خالی خالی سا لگتا ہے۔“ وہ انہیں اپنی کیفیت اور اپنے تمام خوابوں کے بارے میں تفصیل سے بتاتے ہوئے آزر دگی سے گویا ہوا۔

”میں کچھ عرصے سے ایک عجیب سی الجھن میں گھرا ہوا ہوں۔ میں نے کوئی بھی مذہب ایذا پہنچانے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا، لیکن..... لیکن جب سے میں نے وہ آخری خواب اور یہ.....“ اس نے دیوار پر لگے اس فریم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”یہ تصویر دیکھی ہے میں کچھ عجیب سا محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ کچھ ہے جو..... جو میرے اندر کی اس بے چینی اور نہ معلوم ہونے والی کی کو ختم کر سکتی ہے انکل!“ وہ بات کرتے کرتے اچانک ان کی طرف دیکھ کر گویا ہوا۔

”میں اس جگہ جانا چاہتا ہوں۔ میں جب جب اس جگہ سے متعلق وہ خواب سوچتا ہوں مجھے لمانیت کا بھرپور احساس ہوتا ہے۔ پلیز انکل! آپ..... آپ مجھے یہاں لے جائیں۔“ اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔

جبکہ وہ انتہائی انہماک سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ اس کی باتوں میں کوئی بناوٹ نظر نہیں آ رہی تھی بلکہ کچھ پالینے کی لگن اس کے چہرے پر واضح تھی۔

”بیٹا! مجھے یہ جان کر واقعی بہت خوش ہوئی ہے کہ تمہارے خیالات یہاں پر موجود ایک مامذہب جو ان سے بالکل مختلف ہیں۔ تم کسی غلط راستے پر نہیں ہو۔ ہر اس شے سے تمہیں نفرت

سرگوشیوں میں مصروف تھے۔ وہ بھی اس نجوم کا ایک حصہ بن گیا تھا۔ اچانک ایک شخص اس کے ساتھ کھڑے عمر رسیدہ شخص کی طرف بڑھ کر بولا۔

”سر! سمجھ ہی نہیں آ رہا کہ یہ شخص کون تھا؟ اس کے گلے میں مختلف مذاہب سے متعلق لاکس پڑے ہیں، اب آپ ہی بتائے کہ اس کے مردہ جسم کو دفنایا جائے، جلایا جائے یا پھر کسی صحرا میں پھینک دیا جائے؟“ اس کی بات پر وہ متوحش نظروں سے اس شخص کی لاش کی طرف دیکھنے لگا جو لادارٹوں کی طرح زمین پر پڑی تھی۔

وہ پینتیس چالیس سالہ ایک آدمی تھا۔ اس کی حالت انتہائی خستہ تھی جبکہ اس کے کپلے گریبان سے جھانکتی تین چار زنجیروں میں جکڑے سنہری لاکس مقید تھے جنہیں دیکھ کر اس کا سر چمکا کر رہ گیا۔

وہ فوراً اس نجوم سے باہر نکل آیا۔

اب لوگ اس لاش کے ساتھ کیا کرتے ہیں؟ وہ بے خبر تھا اور شاید جاننا بھی نہیں چاہتا تھا۔

”کیا ایک شخص کی زندگی میں مذہب اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ“ وہ چکراتے سر سے سوچنے لگا۔

”کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کی اہمیت برقرار رہتی ہے۔“

وہ تھکے تھکے قدموں سے واپس مڑ گیا۔ اس شخص کے گلے میں پڑی زنجیریں دوسروں کو کوفت میں جٹا کر رہی تھیں کہ نہ جانے وہ کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے لیکن وہ وہ تو کسی بھی مذہب کا پیروکار نہیں ہے اور اگر وہ بھی یونہی سر راہ۔

”نہیں!“ وہ زیر لب بڑبڑایا۔ اس کی سوچ اس کے لیوں پر آ کر ٹھہری گئی تھی۔ اس سے آگے وہ مزید کچھ نہ سوچ سکا۔ اس کا ذہن بری طرح منتشر ہو رہا تھا۔ اسے اپنی کنپئیاں درد کے باعث پھنتی سی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا لیکن گھر آ کر بھی اس کی وہی حالت تھی۔ وہ پھولی پھولی سانسوں سمیت اپنے بستر میں گھس گیا۔ تھوڑی دیر پہلے اس کا جسم پسینے سے تر تھا لیکن اب اس کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے حالانکہ آج موسم زیادہ سرد

الٹیے اُلٹیے سے انداز میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”جس پر نور جگہ کو تم نے خواب میں دیکھا تھا، اس کے ذریعے اس نے تمہیں خود سے قریب کر دیا ہے بیٹا!“ وہ ایک لمحہ کے لئے رُکے پھر دوبارہ گویا ہوئے۔

”وہ ہر کسی کو اپنے لئے بے قرار نہیں کرتا اور نہ ہی ہر ایک کو وہ اپنی طرف بلاتا ہے اور تم تم کس قدر خوش نصیب ہو کہ ایک غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی اس نے تمہیں اس مقدس جگہ کی جھلک دکھا دی۔ اصل میں وہ تمہیں اپنی طرف بلا رہا ہے بیٹا!“ وہ حیرت سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا جبکہ اس کا ذہن خود بخود اس اجنبی شخص کے کہے الفاظ کی جانب چلا گیا۔

”اپنی روح میں سرائیت کر جانے والی آوازوں کو سن! سن! وہ تجھے بلا رہا ہے اپنی طرف، جا! جا! اس کی سن! وہ جو سچا ہے اس کی سن! سن لے اس کی۔ وہ ہر ایک کو نہیں بلاتا، وہ ہر ایک کو اپنی محبت میں کہاں جٹا کرتا ہے؟“

اچانک اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ اس کے ہاتھوں میں بھی واضح کپکپاہٹ تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن مزید تیز ہو رہی تھی۔

”اور تمہارا خواب سن کر لگتا ہے کہ تم وہاں جانا چاہتے ہو اور اگر تمہیں کوئی رد کرتا ہے تو وہ تمہارا مسلمان نہ ہوتا ہے۔“

ان کی یہ بات سن کر تو اس کے ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے تھے۔ وہ خود اپنی کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کرتا رہا اور جب خود کو اس کوشش میں ناکام پایا تو تیزی سے باہر نکل گیا۔

وہ تیز تیز چلتی سانسوں کو بحال کرنے کی سعی کرنے لگا۔ اسے شدید محنت کا احساس ہو رہا تھا۔ مختلف سوچیں اس کا گھیراؤ کئے ہوئے تھیں۔

یونہی چلتے چلتے وہ شہر کی حدود کو اس کر گیا تھا۔ جہاں چھوٹے چھوٹے مکانات کئی گز کے فاصلے پر واقع تھے۔

تب ہی اس نے اپنے دائیں طرف کچھ لوگوں کا ایک ہجوم دیکھا جو ایک دائرے کی شکل میں تھا۔

وہ غیر ارادی طور پر اس طرف بڑھ گیا جہاں اب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ

وہ بری طرح رو رہا تھا، تڑپ رہا تھا۔ آج پہلی بار اس نے اپنے اندر کسی ذات کے ہونے کو محسوس کیا تھا۔ آج پہلی بار اس نے اپنے چہرے پر آنسوؤں کی نمی کو محسوس کیا تھا۔ آج..... آج پہلی بار اس کے ہاتھ دعا کے لئے کسی کے آگے اٹھ رہے تھے۔ اس نے ایک ذہن دلی سی نظر اپنے ہاتھوں پر ڈالی جو بری طرح کانپ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے گرتے آنسو اس کی ہتھیلیوں میں جمع ہو رہے تھے۔

اچانک وہ ہاتھوں میں چہرہ چمپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ کافی دیر رونے کے بعد اس نے اپنے چہرے پر پھیلے آنسوؤں کو صاف کیا۔ حیرت انگیز طور پر وہ خود کو ریلیکس محسوس کر رہا تھا۔

اب وہ خود کو پہلے کی طرح مضطرب محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اس نے دیر سے دیر سے آنکھیں بند کیں اور خود کو ہر تکلیف سے بری محسوس کرنے لگا۔

♦ ♦ ♦

”کچھ پتہ چلا کہاں ہے وہ؟“

وہ اوندھے منہ بیڈ پر لیٹی تھی جب ماما نے اچانک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تو ایک بار پھر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

”نوماما!“ وہ سیدھے ہوتے ہوئے نظریں جھکائے بمشکل اتنا ہی کہہ پائی۔

”کیا پرابلم ہے سیدھا!“ وہ صوفے پر بیٹھے ہوئے سخت لہجے میں بولیں۔

”مجھے کبھی ایسا نہیں لگا کہ کیری ایسا بھی کر سکتا ہے، نہ صرف ہمارے ساتھ بلکہ..... بلکہ اپنے گھر والوں کو بھی پریشانی میں مبتلا کر دے گا۔ دو ماہ ہو چکے ہیں اس کا کچھ پتا نہیں۔ میں صرف ایک ہفتہ مزید انتظار کروں گی اور اگر وہ نہ آیا تو رسل بھی کوئی برا لڑکا نہیں ہے۔“ وہ اپنے اٹل انداز میں بولیں۔

ان کی آخری بات پر وہ ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی، جواب دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

”ماما! میں..... میں کیری سے محبت کرتی ہوں۔“

”ہاں تو میں نے تمہیں اس سے محبت کرنے سے کبھی منع بھی نہیں کیا۔ لیکن تہباری محبت

نہیں تھا مگر اس کا پورا وجود کپکپا رہا تھا۔ اس پر ایک عجیب سی دہشت طاری ہو رہی تھی۔ اس کا حلق خشک ہو گیا تھا مگر اسے پانی کی طلب تھی نہ خواہش۔ اب اسے اپنے اندر آگ کی بھی جلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

”میرے اندر بڑھنے والی بے قراری کو کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ میرے اندر کیسی آگ سلگ رہی ہے؟ جو مجھے نہ پوری طرح جلنے دیتی ہے اور نہ ہی بجھتی ہے۔“

اس کا ذہن ایک بار پھر اس اجنبی شخص کے لفظوں میں گم ہو رہا تھا۔

”جس دن تجھے اس کے ہونے کا احساس ہو گیا، اس دن تو اپنے اندر اسے محسوس کر لے گا۔ اپنی سوچوں میں، اپنے لفظوں میں، اپنے دل کی ہر دھڑکن میں، اپنی انگلیوں کی ہر حرکت میں، اپنی پلکیں جھپکنے کے ہر عمل میں، اپنی ہر کھلتی اور بند ہوتی آنکھ میں۔ بات صرف محسوس کرنے کی ہے اور اللہ..... اللہ تو صرف ایک احساس ہے، ایک خوبصورت سا احساس۔“

”ہاں..... ہاں! خدا ہے، خدا ہے۔“ وہ کپکپاتے ہونٹوں سے بے اختیار بڑبڑایا۔

اس کا پورا جسم پسینے میں تر ہو گیا تھا۔ اس نے سینے تک لئے کبل کو اتار پھینکا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اس کا سانس سینے میں ہی کہیں اٹک رہا تھا۔ ایک ہاتھ کی پشت سے اس نے ماتھے پر آتے پسینے کو صاف کیا اور خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

”تیرا ایک انسان ہونا ہی کافی نہیں ہے، اصل میں تیرا بندہ ہونا ضروری ہے جو صرف اس کی بندگی کرتا ہو اور تو..... تو اس دن بندہ بنے گا جس دن تو اسے اپنے اندر محسوس کر کے اس کے ہو جانے کا اقرار کرے گا۔“

”میں..... میں اقرار کرتا ہوں کہ تو ہے۔“ وہ اپنے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نم آنکھوں سے بولا۔

”تو ہے میری ہر سانس میں، میں محسوس کر سکتا ہوں تجھے۔ اے اللہ! میں تجھے اپنے اندر کہیں محسوس کر رہا ہوں۔“ وہ بلک رہا تھا۔

”تو ہی ہے جو مجھے اس اذیت سے نجات دے سکتا ہے۔ میرے اندر بڑھنے والی اس بے چینی کو ختم کر دے اے اللہ!“

”کیری! میں نے تمہیں ہر جگہ ڈھونڈا لیکن تم.....“ اتنا کہہ کر ایک باد پھر اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

”تم پتہ نہیں کہاں کھو گئے تھے؟“ اس کی اس بات پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

”میں خود کو تلاش کر رہا تھا سیدہ! اور خود کو ڈھونڈنا کس قدر مشکل ہے؟ مجھے..... مجھے اب معلوم ہوا ہے۔“

وہ تاسف کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔ جبکہ وہ نہ جانے کس کیفیت کے زیر اثر بولتا جا رہا تھا۔

”میں خود کو اس دنیا میں اس قدر گم کر چکا تھا سیدہ! کہ مجھے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ خدا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کہاں ہے؟ اور جب مجھے احساس ہوا کہ خدا ہے تو وہیں میں نے خود کو محض ایک حقیر ذرے کی مانند سمجھا۔“

”کیری! مجھے تمہاری باتیں سمجھ نہیں آ رہی ہیں۔“ وہ اتنی معصومیت سے گویا ہوئی کہ وہ محض مسکرا کر رہ گیا۔

”میرا نام ”محمد امان“ ہے سیدہ! اور میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اب صرف اسی نام سے پکارو۔“ وہ اس کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

”تم نے اپنا نام بھی چھینج کر لیا کیری!“ اسے حیرت کا شدید جھٹکا سا لگا تھا۔ جبکہ اس کی بات پر وہ کھل کر مسکرا دیا۔

”نام بھی سے کیا مراد ہے سیدہ! میری تو پوری زندگی بدل گئی ہے۔ لیکن شاید تم کبھی نہیں سمجھ سکو گی۔“ وہ سر کوئی میں جنبش دیتے ہوئے بولا۔

”میں نے مذہب اسلام کو اپنا لیا ہے سیدہ! اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ میری اصل زندگی تو اب شروع ہوئی ہے۔“ یہ سب کہتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک عجیب سی روشنی تھی۔

”کیری! مجھے..... اودہ سوری! امان! مجھے تمہاری باتیں بالکل سمجھ نہیں آ رہیں۔“ وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

”اٹس اوکے! چلو کہیں اور چلتے ہیں۔“ وہ بیچ پر سے اٹھتے ہوئے بولا۔

کی خاطر میں رسل کو مایوس نہیں کر سکتی۔“ ماما بے رحمی سے کہہ کر جا چکی تھیں۔

جبکہ وہ..... وہ ان کے الفاظ پر سی ہو کر رہ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ اُنھی اور کپڑے پہنچ کر کے چرچ کی جانب چل پڑی۔

”اودہ گاڈ! پلیز..... پلیز! ہیلپ می!“ وہ دونوں ہاتھوں کو دُعا کی انداز میں آپس میں ملائے روتے ہوئے بول رہی تھی۔

”کیری جہاں کہیں بھی ہے مجھے اس تک پہنچا دو۔“ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔ کچھ دیر بعد وہ چرچ سے باہر نکل آئی۔ اس کے ہلتے ہونٹ صرف ایک ہی تکرار کر رہے تھے۔

”گاڈ! پلیز ہیلپ می!“

ہوا میں خنکی بڑھ جانے کے باعث اسے شدید سردی کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کافی شاپ کی طرف بڑھ رہی تھی، جب ہی اس نے اپنی پشت پر ایک مانوس سی آواز سنی۔ وہ فوراً پلٹ کر دیکھنے لگی پھر ایک تشکر آمیز نظر سامنے چرچ کی عمارت پر لگے بورڈ پر ڈالی۔

”سیدہ!“ وہ اس کے کافی قریب آ چکا تھا۔

”کیسی ہو سیدہ!“ وہ اس کی نم آنکھوں کو اپنی نظروں میں سموتے ہوئے بولا۔

”کیری!“ بے اختیار اس کی آنکھیں پھلک پڑی تھیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ ہی نہیں پاری تھی۔ بھر وہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو پڑی۔

جبکہ وہ اسے اس طرح روتے دیکھ کر یاسیت میں گھر گیا۔

”بٹھو سیدہ!“ وہ قریبی پارک کے ایک بیچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

اس کے بیٹھ جانے کے بعد وہ خود اس کے سامنے والے خالی بیچ پر بیٹھ گیا تو وہ بغور اس کا جائزہ لینے لگی۔ جس کے ہر ہر انداز میں کچھ تبدیلی واضح تھی۔ اس کے چہرے پر گھنی سیاہ مونچھیں ایک عجیب سی کشش پیدا کر رہی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی اس کے چہرے پر کوئی چیز تھی جسے وہ کوئی نام نہ دے سکی۔ اس کی اس ظاہری تبدیلی کے علاوہ اس کا اس سے یوں فاصلے پر بیٹھنا اسے تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔

بھر پور احساس دلارہی تھی مگر ان کی اس خوشی کی وجہ کو وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

”اللہ اسے تمہارا نصیب بنا دے، تمہاری پوری زندگی اس کے ساتھ گزرے جس کے قدم اس کے راستے پر اٹھے ہیں بیٹا!“ وہ دوپٹے کے پتوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے گویا ہوئیں اور اسے دُعا میں دیتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

جبکہ وہ ابھی ابھی نظروں سے انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ اسے ان کی ذہنی حالت پر شبہ سا ہو رہا تھا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے وہ اس شخص کے خلاف تھیں اور اب اسی شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کی دُعا میں دے رہی تھیں۔
وہ حیرت سے شانے اچکا کر رہ گئی۔



”کیسے ہو جانسن!“ وہ آج کافی عرصے بعد اس سے ملنے لاک آپ آیا تھا۔

”ٹھیک ہوں! لیکن تم کچھ بھول رہے ہو۔“ اس نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

”کیا؟“ اس نے پوچھا۔

”میرا نام!“ وہ قدرے غلطی سے بولا۔

”اودہ سوری یار! مجھے خیال نہیں رہا۔“ وہ مسکرا دیا اور پھر سنجیدگی سے بولا۔

”کیسے ہو احسن!“

اس کے اس طرح پوچھنے پر کھل کر ہنس پڑا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

”کہاں تھے ہم اور..... کہاں آ گئے ہیں یار!“ احسن کھوئے کھوئے سے انداز میں بولا۔

”لیکن شکر ہے کہ صبح راستے پر آئے ہیں۔“

”ہاں! شکر ہے اللہ کا! میں تم سے کہتا تھا ناں! کہ ایسا کوئی کچھ ہے جو ہمیں ان تمام راستوں پر چلنے سے روک سکتا ہے، جو برائیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ تو وہ اس کی وحدانیت کا اقرار تھا احسن! جو ہم کبھی نہیں کر سکے تھے۔“

”ٹھیک کہتے ہو تم!“ احسن نے اس کی تائید کی۔

”آج میں بہت بہت مطمئن ہوں! لیکن ایک خلش سی ہے میرے سینے میں کہ

کاش میں نے..... میں نے اپنے والدین کا.....“ اس سے آگے اس سے بولا نہ گیا اور زار و

تو وہ اٹھ کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

”تم نے بتایا نہیں امان! تم کہاں تھے؟“ اس نے پوچھا۔

”بتایا تو ہے کہ خود کو ڈھونڈ رہا تھا۔“ وہ دیر سے بولا۔

”تم نے مجھے تو کیا اپنے پیرنس کو بھی بتایا کہ تم کہاں ہو اور کس حال میں ہو؟“ اس

نے شکوہ کناں نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میں اس قدر ذہنی خلفشار کا شکار تھا سیدہ! کہ میرے نزدیک کسی رشتے کی کوئی اہمیت

تھی نہ وقعت۔ پچھلے دو ماہ میں جتنا ہوسکا ہے میں نے صرف خود کو سمجھنے اور اس کو جاننے کی

کوشش کی ہے اور اب..... اب میں جان گیا ہوں کہ میری پوری زندگی اس کی دی گئی امانت

ہے اور اپنی زندگی میں اس کی ذات سے انکار کرنا گویا اس کی امانت میں خیانت کرنا ہے۔“

وہ اب بھی تانجی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی باتیں اس کی سمجھ سے بالاتر

تھیں۔

”چلیں!“ وہ اس کی کیفیت کو سمجھ گیا تھا تب ہی چلنے کے لئے کہنے لگا۔

”امان! تم میرے گھر چلو! اما تم سے ملنا چاہتی ہیں۔“

وہ جلد سے جلد اسے ملانا چاہتی تھی تاکہ ماما کوئی دوسرا فیصلہ کرنے کے بارے

میں مزید نہ سوچ سکیں۔

”اوکے!“ اتنا کہہ کر وہ اس کے ساتھ آگے کی جانب بڑھ گیا۔



”سیدہ!“ گرینڈ ماما کی آواز پر وہ مڑ کر انہیں دیکھنے لگی، جو اسی کی جانب بڑھ رہی تھیں۔

”سیدہ! میری جان! میں نے سنا ہے کہ کیری مسلمان ہو گیا ہے۔“ ان کے دیران سے

چہرے پر عجیب سی رونق بکھر رہی تھی۔ اس نے کبھی گرینڈ ماما کو اس قدر خوش اور مطمئن نہیں دیکھا

تھا۔

”جی ہاں!“ اس نے مختصر جواب دیا۔

”میں..... میں جانتی تھی۔ میرا دل کہتا تھا کہ میری سیدہ نہیں بھگ سکتی۔ کوئی ہوگا جو

میری سیدہ کو حقیقی زندگی میں لے آئے گا۔“ ان کے لہجے سے جھلکتی خوشی اسے طمانیت کا

آئیں گے ناں!“ اس نے ایک اُمید سے پوچھا مبادا کہیں وہ انکار نہ کرے۔
”ضرور آؤں گا جینا!“ انہوں نے محبت سے کہا۔

”تھینک یوسر!“

”یہ تم مجھے سر کیوں کہتے ہو؟ میرا نام رحمان ہے اور تم مجھے رحمان انکل کہہ سکتے ہو۔“ وہ اسے محبت سے ڈپنے کے بعد اپنا تعارف دوبارہ کراتے ہوئے بولے۔

”ایک بات بتاؤ امان!“ تھوڑی دیر بعد وہ اچانک اسے مخاطب کرتے ہوئے گویا ہوئے تو وہ سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگا۔

”تمہارا مذہب اسلام قبول کر لینا تمہارے گھر والوں کے لئے یقیناً ایک شاک ہی ہوگا۔“

”نہیں انکل! اصل میں پاپا نے مجھے مکمل آزادی دی تھی کہ میں جو چاہوں مذہب ایڈاپٹ کر لوں۔“ اس نے کہا۔

”الکچر نیلی میں جانا چاہ رہا تھا کہ کیا تمہاری فیملی بھی یہاں کی ان فیملیز میں سے تو نہیں ہے جو اسلام کے بارے میں غلط نظریات رکھتے ہوئے اپنی اولاد کو اس مذہب سے دُور رہنے کی ہدایت دیتی ہے، لیکن مجھے بہت اچھا لگا ہے کہ تم ایسی پسماندہ سوچ رکھنے والے خاندان سے تعلق نہیں رکھتے۔“ ان کی بات پر وہ ہلکا سا مسکرا دیا، پھر بولا۔

”یہ بات نہیں ہے انکل! اصل میں میری فیملی یہاں پر موجود ان فیملیز میں سے ایک ہے جو خود اپنے مذہب کے نام کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی تو وہ دوسرے مذہب کے بارے میں کیسے کچھ جان سکتی ہے؟“ اتنا کہنے کے بعد وہ خاموش ہو گیا اور پھر تھوڑی دیر وہاں رُک کر واپس گھر کی طرف چل پڑا۔



آسمان سے گرتی سفید برف کے ننھے ننھے سے ڈرے درختوں کے سرسبز چٹوں کو بھی سفید کر رہے تھے۔ جونہی ہوا کے نرم نرم جھونکے ان چٹوں پر سرسراتے برف کے سفید ڈرے ہوا میں ادھر ادھر بکھر سے جاتے اور پھر زمین پر ڈھیر ہو کر زمین کو بھی سفید چادر میں بدل دیتے۔ درختوں سے گرتے پتے زمین پر ادھر ادھر ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے اور پھر یکدم

قطار رونے لگ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد دوبارہ گویا ہوا۔

”عرصہ پہلے تک میں سوچتا تھا کہ میں نے جو بھی کیا بالکل صحیح کیا ہے لیکن جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے میں..... میں پل پل مرتا ہوں یا! کہ میں حشر کے روز اسے کیا منہ دکھاؤں گا؟“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

”وہ بہت رحیم ہے بہت کریم ہے احسن! تم اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر تو دیکھو، وہ ضرور معاف کر دے گا۔“ وہ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی آمیز انداز میں بولا۔

”ہر نماز میں یہی دُعا مانگتا ہوں امان!“ وہ خود پر بمشکل ضبط کرتے ہوئے بولا۔

دونوں کافی دیر تک خاموش رہے پھر وہ جانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

”تم سے مل کر مجھے بہت سکون ملا ہے امان! مجھ سے ملنا مت چھوڑنا۔“ اس نے التجائیہ انداز میں کہا تو وہ اس کی اس بات پر مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

”ایسا کبھی نہیں ہو سکتا یا! کہ میں تم سے ملنا ترک کر دوں۔“ پھر وہ اس سے ہاتھ ملا کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔

وہ وہاں سے نکل کر سیدھا اسلامک سنٹر جا پہنچا۔

”السلام علیکم سر!“ اس نے انتہائی احتیاط سے جیسے اس شخص کے قریب رکھ کر آہستگی سے سلام کیا تو اس نے کتاب پر سے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور مسکرا کر سلام کا جواب دینے لگا۔

”بڑے دنوں بعد آئے ہو، کہاں تھے؟“ اس شخص نے کتاب بند کرتے ہوئے شکستگی سے پوچھا تو وہ مسکرا کر اس کو دیکھنے لگا جو اس کی زندگی میں سوچ کے کئی دُر در کرنے کا سبب بنا تھا۔

”لیں سر! کچھ مصروفیات تھیں جن کے باعث میں آپ کے پاس نہیں آ سکا تھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”خیریت تو ہے ناں!“ انہوں نے تفکر سے پوچھا۔

”جی! بالکل خیریت ہے۔ میں آپ کو اپنی شادی میں انوائٹ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ

ساکن سے ہو جاتے۔

یہ اس کے لئے ایک دلچسپ منظر کی مانند تھا۔ وہ کب سے گلاس وندو کے پاس کھڑی باہر کے اس خوبصورت نظارے سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

”کیا دیکھ رہی ہو اتنی دلچسپی سے؟“ اسے اتنی محویت سے باہر دیکھتا پا کر وہ اس کے بالکل قریب آکھڑا ہوا تو وہ مسکرا کر اس کی طرف پلٹ گئی اور خاموشی سے ایک نیک اسے دیکھنے لگی۔

”خوش ہو؟“ اس نے محبت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

چند لمحوں تک وہ یونہی اسے کھڑا دیکھتا رہا پھر اسے اپنے ساتھ لگائے صوفے پر بیٹھ گیا۔
”سیدہ!..... سیدہ! میں چاہتا ہوں کہ تم باقاعدگی سے نماز پڑھا کرو۔“ وہ نرمی سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔

”مجھے نماز نہیں آتی امان!“ وہ صاف گوئی سے بولی۔

”کوئی بات نہیں! میں تمہیں سکھا دوں گا۔“ وہ اسے خود سے قریب کرتے ہوئے بولا تو اس نے دیر سے اس کے شانے پر سر رکھ دیا۔

”سیدہ! میں یہ ملک چھوڑنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم کہیں اور جا کر رہیں۔“ اس کی بات پر اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ابھی ان کی شادی کو محض ایک ماہ ہی ہوا تھا اور وہ یہ ملک چھوڑ دینے کی بات کر رہا تھا۔ وہ حیرت سے اسے تنکے لگی۔

”لیکن امان! ہم..... ہم کہاں جائیں گے؟“ وہ پریشانی سے بولی۔

”کہیں بھی سیدہ! ہم کہیں بھی کسی بھی اسلامی ملک میں جا کر رہیں گے لیکن..... لیکن یہاں نہیں۔“ وہ بہت الجھا الجھا سا لگ رہا تھا۔

”کیوں امان!“

”بس! میرا یہاں دم سا گھٹتا ہے۔ مجھے یہاں کا ماحول، یہاں کے لوگ کچھ..... کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔“ وہ اکتائے اکتائے انداز میں بولا۔

”امان! تم جانتے ہو کہ ماما نے ابھی اپنا نیا بزنس اسٹیمپلش کیا ہے اور وہ چاہتی ہیں کہ

میں ان کے اس بزنس کو مزید اسٹیمپلش کروں اور..... اور ایسا کرنے میں کم از کم ایک دو سال تو لازمی لگیں گے۔“ وہ بات کرتے کرتے اچانک زک زک کر اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینے لگی۔ جبکہ وہ بالکل بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیا کہنا چاہتی ہو؟“ وہ عام سے لہجے میں گویا ہوا۔

”امان! اگر..... اگر میں ابھی تمہارے ساتھ گئی تو ماما..... ماما میری طرف سے بہت برٹ ہوں گی۔“ وہ پریشانی کے عالم میں بول رہی تھی۔

”ایک دو سال بعد جب بھی تم کہو گے میں..... میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔“

وہ تھوڑی دیر بعد کچھ سوچتا رہا پھر نرمی سے بولا۔

”بس اوکے!“

وہ اس کے یوں اتنی جلدی مان جانے پر کھل کر مسکرا دی تو وہ بھی اپنی مسکراہٹ کو روک نہ پایا۔

”یونہی ہنستی رہا کرو۔“ وہ دھیمے سے کہہ کر اس کی طرف جھکا تو اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔



رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب اس کی اچانک آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے اپنے دائیں جانب بیڈ پر دیکھا۔ امان بستر پر نہیں تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

کمرے میں ملجاسا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اسے ایک دم خوف سا محسوس ہوا۔ وہ امان کی تلاش میں ڈرتے ڈرتے کمرے سے باہر نکل آئی۔

”امان!“ اس کی آواز خوف سے کانپ رہی تھی۔

پھر اس نے فلیٹ کا ایک ایک کمرہ چھان مارا مگر وہ کہیں بھی نہیں تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

”امان!“ اس کا گلہ زندہ گیا تھا۔

اچانک کچھ یاد آنے پر وہ اٹھی اور آنسو صاف کرتے ہوئے بچن کی بیک سائیڈ پر بنے ایک چھوٹے سے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ جہاں اس نے اکثر امان کو جاتے دیکھا تھا مگر وہ

بہت.....“ وہ بری طرح کانپ رہا تھا مگر اس کے ہونٹوں پر اب بھی دُعا یہ الفاظ تھے۔
 ”بہت گناہگار ہوں تو مجھ پر اپنا رحم فرما دے، مجھ پر اپنا کرم فرما دے یا اللہ!“ وہ چہرہ ہاتھوں میں دے کر سسک پڑا تھا۔

وہ پہلی بار کسی مرد کو یوں روتے دیکھ رہی تھی۔ پہلی بار وہ اس شخص کو یوں بلک بلک کر روتا دیکھ رہی تھی جس کی آنکھوں میں وہ نمی بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

”امان!“ اس نے اس کے کانڈھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے پکارا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا جس کی آمد سے وہ بالکل بے خبر تھا۔

”امان! کیا ہوا ہے؟“ وہ نرم لہجے میں پریشانی سے بولی۔

”کچھ..... کچھ نہیں!“ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے ترچرے کو صاف کرتے ہوئے بولا۔

”تم سوئیں نہیں؟“ اس نے خود کو کنٹرول کرتے ہوئے پوچھا۔

”تمہیں کمرے میں نہ پا کر میں پریشان ہو گئی تھی۔“ اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی اُتر آئی تھی۔

”اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات تھی؟“ وہ محبت سے اس کے گرد بازو پھیلائے ہوئے بولا تو اس نے دھیرے سے اس کے شانے پر سر رکھ دیا۔

”تم یہاں کیا کر رہے تھے؟“ وہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”تہجد پڑھ رہا تھا۔“

”کیا پڑھ رہے تھے؟“ وہ چونکہ بالکل انجان تھی اسی لئے لفظ بھی اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ وہ چند لمبے اس کے چہرے پر پھیلی معصومیت کو تکتا رہا پھر بولا۔

”کچھ نہیں! چلو اب سو جاؤ! رات بہت ہو گئی ہے۔“ وہ اسے لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔



رات کا ایک بجاتا تھا اور وہ پچھلے دو گھنٹوں سے مسلسل اس کا موبائل ٹرائی کر رہا تھا۔ مگر ہر بار سوئچ آف کا سن کر اس کی پریشانی میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔ لاؤنج میں ادھر سے ادھر ٹہلنے کے بعد وہ میز پر آ کھڑا ہوا اور سڑک کی جانب دیکھنے لگا جس پر سے گزرنے والی ہر گاڑی

خود وہاں کبھی نہیں گئی تھی۔

اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ سامنے ہی وہ زمین پر جائے نماز بچھائے دُعا کے لئے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔

اس نے سکون کا ایک گہرا سانس بھرا اور پورے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔

نائٹ بلب کی مدہم سی روشنی اس چھوٹے سے کمرے میں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ بائیں جانب بنے ریک میں مذہبی علوم کے متعلق ترتیب سے رکھی کتابیں اس کے ذوق کو ظاہر کر رہی تھیں۔ جبکہ ریک کے سب سے اُپر والے خانے میں قرآن شریف رحل سمیت رکھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں کوئی بھی قابل ذکر شے موجود نہیں تھی۔

اس نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا جو آنکھیں بند کئے دُعا میں مشغول تھا۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس کے مضبوط ہاتھوں میں لرزش سی تھی جبکہ اس کے ہونٹ مسلسل کپکپا رہے تھے۔ وہ بے اختیار چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کی طرف بڑھ گئی اور گھنٹوں کے بل اس کے قریب کارپٹ پر بیٹھ کر اسے پوری محویت سے نکتے لگی۔ جبکہ وہ جوں کا توں دُعا میں مشغول تھا۔

”اے اللہ! جب میں مشکل میں پھنستا ہوں تو صرف تجھے یاد کرتا ہوں، صرف تیری جانب دیکھتا ہوں، صرف تیری ہی یاد سے میرا دل بھرتا ہے اور صرف تیرے ہی کرم سے میں ہر مشکل سے آزاد ہو جاتا ہوں۔ لیکن یا اللہ! اس مشکل سے آزاد ہونے میں وہ لطافت اور مشاس نہیں ہوتی جو اس مشکل میں تجھے یاد کرنے اور بے تحاشا یاد کرنے سے محسوس ہوتی ہے تو پھر..... اے اللہ! تو مجھے ہر وقت کسی نہ کسی مشکل میں گھیرے رکھ۔ کیونکہ..... کیونکہ میں تجھے بھلانا نہیں چاہتا، میں تجھے یاد رکھنا چاہتا ہوں اور تو بھی مجھے یاد رکھ۔ کیونکہ..... کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جن پر تو پریشانیاں عائد کئے رکھتا ہے، درحقیقت تو انہیں ہی یاد رکھے ہوتا ہے۔ تو اے میرے مالک! تو مجھ پر اپنی مشکلات اور آزمائش ڈالے رکھ۔ تو مجھ پر خوشیوں کے ذرہ بھی واندہ کرنا اور نہ ہی خوشی کا ایک لمحہ بھی میری زندگی میں شامل کرنا کہ میں بہت..... بہت کمزور ہوں۔ میں دُنیادی خوشیوں میں کھو کر تجھے کھونا نہیں چاہتا، میں تجھے کھونا نہیں چاہتا۔ یا اللہ! مجھے دُنیادی آسائشوں سے دُور کر دے، مجھے اپنے..... مجھے اپنے قریب کر لے، میں

پھر ایک ہوٹل میں میننگ اریج کر دی گئی تھی۔ ”وہ اسی طرح سر جھکائے ہوئے بولی۔
”اور یہ موبائل؟“ اس نے اس کے ہاتھ میں پکڑے موبائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”یہ موبائل سوچ آف کرنے کے لئے ہوتا ہے، ہے ناں!“ وہ سخت لہجے میں بولا۔
”وہ..... میننگ کے دوران تو سوچ آف کرنا ہی پڑتا ہے۔“ وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔
”بات صرف اتنی سی ہے سیدھے! کہ تمہیں میرا کوئی خیال نہیں ہے۔ تمہیں اس بات کا بھی کوئی احساس نہیں ہے کہ تمہارا گھر سے اتنی دیر تک باہر رہنے پر میری کیا کنڈیشن ہو سکتی ہے؟“

اس نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ تاسف سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
چند لمحوں تک وہ یونہی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر وہ مڑا اور کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

وہ اس وقت عجب سے احساس میں گہری ہوئی تھی۔ پتہ نہیں کیوں اسے امان کا اس طرح سخت لہجے میں بات کرنا برا نہیں لگ رہا تھا بلکہ اسے اپنی اہمیت کا احساس ہو رہا تھا۔
اسے لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی بہت قیمتی ہے۔ وہ بھی اس کی نظر میں جس کی نظریں اس پر محبت اور صرف محبت ہی پنچا کر کرتی تھیں۔

وہ طمانیت سے مسکرا دی۔ پھر اس کی ناراضگی کے خیال سے فوراً اندر کی طرف بڑھ گئی۔
وہ صوفے پر بے ترتیبی سے آنکھیں بند کئے لیٹا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر تھکان کے آثار نمایاں تھے جبکہ اس نے آفس سے آنے کے بعد کپڑے بھی پہنچ نہیں کئے تھے۔

وہ اسے یوں اس حالت میں دیکھ کر مزید شرمندگی سے گھر گئی اور آگے بڑھ کر گھٹنوں کے بل کاربٹ پر بیٹھ گئی۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹائی کی ٹاٹ کھولنے لگی۔
اسی وقت اس نے آنکھیں کھولیں اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”سوری امان!“ وہ معذرت خواہانہ لہجے میں بولی۔

”آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گی۔“

وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جبکہ وہ اس سے زیادہ دیر نظریں نہ ملا سکی اور سر جھکا

اس کے فلیٹ کی بلڈنگ کو کر اس کر رہی تھی۔

دُور دُور تک پھیلا سنا اسے مزید تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ شدید پریشانی کے عالم میں دوبارہ لاؤنچ میں چلا آیا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟
وہ چٹلون کی میبوں میں ہاتھ ڈالے ادھر سے ادھر پکر لگا رہا۔ تب ہی وہ کھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔

اسے دیکھ کر جہاں وہ لمحہ بھر کو مطمئن ہو گیا تھا وہیں اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات نمایاں ہو گئے تھے۔

جبکہ وہ اس کے چہرے پر موجود تاثرات کو بھانپ کر سہم گئی تھی۔
وہ اسے غصے سے دیکھتا ہوا اس کی طرف بڑھا تو اس کے بقیہ اداں بھی خطا ہونے لگے تھے۔

اس نے آگے بڑھ کر کھلا دروازہ بند کیا اور اس کی طرف مڑ گیا۔
”کہاں تھیں تم اب تک؟“ اس کے اس سوال پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔
اس کی آنکھوں میں شک کے بجائے اپنے لئے جھلکتی پریشانی دیکھ کر وہ قدرے مطمئن سی ہو گئی تھی۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔“ اس نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

”آج..... آج آسٹریلیا سے ایک ڈیلی گیشن نے آتا تھا تو.....“ وہ اس کی نظروں کی مزید تاب نہ لاسکی اور بات اُدھوری چھوڑ کر سر جھکا گئی۔

”میں نے صبح تمہیں بتایا تھا امان! کہ مجھے تھوڑی دیر ہو جائے گی۔“ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر ڈرے ڈرے سے لہجے میں بولی۔

”بتایا تھا لیکن رات کے ڈیڑھ بج جانے کا نہیں بتایا تھا۔“ وہ تپ کر بولا تھا۔
”تمہیں اندازہ ہے سیدھے! میں کس قدر پریشان ہو رہا تھا تمہارے لئے؟ تمہارے

آفس فون کیا، آئی کے ہاں فون کیا لیکن..... لیکن تمہارا کچھ پتہ نہیں کہ تم کہاں ہو؟“
”امان! پہلے میننگ آفس میں ہی اریج کی گئی تھی لیکن ماما کا اچانک ارادہ بدل گیا اور

سے امان کا انتظار کر رہی تھی مگر وہ اب تک نہیں آیا تھا۔

وہ روش پر ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی جب رسل اس کے پاس آ گیا۔ وہ ناگواری سے رخ موڑ گئی۔

”یہ لوسید! اینڈ! انجوائے! دا پارٹی۔“ اس نے ڈرنک کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”تھینکس! مجھے یہ پسند نہیں ہے۔“ اس نے سختی سے منع کر دیا تو وہ جانے کے لئے واپس مڑ گیا تو اس نے اس کے چلے جانے پر ایک اطمینان بھرا سانس لیا۔

”سید! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ وہاں چلو میرے ساتھ، میں اپنے چند گیس سے تمہارا انٹروڈکشن کرانا چاہتی ہوں۔“ ماما اسے زبردستی کھینچتی ہوئیں لان کی جانب لے گئیں۔

ماما باری باری اس کا مختلف لوگوں سے تعارف کرا رہی تھیں جبکہ وہ بیزارگی سے ان سے ملتی رہی۔

تب ہی نجانے کہاں سے دوبارہ رسل اس کے سامنے آن کھڑا ہوا اپنی گزشتہ آفر سمیت۔

وہ بھی سخت الفاظ میں اسے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ لما کی آواز پر وہ اپنا ارادہ ملتوی کر گئی۔

”سید! لے لو! رسل کتنی محبت سے تمہیں آفر کر رہا ہے۔“ ماما نے اس کی جانب محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”نوماما!“

وہ ابھی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ماما کے سخت نظروں سے گھورنے پر دہل کر رہ گئی۔

تب ہی رسل نے وائن کا گلاس اس کی طرف بڑھا دیا تو وہ شش و پنج میں جتا ہو گئی۔ اسے وائن سے شروع ہی سے نفرت سی تھی، وائن کی ناگواری سے اس کا دماغ بھک سے اُڑتا محسوس ہوتا تھا۔

اس نے ایک نظر گلاس کی جانب دیکھا جسے دیکھتے ہی اسے ابکائی محسوس ہو رہی تھی۔ تب ہی اس نے التجائیہ نظروں سے ماما کی جانب دیکھا جو اسے بری طرح گھورنے میں

گئی۔

”تم جانتی ہو سید! مجھے تمہاری یہی عادت بہت اچھی لگتی ہے۔“ وہ مخمور لہجے میں بول رہا تھا۔

”جب تمہاری آنکھوں میں میرے لئے جھک آتی ہے تو اسی لمحے میرے دل میں تمہاری محبت مزید بڑھ جاتی ہے۔“

اس کا جھکا سر مزید جھکا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے والی ساری کلفت دُور ہو گئی تھی۔ اس کا وہی نرم نرم اور دھیمادھیماسا لہجہ اس کے لئے باعث اطمینان تھا۔ وہ یکدم شانت سی ہو گئی تھی۔

♦ ♦ ♦

”سید!“ وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے پارٹی ہال میں داخل ہوئی تھی۔ وہ ماما کی تلاش میں ہال میں نظر دوڑا رہی تھی کہ اچانک اس نے اپنے عقب میں ماما کی آواز سنی تو وہ فوراً پیچھے کی جانب مڑ گئی۔

”سید! یہ تم کس طے میں یہاں آئی ہو؟“ ماما اپنی غصے سے بھرپور آواز کو بمشکل نیچی رکھتے ہوئے غرا کر بولیں تو وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔ پھر ایک نظر اس نے اپنے سر پر پڑا۔

وہ ٹراؤزر اور لانگ شرٹ میں ملبوس تھی جبکہ اس کے گلے میں بھی ایک پٹی نما اسکارف پڑا ہوا تھا۔

”کیا ہوا ماما! میرے حلیے کو؟“ اس نے مسکرا کر پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ تم پہلے کبھی اس طرح کے کپڑے پہن کر پارٹی میں نہیں آتی تھیں۔“ ماما نے دے دے بے الفاظ میں اسے احساس دلانا چاہا۔

”ماما! امان کو میری وہ ڈرنک پسند نہیں تھی اس لئے میں.....“

”اوہ! آئی سی، تو تم امان کی خاطر.....“

”ایکسکوز می میم!“ جوزف کے پکارنے پر وہ اپنی بات اُدھوری چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئیں تو اس نے بے ساختہ شکر ادا کیا اور وہاں سے کھسک گئی۔

آج ماما کا برتھ ڈے تھا، اسی خوشی میں انہوں نے یہ شاندار پارٹی ارنج کی تھی۔ وہ کب

”کافی!“ اس نے کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ جو اس نے اس کی جانب دیکھے بغیر ”تھینک یو“ کہہ کر سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔ کتنی ہی دیر تک وہ یونہی ٹرے ہاتھ میں لئے کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ پھر یکدم چہرہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ وہ جو مصروف انداز میں فائلز دیکھ رہا تھا۔ اس کے یوں رونے پر فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”سیدہ! کیا ہوا ہے؟“ اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولا۔

”کیا ہوا ہے سیدہ!“ اس نے دوبارہ وہی سوال کیا تو وہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”اگر مجھ سے کوئی ناراضگی ہے تو مجھ پر غصہ کر لیا ہوتا، مجھے ڈانٹ لیا ہوتا لیکن..... لیکن یوں.....“ روتے روتے اس کا گلہ زندہ گیا تھا۔

”تم سے کس نے کہا کہ میں تم سے ناراض ہوں؟“ وہ اسے اپنے قریب کرتے ہوئے بولا۔

”پھر تم مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہے؟ بلکہ میری طرف دیکھ بھی نہیں رہے۔“ اس نے نرم لہجے میں پریشانی سے کہا تو وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

”تم سے بات کئے بغیر یا تمہاری طرف دیکھ بغیر میرا گزارا ہے کیا؟“ وہ محبت سے چور لہجے میں گویا ہوا۔

”بس! میں..... میں تمہاری طرف سے تھوڑا سا پریشان ہو گیا تھا۔“

”میری طرف سے؟“ اس نے تعجب سے پوچھا۔

”کیا پریشانی ہے امان! میری طرف سے؟“

”سیدہ! ہم..... ہم مسلمان ہیں اور ہمیں یہ بالکل زیب نہیں دیتا کہ ہم حرام چیزوں کو اپنائیں اور تمہیں بھی اس چیز کا خیال رکھنا چاہئے۔“ وہ نرمی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ جبکہ وہ عجیب سی نظروں سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی جو اسے حرام اور حلال میں فرق بتا رہا تھا۔ وہ پہلی بار کسی کے منہ سے ایسے الفاظ سن رہی تھی۔

مصروف تھیں۔ وہ ان کے اس طرح دیکھنے پر کانپ کر رہ گئی تھی۔ وہ ان کا مزید اس طرح اپنی طرف دیکھنا برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس نے اپنا دایاں ہاتھ گلاس کی طرف بڑھا دیا۔

اس کے ہاتھ میں واضح کپکپاہٹ تھی۔ یکدم اس کا دل چاہا کہ وہ اس گلاس کو زمین پر اُغٹیل دے۔

مگر کسی خوف کے زیر اثر وہ ایسا نہ کر سکی۔ اس نے ایک نظر ماما کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر اب کوئی برہمی کے آثار نہیں تھے۔ ان کے چہرے پر فتح کا نشان جگمگا رہا تھا اور اسے تو ہمیشہ سے ہی ماما کا دمکا چہرہ عزیز تھا۔ سو اس نے فوراً گلاس کو منہ کی طرف لے جانا چاہا لیکن اس لمحے ایک مضبوط ہاتھ نے وہ گلاس اس کے ہاتھ سے چھین کر سائڈ پر پٹخ دیا۔ وہ حیرت اور پریشانی کے عالم میں اسے سختی رہی جو اسے سخت نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”میں باہر پارکنگ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“

اتنا کہہ کر وہ لان کر اس کر گیا تو وہ اجازت طلب نظروں سے ماما کی جانب دیکھنے لگی جو اس پر قہر آلود نظر ڈال کر اندر کی جانب بڑھ گئیں تھیں۔ ایک لمحے کے لئے تو اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ کس سمت میں جائے۔ وہاں جہاں اس کی محبت تھی یا وہاں جس کے ہاتھ میں اس کی محبت کی ڈور تھی۔

ایک دم اسے رونا آ گیا تھا مگر وہ خود پر ضبط کرتی ہوئی لان کر اس کر گئی۔ وہ گاڑی سے ٹیک لگائے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس نے اس کے لئے فرنٹ ڈور کھولا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

ایک گھنٹے سے وہ مسلسل اضطراب کا شکار ہو رہی تھی اور اس کا یہ اضطراب امان کی مسلسل خاموشی میں پوشیدہ تھا۔ وہ جب سے آیا تھا مستقل خاموش تھا حتیٰ کہ اس نے ایک بار بھی اس کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ وہ لاؤنج سے اُٹھ کر کچن میں آ گئی اور اس کے لئے کافی بنانے لگی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ گھر آتے ہی کافی پینا پسند کرتا ہے۔

جس وقت وہ کمرے میں کافی کا کپ لے کر داخل ہوئی، وہ بیڈ پر آفس فائلز پھیلانے مصروف بیٹھا تھا۔ وہ ہمت کرتی آگے بڑھ گئی۔

جبکہ وہ شدید حیرت کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔

”سید! تم..... تم مسلمان ہو اور تمہارا چرچ جانا میری سمجھ سے باہر ہے۔“ وہ اس کی طرف پریشانی سے دیکھ رہا تھا۔

”تم..... تم نماز پڑھتی ہو ناں!“ اچانک اس نے اس سے نماز کے بارے میں پوچھا جو وہ اسے پچھلے دو ماہ سے سیکھا رہا تھا۔

اس کے پوچھنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تو وہ ایک لمحے کے لئے ششدر رہ گیا۔

”پھر سید! پھر کیا ضرورت ہے تمہیں چرچ جانے کی اور کوئی ویش، کوئی خواہش دل میں پالنے کی؟ تم نہیں جانتیں کہ جب اللہ ایک ہے تو چرچ میں کس سے اپنی ویش کے پوری ہو جانے کی اُمید میں سر جھکا آتی ہو؟“ بولتے بولتے اس کا لہجہ خود بخود سخت ہو رہا تھا جبکہ وہ سراپسنگی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے سید! تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ صرف اللہ کی ذات ہے جو تمہیں عطا کر سکتی ہے وہ سب کچھ جو تم چاہتی ہو اور وہ بھی جس کی تمہیں خواہش نہیں ہے کیونکہ وہ دینے والا ہے جس کو چاہے دے دے۔“ وہ ایک لمحہ کے لئے زکا پھر دوبارہ گویا ہوا۔

”تم اپنی دُعاؤں پر یقین رکھو سید! اپنی خواہش پر نہیں۔“

”امان! میں بچپن میں دُعا ہی کیا کرتی تھی، مجھے گرینڈ ما دُعا میں کرنا سکھاتی تھیں لیکن..... لیکن میری کوئی بھی دُعا قبول نہیں ہوتی تھی۔ میں دُعا مانگتی تھی کہ ماما کبھی وائن کو ہاتھ نہ لگائیں، خاص طور پر میرے برتھ ڈے پر، لیکن میری یہ دُعا کبھی قبول نہیں ہوئی اور جب ایک دفعہ اچانک میں نے صرف چاہا کہ ماما میری اس برتھ ڈے پارٹی پر وائن نہ ہیں تو پتہ نہیں کیوں اس دن ماما وائن کے گلاس کے قریب بھی نہ گئیں۔“ وہ اب رو رہی تھی اور وہ انتہائی غور سے اس سے باتیں سن رہا تھا۔ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے مزید بولی۔

”تب ہی میں نے جانا کہ دُعا میں مانگنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بس خواہش کرنی چاہئے اور پھر میں صرف خواہش کرنے لگی تھی۔“

”پھر تم نے یہ کیسے جان لیا کہ تمہاری خواہش صرف چرچ میں جا کر ہی پوری ہو سکتی

لیکن وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ وہاں سے اُٹھ گئی تو وہ اسے جاتا دیکھتا رہا۔



کمرے میں ہر چیز بے ترتیبی سے ادھر ادھر بکھری ہوئی تھی۔ جبکہ وہ خود گھبراہٹ کے عالم میں جلدی جلدی اپنی تیاری مکمل کرنے میں مصروف تھی اور ساتھ بڑبڑا رہی تھی۔

”اوہ گاڈ! کتنی دیر ہو گئی ہے۔“ وہ بالوں کو کچر میں جکڑتے ہوئے بولی۔

آج چونکہ سنڈے تھا اور وہ پچھلے چار پانچ ماہ سے چرچ نہیں جا پائی تھی لیکن اب وہ جانا چاہتی تھی۔ ایک خواہش تھی جو اس کے سینے میں ہمک رہی تھی اور جسے پورا کرنے کے لئے اس کا چرچ جانا ضروری تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ چرچ میں موجود تھی۔ دُعا یہ انداز میں ہاتھ جوڑے وہ نم آنکھوں سے دُعا کرنے میں مصروف تھی۔

”اوہ گاڈ! میں نے آپ سے اپنی پوری زندگی میں امان کی شدت سے خواہش کی تھی جو آپ نے پوری کر دی۔ اب..... اب پھر میرے دل میں ایک خواہش ابھر رہی ہے۔ میری یہ خواہش، میرا یہ امان پورا کر دو گاڈ! مجھے..... مجھے بے بی کی بہت خواہش ہے، میری یہ آرزو پوری کر دو۔“ وہ آنکھیں بند کئے مسلسل روتے ہوئے اپنی گود بھر جانے کی دُعا مانگ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ چرچ سے نکل آئی اور سیدھی گھر پہنچ گئی۔ جہاں امان اس کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

”خیریت تھی؟ آج سنڈے کو صبح ہی صبح کہاں گئی تھیں؟“ وہ اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا تو اس کے قریب صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔

”وہ اصل میں آج چرچ گئی تھی۔ لیکن تم واک سے کب آئے؟“

وہ اسے جواب دے کر سوال کرنے لگی تو وہ قدرے تعجب سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

”چرچ.....؟ چرچ کس لئے گئی تھیں تم؟“

”وہ امان! اچانک یہی جب بھی میری کوئی ویش ہوتی ہے ناں! تو میں چرچ جاتی ہوں اور پھر میری وہ ویش پوری بھی ہو جاتی ہے۔ میں نے تمہیں بھی چرچ جا کر مانگا تھا۔“ وہ محبت سے بولی۔

پشت پر ایک نحیف سی آواز سنی۔ وہ فوراً زک کر آواز کی سمت میں دیکھنے لگا۔

”امان! کیسے ہو بیٹا!“ گرینڈا نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو وہ بے ساختہ ان کے مشفق چہرے کو نکتا رہا۔ جہاں بڑھا پا اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ براجمان تھا مگر ساتھ ہی ایک نور بھی ان کے چہرے کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا۔

وہ مبہوت ہو کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی پوری زندگی میں یہ دوسرا چہرہ دیکھ رہا تھا جہاں صرف نور ہی نور پھیلا ہوا تھا۔ پہلی بار نور کے ہونے کا احساس اسے عینا کے دادا ابو کو دیکھ کر ہوا تھا اور دوسری بار اب۔

”میرے پاس بیٹھ جاؤ بیٹا!“ انہوں نے التجائیہ انداز میں کہا تو وہ بے اختیار ان کی طرف بڑھ گیا، جو بے چینی سے اسے تک رہی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے کمرے کی چوکت تک پہنچ گیا۔

”آؤ! آؤ!“ وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں اپنے کمرے کی طرف پلٹتے ہوئے بولیں تو وہ اندر داخل ہو گیا۔

اس نے ایک بھرپور نظر پورے کمرے میں دوڑائی۔ پورا کمرہ مشرقی طرز کا بنایا ہوا تھا۔ کسی بھی قسم کی زیب و آرائش سے دور یہ کمرہ عجیب سی جاذبیت لئے ہوئے تھا۔

”بیٹھو بیٹا!“ وہ ایک چیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولیں تو وہ بلا جھجک بیٹھ گیا۔

”مجھے تم سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔“ وہ اس کے سامنے رکھی چیر پر بیٹھتے ہوئے محبت سے بولیں۔

”لیکن میں..... میں آپ کو نہیں جانتا اور میں نے پہلے آپ کو یہاں دیکھا بھی نہیں ہے لیکن آپ کی آواز.....“

وہ عجیب سی الجھن میں مبتلا ہو رہا تھا۔ وہ کون تھیں؟ اور اس گھر سے ان کا کیا تعلق ہے۔ وہ بالکل انجان تھا لیکن اسے لگتا تھا کہ اس نے ان کی آواز پہلے بھی کہیں سنی ہے۔

”میں وہی ہوں بیٹا! جس سے تم نے ایک بار لان میں کھٹنے والی کھڑکی میں بات کی تھی۔ میں تمہیں دیکھ سکتی تھی لیکن تم صرف میری آواز سن سکتے تھے۔“

”جی! جی مجھے یاد آیا۔“ وہ ان کی بات سن کر فوراً بولا تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر

ہے؟“ اس کے سوال پر اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”وہ تو میں شروع سے ہی کیہترین کے ساتھ چرچ جاتی تھی اس لئے مجھے وہاں جانے کی عادت سی ہو گئی ہے۔“ اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

”دیکھو سیدہ! انسان کی ہر دُعا قبول نہیں ہوتی۔ اگر انسان کی ہر دُعا قبول ہونے لگے تو اس کے نزدیک دُعا کی کوئی اہمیت نہیں رہتی اور پھر وہ خواہش کرنے لگتا ہے اور خواہش تو لا حاصل ہوتی ہے۔ تمہارے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے سیدہ! تم نے دُعا میں مانگیں لیکن اللہ پر یقین کے ساتھ نہیں بلکہ اپنی خواہش کی خاطر، اور تمہارا یہ خیال بھی بالکل غلط ہے کہ تمہارے برتھ ڈے پر تمہاری ماما نے صرف اس لئے دان کو ہاتھ تک نہ لگایا کہ تم نے خواہش کی تھی یا وٹس کی تھی۔ حقیقت میں تمہاری دُعا پوری ہوئی تھی سیدہ! وہ دُعا جو تم نے خواہش سے پہلے کی تھی۔ کیونکہ دُعاؤں کی قبولیت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ بس! تم صرف اس سے مانگو جو تمہیں نوازنے والا ہے۔“

اتنا کہہ کر وہ خاموشی سے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینے لگا جہاں شرمندگی کے تاثرات نمایاں تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے قریب کر لیا تو وہ یکدم اس کے سینے میں منہ چھپا کر رو پڑی۔

”کون سی وٹس پوری کرانے کے لئے تم چرچ گئی تھیں سیدہ!“ وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا تو وہ اسی خاموشی سے اس کے سینے میں مزید چھپ جی گئی تھی، وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

”سیدہ! میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی اس وٹس کو دُعا کا روپ دے دو۔ اس دُعا کا جو صرف اللہ سے ہی مانگنے کا حق ہے اور ایسا تم میرے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے کرنا۔ اپنے دل کی آواز پر کرنا اور پھر دیکھنا کہ وہ کیسے ہم پر مہربان ہوتا ہے۔“ اس کا نرم نرم سالجہ اس کی سماعتوں میں محفوظ ہو رہا تھا جبکہ اس کے الفاظ اس کے دل میں اتر رہے تھے۔



”امان! میری بات سنو بیٹا!“ وہ آفس سے سیدھا ان کے گھر آیا تھا جہاں ماما اپنے کمرے میں اس کی خنجر بیٹھی تھیں۔ وہ ان کے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا جب اس نے اپنی

اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو صاف کرنے لگیں تو وہ سر جھکائے عجیب سے احساس میں گہرا آگے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے بعد جب وہاں سے نکلا تو اس کا دماغ کچھ الجھا الجھا سا تھا۔ ان کا غیر تسلی بخش جواب اسے الجھا رہا تھا۔

”میں بھی ایک ماں ہوں بیٹا!“ اس کے کانوں میں ان کی اُدھوری بات گردش کر رہی تھی۔

”وہ کس کی ماں ہیں؟“ وہ زیر لب بڑبڑایا۔



گئی۔

”لیکن آپ.....“

”میں جانتی ہوں کہ تم کیا جانا چاہتے ہو؟“ وہ یاسیت میں گہری بولیں تو وہ ایک دم ان کے تاریک ہو جانے والے چہرے کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے پریشان ہو گیا۔

ان کی اس کنڈیشن کو دیکھ کر وہ گھبرا گیا تھا۔ وہ فوراً اپنی چیئر پر سے اُٹھ کر ان کی طرف بڑھ گیا اور گھنٹوں کے بل ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

”آپ..... آپ ٹھیک تو ہیں ناں!“ وہ ان کے چہرے پر اُڑتی ہوائیوں کو دیکھ کر تشویش سے پوچھنے لگا جبکہ وہ بالکل گم صم سی اپنی جگہ پر ساکن بیٹھی تھیں۔ ان کی سادگی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

”میں بھی ایک ماں ہوں بیٹا!“ وہ کانپتے لہجے میں لرزتے ہونٹوں سے بولیں تو ان کے چہرے پر آنسو اپنی جگہ بنا گئے۔

”بس..... بس تم میری سیدہ کا خیال رکھنا، میں.....“

تب ہی ماما ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں اور کراخت نظروں سے اندر کا منظر بھنے کی کوشش کرنے لگیں۔ ان کے تئور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ وہ اُٹھ کر ان کی طرف بڑھ گیا جبکہ وہ غضبناک لہجے میں گویا ہوئیں۔

”اماں! تمہیں میں نے بلایا تھا یا.....“ وہ اپنی بات اُدھوری چھوڑ کر گرینڈ ما کو تیز نظروں سے گھورنے لگیں جبکہ وہ معاملے کی سنگینی کو سمجھتے ہوئے فوراً بول پڑا۔

”وہ..... اصل میں آنٹی! میں آپ کے کمرے کی طرف ہی آ رہا تھا کہ میں نے انہیں دیکھا تو مجھے اچھا نہیں لگا کہ میں انہیں سلام کئے بغیر گزر جاؤں۔“ وہ مناسب الفاظ میں بول رہا تھا۔

”اٹس اوکے! آؤ! مجھے تم سے اپنے بزنس کے بارے میں کچھ پوائنٹس ڈسکس کرنے تھے۔ انہوں نے اپنے لہجے کو نارمل کرتے ہوئے مصنوعی مسکراہٹ سمیت کہا تو وہ ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ مگر جاتے جاتے وہ اپنے پیچھے گرینڈ ما پر ایک نظر ڈالنا نہیں بھولا تھا۔

اور شاید وہ بھی منتظر نظروں سے اسی سمت دیکھ رہی تھیں جہاں اس کے دیکھنے پر مسکرا کر

کتنی اچھی لگ رہی تھی وہ یوں محو سے انداز میں نماز پڑھتی ہوئی۔

وہ مزید اس کی طرف نہ دیکھ سکا اور منہ دوسری طرف کر لیا۔

”یا اللہ! سیدہ کی ہر نماز اور ہر دعا قبول کرتا۔“ اس نے دل ہی دل میں اس کے لئے دعا کی۔

”اب بتاؤ! میرے لئے کیا سرپرائز تھا؟“ تھوڑی دیر بعد وہ نماز سے فارغ ہو کر اس کے پاس بیڈ پر ہی بیٹھتے ہوئے بولی تو اس نے سرخ گلابوں کا ایک چھوٹا سا خوبصورت بوکے اس کی طرف بڑھا دیا اور بولا۔

”پہلی برتھ ڈے!“ وہ شدید حیرانی کے عالم میں پہلے بوکے اور پھر اسے دیکھ رہی تھی جو انتہائی محبت سے یک ٹک اسے دیکھنے میں مصروف تھا۔ اسے تو یاد ہی نہیں تھا کہ آج اس کا برتھ ڈے ہے اور نہ ہی اس نے کبھی امان کو اپنی ڈیٹ آف برتھ بتائی تھی۔

”تھینک یو امان!“ اس نے مدہم سی آواز میں کہا۔

اس کے لئے یہ دن کتنا اہم تھا، اس کا اندازہ اسے امان کے اس طرح دس کرنے پر ہوا تھا، جب ہی اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

”ادنبہ سیدہ! رونا نہیں، گفٹ میں شام کو دوں گا تمہیں یار!“ وہ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر غفلت سے بولا اور اسے اپنے قریب کر لیا۔ جبکہ اس کی بات پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ آکر ظہر گئی تھی۔

”سیدہ! آج تم شکرانے کے نوافل ضرور ادا کرتا۔“ اس نے کہا۔

”وہ کس لئے؟“ اس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”اللہ کا شکر ادا کرنا کہ تمہاری زندگی کا یہ سال بھی خیریت سے گزر گیا۔“ وہ رمان سے بولا۔ جبکہ وہ تاجی کے عالم میں اسے دیکھتی رہی۔

اس کا تو ہر سال ہی خیریت سے گزرتا تھا تو یہ سال بھی تو خیریت سے گزرتا تھا۔ اس نے تعجب سے سوچا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا اور آفس کی تیاری کرنے لگا جبکہ وہ بھی اس کے لئے ناشتہ بنا کر آفس جانے کے لئے خود بھی تیار ہونے لگی۔

”سیدہ! اٹھو نماز کا وقت ختم ہو رہا ہے۔“ وہ ابھی ابھی فجر کی نماز پڑھ کر آیا تھا اور اسے بدستور سوتا دیکھ کر جگانے کی کوشش کرنے لگا۔

جبکہ وہ اس پر ایک سرسری نظر ڈال کر دوسری جانب کروٹ لے کر دوبارہ سو گئی تو وہ اس کے سرہانے بیٹھ کر دیر دیر سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔

”اٹھ جاؤ سیدہ! یہ وقت ایک بار ہاتھ سے چلا گیا تو کبھی واپس نہیں آئے گا۔“ وہ اس کے یوں جگانے پر فوراً آنکھیں کھول کر اسے مسکرا کر دیکھنے لگی۔

”چلو جلدی اٹھو! شاباش! دیر ہو رہی ہے۔“ وہ بیڈ پر سے اٹھتے ہوئے بولا تو اس نے یکدم اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو وہ سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

”تم مجھے روز اسی طرح جگاؤ گے نا امان!“ اس نے ایک آس سے پوچھا تو وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ پھر اثبات میں سر ہلا کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”جلدی سے نماز پڑھو پھر تمہارے لئے ایک سرپرائز ہے میرے پاس۔“ وہ فوراً بستر سے نکل آئی اور وضو کے لئے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

ایک بڑی سی سفید شال کو اپنے چاروں طرف لپیٹے وہ جائے نماز پر کھڑی تھی۔ جبکہ وہ بیڈ پر لیٹا اس کے صبح چہرے کو اپنی پوری محویت کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ سفید شال کے ہالے میں اس کا معصوم سا روپ مزید دمک رہا تھا۔

مگر امان کو وہاں نہ پا کر وہ یکدم پریشان ہو اُنھی۔

”امان!“ اسے ڈھونڈتے ہوئے وہ گھبراہٹ کے عالم میں لاؤنج میں چلی آئی۔

”ادھر ہوں سیّد!“ ڈائننگ روم سے آتی اس کی نرم آواز پر اس کے اوسان بحال

ہو گئے اور وہ فوراً ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

”کہو! کیا بات ہے؟ کیوں پریشان ہو؟“ وہ اس پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر بولا اور

پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اسے دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس بھرا اور سہولت سے

چلتے اس کے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ وہ ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا رہا تھا۔

وہ حیران حیران سی نظروں سے ڈائننگ ٹیبل پر بچی مختلف ڈشز کو اور پھر اسی حیرانی سے

اسے دیکھ رہی تھی جو نہایت مستعدی سے ہر چیز بڑے قریب سے سیٹ کر رہا تھا۔

”کھڑی کیوں ہو؟ آؤ! یہاں بیٹھو!“ وہ اسے مسلسل کھڑا دیکھ کر ایک چیز کی طرف

اشارہ کر کے بولا تو وہ خالی خالی ذہن کے ساتھ اسی چیز پر ٹک گئی۔

ٹیبل پر چائیز رائس، چکن پنچورین اور فروٹ سیلڈ کے علاوہ بالکل درمیان میں ایک

شیشے کی پلیٹ پر ایک عدد چاکلیٹ پیسٹری پر تھکی سی جلتی موم جی کو دیکھ کر بے ساختہ اس کی

آنکھیں بھر آئیں۔

”آہ ہاں! سیّد! رونا نہیں ہے۔ بانی گاڈ! یہ سب میں نے تمہارے لئے ہی بنایا ہے،

بہت بھوک لگی ہے کیا؟“ اسے یوں یک ٹک ڈائننگ ٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے مسکرا

کر راز داری سے پوچھا تو یکدم اس کی ہنسی چھوٹی گئی۔ اسے ہنسا دیکھ کر وہ بھی کھل کر مسکرا دیا۔

”چلو سب سے پہلے یہ منی کیک کاٹو پھر جلدی سے کھانا کھاتے ہیں، بہت بھوک لگی

ہے۔“ اس نے کیک ٹائف اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو اس نے فوراً پیسٹری کو درمیان

سے کاٹ دیا۔

”تم پوچھو گی نہیں کہ میں کیک کے بجائے یہ ایک پیسٹری کیوں لایا ہوں؟“ وہ اس کا

چھوٹا سا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے خوشگوار موڈ میں بولا۔

”کیوں؟“ اس نے پوچھا۔

”کیونکہ میں اکثر سوچتا تھا کہ لوگ کس قدر بیوقوف ہوتے ہیں جو دو تین افراد میں بھی

وہ کبھی کبھار شام کو امان سے پہلے ہی آفس سے آجایا کرتی تھی اور اس کی سب سے پہلی

کوشش یہی ہوتی تھی کہ وہ امان کے آنے سے پہلے پہلے کھانا تیار کر لے۔

آج بھی اس کا بے حد دل چاہ رہا تھا کہ وہ جلدی گھر پہنچ کر امان کے لئے کچھ آپیشل

کھانا بنائے۔

”ماما! میں گھر جاؤں؟“ وہ شام پانچ بجے نہایت غلبت میں پرس سنبھالتی ان کے آفس

میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

”نہیں سیّد! ابھی تو بہت کام ہے آفس میں، یہ فائل مکمل نہیں ہوئی، تم ذرا اسے چیک

کر کے مجھے بتاؤ کہ اگلے پروجیکٹ پر کیسے کام شروع کرنا ہے؟“ وہ ایک فائل ان کی طرف

بڑھاتے ہوئے مصروف سے انداز میں بولیں تو اس نے ناچار وہ فائل تمام لی۔

”ماما! میں..... میں یہ فائل گھر جا کر اسٹڈی کر لوں گی اور آپ کو کل اس کے بارے میں

رپورٹ دے دوں گی۔“ اس نے ان کے گہڑے موڈ کے پیش نظر احتجاجیہ انداز میں کہا مگر اس

کا وہ جواب سن کر غصے سے اسے گھورنے لگیں۔

”جنہیں معلوم ہے ناں! مجھے آج کا کام کل پر ڈالنے کی عادت نہیں ہے۔“ وہ ان کی

نظروں سے ہراساں ہو کر فائل کو مضبوطی سے تمام کر باہر نکل گئی۔

جس وقت وہ اس فائل کو مکمل کر کے آفس سے نکلی اس وقت رات کے دس بجے تھے۔

اس کی آنکھیں بے اختیار بھیگ رہی تھیں۔ پتہ نہیں کیوں اس کا دل بہت بوجھل بوجھل

سا ہو رہا تھا۔ وہ غیر ارادی طور پر سارا دن ماما کی طرف سے ان الفاظ کی منتظر تھی جو اس نے

آج سب سے پہلے امان کے منہ سے سنے تھے۔

امان کا خیال آتے ہی وہ ایک بار پھر تاسف میں گھر گئی تھی۔ اس نے رسٹ وائچ پر ایک

نظر ڈالی، ساڑھے دس بج رہے تھے۔ امان گھر پہنچ گیا ہوگا۔ اس نے ڈرائیونگ فاسٹ کر دی

تھی۔ فلیٹ کے دروازہ تک پہنچتے پہنچتے کتنے خیال اس کو ستارہ تھے۔ آج وہ امان کے لئے

چاہنے کے باوجود کھانا تیار نہیں کر سکی تھی۔ ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی جمع

ہو گیا تھا۔ اس نے یاسیت سے ڈور ٹیل پر ہاتھ رکھنا چاہا مگر دروازہ کھلا دیکھ کر وہ فوراً اندر داخل

ہو گئی اور سیدھی اپنے بیدروم کی جانب بڑھ گئی۔

”تم نے شکرانے کے نوافل ادا کئے۔“ کھانا شروع کرتے ہوئے اس نے اچانک پوچھا تو وہ گھبرا کر اسے دیکھنے لگی۔

”نہیں!“ اس نے پریشانی سے اس کو جواب دیا۔

”کیوں؟“ اس نے عام سے لہجہ میں پوچھا۔

”وہ میں..... میں بھول گئی تھی۔“

”ٹھیک ہے! کھانا کھانے کے بعد پڑھ لیتا۔“ اس نے نرمی سے کہا تو اس نے فوراً اپنی رُک سانس بحال کی اور کھانا شروع کر دیا۔



”ہم تمہارا احسان کبھی نہیں بھولیں گے بیٹا! اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔ اللہ تمہیں دونوں جہانوں کی خوشیاں دے بیٹا!“ وہ روتے ہوئے مسلسل اسے دُعائیں دیئے جا رہی تھیں۔

”آئی! پلیز! پلیز! ایسا مت کہیں۔ میں آپ کا بیٹا ہوں ناں! پھر احسان کیسا؟ بس آپ میرے لئے دُعا کیا کریں اور مجھے کچھ نہیں چاہئے۔“ وہ انکساری سے بولا۔

”امان بھائی! آپ پاکستان ہم سے ملنے تو آئیں گے ناں!“ عینا نے آرزوگی سے پوچھا۔

”ضرور آؤں گا عینا!“ وہ مسکرا کر بولا۔

”اگر تم نہ ہوتے بیٹا! تو پتہ نہیں ہم کب تک اس انجانی جگہ پر بھٹکتے رہتے۔“ دادا ابو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے تشکرانہ آمیز انداز میں بولے۔

”انکل! پلیز! آپ تو ایسی بات مت کیجئے، میں نے تو بس ایک جھوٹی سی کوشش کی تھی کہ آپ لوگوں کو آپ کے ملک بھجوادوں اور باقی سب تو اللہ کی مرضی کے مطابق ہوتا چلا گیا تھا۔“ اس نے عاجزی سے کہا۔

”بہر حال! کل آپ سب کی فلائٹ ہے اور میں آپ لوگوں سے کل ملنے نہیں آ سکتا تھا اسی لئے آج ملنے چلا آیا۔“

”کیوں امان بھائی! آپ کل کیوں نہیں آئیں گے؟“ عینا نے شکایتی انداز میں کہا۔

پورا ایک لے کر چل پڑتے ہیں حالانکہ وہ محض ایک ایک پیس ہی کھا پاتے ہیں تو میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر میں نے کبھی اپنی بیوی کی سالگرہ کا انتظام کیا تو صرف ایک عدد میٹری سے ہی کام چلا لوں گا۔ صبح سوچاناں میں نے؟“ وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے شرارت سے بولا تو وہ سراہنے والے انداز میں مسکراہٹ دبائے اثبات میں سر ہلا گئی۔

”تم ہنسنا چاہتی ہو تو کھل کر ہنس جا ناں! امان!“ اس نے محبت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ اس کے اس طرح کہنے پر بے ساختہ ہنس پڑی۔

”یہ لو!“ اس نے ایک رپر میں لپٹا گفٹ پیک اس کی طرف بڑھایا تو یکدم اس کی ہنسی رُک گئی۔

”امان! مجھے صرف تمہاری محبت چاہئے۔“

”یہ میری محبت کا ایک چھوٹا سا اظہار ہے سیدہ! اور اظہار کو صرف لفظوں میں ڈھال کر ہی تو ظاہر نہیں کیا جاسکتا ناں! مجھے بہت اچھا لگے گا اگر تم اس گفٹ کو محبت سے ہی استعمال کرو۔“

وہ آفس میں جس قدر آپ سیٹ تھی گھر پہنچ کر اسے امان کی اتنی محبت پر بے ساختہ پیار آ رہا تھا۔

اس نے خاموشی سے وہ گفٹ تھام لیا اور پھر آہستگی سے اسے کھول کر دیکھنے لگی۔ اس میں نازک سے ڈائمنڈ ایر رنگز جگمگا رہے تھے۔

تب ہی امان نے ایک ایک کر کے اس کے کانوں میں پہنا دیئے۔ جبکہ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔

”چلو اب جلدی سے کھانا شروع کرو، مجھے بہت بھوک لگی ہے۔“ وہ رائس اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے بولا۔

”امان! آج میں خود یہ سب تمہارے لئے بنانا چاہتی تھی لیکن.....“ وہ کھانے کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

”کوئی بات نہیں! میں بھی تو یہی چاہتا تھا کہ آج میں خود تمہارے لئے یہ سب بناؤں۔“ وہ دھیرے سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر بولا تو وہ یکدم خاموش ہو گئی۔

پر پہنچا، اس وقت شام کے پانچ بجے تھے۔ ملکبسا اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ گھر میں مکمل سناٹا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا ان کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ دروازہ اودھ کھلتا تھا۔ اس نے ہلکا سا ہلکے سے دروازہ کھلتا چلا گیا۔

وہ سامنے ہی زمین پر جائے نماز بچھائے قرآن شریف پڑھنے میں مصروف تھیں۔ بلکی سی آہٹ پر انہوں نے دروازے کی جانب دیکھا جہاں وہ اجازت طلب نظروں سے انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے یوں اچانک اپنے کمرے میں دیکھ کر حیران ہی ہو گئی تھیں۔ انہوں نے سر کے اشارے سے اسے اپنے پاس آنے کو کہا اور پھر قرآن شریف بند کر کے بک فیلٹ میں رکھ دیا۔

”السلام علیکم آئی!“

اس کے منہ سے لفظ ”السلام علیکم“ سن کر ان کے چہرے پر رونق بکھر گئی تھی۔

”وعلیکم السلام بیٹا! کیسے ہو؟“ انہوں نے محبت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

”میں ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں؟“

”اللہ کا شکر ہے بیٹا! لیکن تم مجھے آئی مت کہو، سیدہ مجھے گریزا مانتی ہے مگر میرا دل چاہتا ہے کہ وہ مجھے ثانی اماں کہے، لیکن شائستہ!.....“ وہ بات کرتے کرتے اچانک زک گئیں اور پھر دوبارہ گویا ہوئیں۔

”سیدہ! کیسی ہے بیٹا!“

”وہ ٹھیک ہے آئی!“ اس نے جواب دیا۔

”اماں! تم سیدہ کا خیال رکھنا۔“ وہ التجائیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

”آپ آپ مجھے بار بار اس کا خیال رکھنے کو کیوں کہتی ہیں؟“ وہ تعجب سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا۔

”کیا آپ کو نہیں لگتا کہ میں اس کا خیال رکھتا ہوں گا؟“

”ایسی بات نہیں ہے بیٹا! میرا دل کہتا ہے کہ تم اس سے بہت محبت کرتے ہو لیکن سیدہ وہ بہت نا سمجھ ہے۔ وہ خدا میں اور اللہ میں فرق نہیں جانتی بیٹا! بس تم جو اسے یہ فرق بتا سکتے ہو کیونکہ تم واقعی جانتے ہو کہ اللہ کون ہے؟“ وہ بڑے غور سے ان کی باتیں سن رہا

”کل میری ایک بہت اہمورتن میٹنگ ہے عینا! ورنہ میں کل ضرور آتا۔“ اس نے وجہ بتائی۔

”او کے آئی! انگل! اب میں چلتا ہوں، مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ چائے کا خالی کپ میز پر رکھ کر اٹھتے ہوئے بولا تو وہ سب بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

”اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے بیٹا!“ آئی اس کی پیشانی چومتے ہوئے محبت سے بولیں۔

”بس! مجھے آپ لوگوں کی دعا کی ہی ضرورت ہے آئی!“ وہ مسرت سے گویا ہوا۔

تب ہی انگل آگے بڑھے اور اس کی طرف وہی پرنور مقام خانہ کعبہ کی تصویر جو ایک نقیص سے فریم میں مقید تھی، بڑھادی جسے دیکھ کر بے ساختہ اس کی آنکھیں جھلکا اٹھیں تھیں۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اسے عقیدت سے تمام لیا۔

”یہ تمہارے لئے میری طرف سے تحفہ ہے بیٹا! اللہ تمہارا ہمیشہ نگہبان رہے۔“ دادا ابو نے کہا۔

”شکریہ انگل! میں..... میں بتا نہیں سکتا کہ میں کس قدر خوش ہوں۔“ اس کے چہرے سے چھلکتی عقیدت کا اندازہ انہیں بخوبی ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ان سب سے الوداعی کلمات ادا کرتا ہوا گھر سے باہر نکل آیا۔ آج اس کا دل عجیب سی محرومی کا شکار ہو رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ آج ایسے لوگوں سے دور ہو رہا تھا کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے خاص اسی کے لئے اس جگہ بھیجا تھا۔ جن کے پاس آکر اسے نیکی کا احساس ہوتا تھا اور یہی محسوس ہوتا تھا کہ نیک لوگ دنیا میں ہوتے ضرور ہیں مگر وہ سب کو ہی نہیں مل جاتے، جب تک اس کی رضامندی نہیں ہوتی۔ کوئی کسی سے نیک ہدایت نہیں لے سکتا۔ وہ جسے چاہے اور جس کے ذریعے چاہے اپنا بنالیتا ہے۔ تب ہی بالکل اچانک اس کا دل چاہا کہ وہ شائستہ آئی کے گھر اسی نیک اور پرمشفق خاتون سے ملے جن کے چہرے پر اس نے یاسیت کے گہرے سمندر کو مسکت دیکھا تھا۔ ان کی آنکھیں پرنور تھیں مگر اس کے باوجود اسے لگا تھا کہ وہ بالکل دیران دیران سی تھیں۔ کسی کی محبت سے محرومی اور اس کا گہرا دکھ ان کے چہرے پر رقم تھا۔

اس نے گاڑی کا زرغ شائستہ آئی کے گھر کی جانب موڑ دیا۔ جس وقت وہ ان کے گھر

تھا۔ وہ بہت پرہیزگار ہیں، عبادت گزار ہیں تو وہ سیدہ کو ان سب چیزوں کے بارے میں آگاہ کیوں نہیں کر سکتی اب تک؟

اس کا ذہن اس سوال پر آکر منتشر ہو رہا تھا مگر وہ چاہنے کے باوجود بھی ان سے انتہائی ذاتی نوعیت کا یہ سوال نہ پوچھ سکا۔

”آپ..... آپ شائستہ آئی کی مہر ہیں؟ لیکن میں نے آپ کو کبھی اس کمرے سے باہر حتیٰ کہ اپنی شادی پر بھی نہیں دیکھا تھا اور سیدہ نے بھی آپ کے بارے میں کچھ خاص نہیں بتایا۔“ وہ پریشان پریشان سے لہجہ میں بول رہا تھا۔

”لیکن مجھے پتہ نہیں کیوں آپ میں بہت دلچسپی محسوس ہوتی ہے۔ آپ بہت اچھی ہیں گرینڈا! اور شاید بالکل ویسی جیسی میں اپنی ماما کو دیکھنا چاہتا تھا۔“ وہ ان کے خیف ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بولا تو ان کی آنکھیں چمک پڑیں۔

”تمہیں دیکھ کر اولاد کی محبت ایک بار پھر میرے سینے میں بہک رہی ہے۔“ وہ ایک ہاتھ کی مدد سے اپنے چہرے پر پھیلنے والے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

”تم مجھ سے ملنے آتے رہا کرو جیٹا! میرا بہت دل کرتا ہے کسی اپنے سے ڈیر ساری باتیں کرنے کو۔“ وہ مزید بولیں۔

”میرا بھی بہت دل چاہتا ہے گرینڈا! جیسی تو آج یوں اچانک آپ سے ملنے چلا آیا ہوں۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”اچھا گرینڈا! ابھی جو آپ پڑھ رہی تھیں وہ..... وہ قرآن شریف ہے ناں!“ اس نے ایک نظر بک حیلے میں رکھے قرآن شریف کی طرف دیکھ کر کہا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”آپ مجھے یہ پڑھنا سکھائیں گی ناں!“ اس کے لہجہ میں واضح لگن موجود تھی۔

”کیوں نہیں جیٹا! میں تمہیں قرآن شریف پڑھنا ضرور سکھاؤں گی بلکہ تمہیں پڑھا کر میں اپنی زندگی کی یہ بڑی خواہش ضرور پوری کروں گی جو میں آج تک نہیں کر سکی تھی۔“ ان کے چہرے پر اچانک ایک تاریک ساسیہ آکر گزر گیا تھا۔

”اوکے گرینڈا! میں اب چلتا ہوں۔“ یہ تھوڑی دیر بعد اٹھتے ہوئے بولا۔

”ارے! میں بھی باتوں میں گم ہو گئی تھی، تم سے چائے کافی کا تو پوچھا ہی نہیں۔“ وہ شرمندہ سی ہو رہی تھیں۔

”یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ گرینڈا! مجھے ضرورت ہوتی تو میں سب سے پہلے آپ کو چائے بنانے کا ہی کہتا۔“ اس نے اپنائیت سے کہا تو وہ اس کی محبت پر فریفتہ ہو گئیں۔

”جیتے رہو جیٹا!“

”جی! کیا کہا آپ نے؟“ وہ بے خیالی میں اردو میں کہے گئے ان کے الفاظ کے مفہوم کو سمجھ نہیں پایا تھا جبکہ اس کے طرح پوچھنے پر وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگیں تو وہ بھی دھیرے سے ہنس کر بولا۔

”میں جانتا ہوں آپ نے مجھے دعائی دی ہوگی۔“ اس کی بات پر انہوں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

”ویسے میں آپ سے اردو زبان بھی ضرور سیکھوں گا۔“ وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے خوشگوار سی بولا۔

”ضرور جیٹا! میں تمہیں ضرور سکھاؤں گی۔“ انہوں نے محبت سے کہا۔

”اوکے گرینڈا! اللہ حافظ!“

”اللہ حافظ جیٹا!“

جس وقت وہ ان کے گھر سے باہر نکلا شام کے سات بجے تھے۔ آج کا دن کیسے اتنی جلدی گزرا، اسے پتہ ہی نہیں چلا۔ بہر حال جہاں آج وہ کچھ لمول سا تھا وہیں گرینڈا سے مل کر خوش بھی تھا۔

♦ ♦ ♦

”ارے! تم لوگ اچانک یہاں؟“

ڈور بیل کی آواز پر دروازہ کھولتے ہی ان سب کو اپنے سامنے پا کر وہ حیرت کے ساتھ ساتھ خوشگوار سی گویا ہوئی اور باری باری ان سب سے گلے ملنے لگی۔

”ہمیں تو تمہاری یاد آئی گئی سیدہ! لیکن لگتا ہے کہ تم نے ایک شخص کے ساتھ وفا کر کے باقی سب کے ساتھ بے وفائی کر ڈالی ہے۔“ مدھو نے معنی خیز انداز میں کہا جبکہ وہ اس کا

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد جب وہ کچن سے باہر نکلی تو ہر چیز تیار تھی۔ رات کے آٹھ بجے تھے، وہ جلدی جلدی کھانا ٹیبل پر لگانے لگی۔ تب ہی ڈور بیل کی آواز پر وہ فوراً دروازے کی جانب بڑھی۔

”آج تم جلدی آگئیں۔“ وہ اس کی طرف کوٹ بڑھاتے ہوئے بولا۔

”ہاں!“ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولی۔

”اماں! آج میری کچھ فرینڈز آئی ہیں۔ وہ میرا برتھ ڈے سلیمینٹ کرنا چاہتی ہیں۔

تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے ناں!“ وہ استفسار کرنے لگی۔

”مجھے کیا اعتراض ہوگا بھلا؟ بس! مجھے جلدی سے کھانا لگا دو، بہت بھوک لگی ہے۔ تب

تک میں پہنچ کر رہوں۔“ وہ بیڈروم کی طرف بڑھتے ہوئے بولا تو وہ جلدی سے کچن میں گھس

گئی اور اس کے لئے کھانا گرم کرنے لگ گئی۔

”تم لوگوں نے میرے بغیر ہی کھانا شروع کر دیا؟“ تھوڑی دیر بعد جب وہ ڈائننگ

ہال میں داخل ہوئی تو وہ تینوں ڈٹ کر کھانا کھانے میں مصروف ہو چکی تھیں۔

”تمہارا انتظار کرتے تو اب تک گاڑ کو عزیز ہو چکے ہوتے۔“ مدھونے اپنی پلیٹ کے

ساتھ پورا پورا انصاف کرتے ہوئے کہا۔

دس پندرہ منٹ بعد وہ کھانے سے فارغ ہو کر اس کا برتھ ڈے سلیمینٹ کرنے میں

مشغول ہو چکی تھیں۔ اس وقت رات کے دس بجے تھے اور ساتھ والے کمرے سے آتا میوزک

کا بے ہنگم شور اسے یکسوئی سے نماز پڑھنے سے روک رہا تھا۔

”سیدہ! سیدہ!“ سلام پھیرنے کے بعد اس نے کئی بار اسے آواز دی مگر شاید اس تک

اس کی آواز نہیں پہنچ پاری تھی۔

تب اس نے اگلی رکعت کی نیت باندھی اور ساری توجہ اپنی نماز کی جانب مبذول کرنے

کی کوشش کرنے لگا مگر تیز ہوتے میوزک کے ساتھ ساتھ ان چاروں کا شور اسے جھنجھلاہٹ

میں مبتلا کر رہا تھا۔

جلدی سے سلام پھیر کر وہ کمرے سے باہر نکل آیا اور لاؤنج کے دروازے پر کھڑے ہو

کر دوبارہ اسے آوازیں دینے لگا۔

مطلب سمجھ کر کھل کر ہنس پڑی اور بولی۔

”ہاں بالکل! اور اس شخص کے ساتھ وفا کر کے اتنی زیادہ بے وفائیاں کرنے کا کوئی

افسوس بھی نہیں ہے۔“

”مجھے شروع سے ایسا ہی لگتا تھا کہ تم جس کسی کی بھی ہوگی تو صرف اسی کی ہو کر رہ جاؤ

گی۔“ کیتھرین مزے سے صوفے پر بیٹھتی ہی بولی۔

”ویسے ایک بات بتاؤ! تم لوگوں کو میری زیادہ یاد آ رہی تھی یا اماں کی؟“ وہ مصنوعی غصے

سے بولی تو وہ یکدم کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

”تم سناؤ کئی! تمہارے سنے ہوئے فرینڈ کا کیا حال ہے؟“ وہ صوفے پر ہی کئی کے

قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

”چھوڑو یار! وہ بھی میرے قابل نہیں تھا۔“ کئی نے انتہائی بیزارگی کے عالم میں کہا تو وہ

اس کی روئی صورت دیکھ کر بے ساختہ ہنس پڑی۔

”ایسا کرو کئی! تم شادی کر لو! یہ ہوئے فرینڈ کی پریشانی سے چھٹکارا تو مل جائے گا

ناں!“ اس نے پُر خلوص مشورہ دیا تو وہ لا پر دہائی سے شانے اچکا کر رہ گئی۔

”خیر چھوڑو بھئی! اس بات کو۔“ مدھونے بھی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

”سیدہ! جلدی سے ہمارے لئے کھانے پینے کا انتظام کرو، اوکے! آج ہم تمہارے گھر

پر ہی کھانا کھائیں گے۔“

”اصل میں آج ہم تمہارا برتھ ڈے سلیمینٹ کرنا چاہ رہے تھے۔“ کئی نے کہا۔

”تم لوگوں کو آج ایک ہفتے بعد میرا برتھ ڈے یاد آ رہا ہے؟“ اس نے شکوہ کیا۔

”کیا کریں یار! باب ہی ایسی ہے کہ وقت ہی نہیں ملتا۔“ کیتھرین نے اکتا کر کہا۔

”تم لوگ ٹی وی دیکھو، میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔“ وہ ٹی وی آن کر کے کچن کی طرف

جاتے ہوئے بولی۔

آج وہ اتفاق سے آفس سے جلدی گھر آگئی تھی اور آتے ہی اس نے کھانا بنا لیا تھا مگر

اب ان کے لئے کچھ خاص ذر تیار کرنا تھا۔

انہیں کافی سرو کرنے کے بعد وہ کچن کے کاموں میں بری طرح مصروف ہو گئی تھی۔

میں آپ سب کو ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔“ وہ ان کے نشے میں ڈمگاتے قدموں کی طرف اشارہ کر کے وارننگ دینے والے انداز میں بولا تو وہ چپ چاپ باہر نکل گئیں۔ جبکہ اس نے آگے بڑھ کر دروازہ لاک کیا اور پلٹ کر اسے دوبارہ انہی خشکیں نظروں سے گھورنے میں مصروف ہو گیا۔ تاہم وہ مستقل سر جھکائے کھڑی تھی۔

”سیدہ! کمرے میں آؤ ذرا۔“ وہ اسے بلا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

وہ اس وقت شدید ذہنی کرب میں مبتلا تھا۔ اسے سیدہ کی جانب سے تشویش لاحق ہو رہی تھی۔ وہ اپنے گھر میں کیسے ان حرام چیزوں کا استعمال کرنے دے سکتی ہے؟ اس کی سمجھ سے یہ سب بالاتر تھا۔ وہ مسلمان ہے اور نمازیں بھی پڑھتی ہے اس کے باوجود اچھائی اور برائی میں فرق کو نہیں سمجھ سکتی۔

”آخر کیا وجہ ہے؟“

اس کا ذہن الجھ رہا تھا۔ اس نے جائے نماز تہہ کر کے سائیڈ پر رکھ دیا اور اس کا انتظار کرنے لگا مگر بیس منٹ گزر جانے کے باوجود وہ اب تک کمرے میں نہیں آئی تھی۔ وہ اٹھا اور لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔

وہ لاؤنج میں اسی جگہ کارپٹ پر بیٹھی تھی جہاں تھوڑی دیر پہلے وہ اسے کھڑی چھوڑ کر گیا تھا۔

وہ گھٹنوں میں منہ دیئے بیٹھی تھی۔

”سیدہ!“ اس نے آہستہ سے پکارا جس پر اس نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا مگر اس کی نظروں میں پہلے والی سختی موجود نہیں تھی۔

”اٹھو یہاں سے اور یہاں آکر بیٹھو میرے پاس۔“ وہ قریبی صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا تو وہ سہمی سہمی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اسے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ اسے کیا کہے گا؟

اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

”رونے کی ضرورت نہیں ہے سیدہ! یہاں آؤ میرے پاس۔“ اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی کو دیکھ کر وہ نرمی سے بولا تو وہ ہمت کر کے اٹھ کھڑی ہوئی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی

”سیدہ! ایک منٹ باہر آ کر میری بات سنو!“ وہ جیسے ہی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جانے لگا تھا، وہ خود اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی اور سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

”سیدہ! میں نماز نہیں پڑھ سکتا اس قدر شور میں۔“ وہ قدرے سخت لہجے میں گویا ہوا۔

”میں بند کر دیتی ہوں امان!“ وہ اس کے لہجے میں درشتی کو محسوس کر کے سہمی گئی تھی۔

جبکہ وہ واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا اور دوبارہ نماز وہیں سے شروع کرنے لگا جہاں سے اس نے چھوڑی تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ عشاء کی نماز کے بعد نوافل پڑھنے میں مصروف تھا جب میوزک کا وہی بے ہنگم شور اسے دوبارہ سنائی دیا۔ وہ ضبط کرتا ہوا دوبارہ نوافل پڑھنے میں مصروف ہو گیا مگر اپنی پوری کوشش کے باوجود وہ یکسوئی سے نہیں پڑھ پارہا تھا۔ اس نے نام دیکھا، رات کے گیارہ بجے تھے۔ وہ جائے نماز پر سے اٹھا اور لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔ پھر چند قدم چل کر اس کے قدم خود بخود دھم سے گئے تھے۔

لاؤنج کے کھلے دروازے سے اندر کا سارا منظر واضح تھا۔ ان تینوں کے ہاتھوں میں واٹن کے گلاس اور ان کے ڈمگاتے جسم دیکھ کر ایک لمحے کے لئے اس کا خون کھول گیا تھا۔ تب ہی اس کی نظر قریب ہی صوفے پر بیٹھی سیدہ پر جا پڑی جو بالکل خالی ہاتھ نظر آرہی تھی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا لاؤنج کے دروازے پر پہنچ گیا اور خشکیں نظروں سے اسے گھورنے لگا جو اس کے یوں اچانک آنے پر اور اتنی تیز نظروں سے دیکھنے پر ہراساں ہو گئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر میوزک آف کر دیا۔

”آپ سب ایک منٹ سے پہلے ان تمام لوازمات سمیت میرے گھر سے نکل جائیں پلیز!“ وہ بمشکل اپنے غصے پر قابو کئے ہوئے تھا۔

جبکہ وہ تینوں حیران حیران سی ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔

”سنائیں آپ لوگوں نے میں کیا کہہ رہا ہوں؟“ وہ گرج کر بولا تو وہ تینوں لڑکھڑاتے قدموں سمیت باری باری کمرے سے باہر نکل گئیں۔

”اگر آپ لوگ آئندہ میرے گھر اس حالت میں آئیں یا اس حالت میں واپس گئیں تو

سمجھ آگیا تھا کہ حرام شے کا استعمال کر کے جس طرح ایک انسان دوسرے سے دُور ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ بھی اپنے بندے سے دُور ہوتا جاتا ہے اور کیا تھا اگر وہ ڈرک نہیں لیتی تھی؟ لیکن اس کے استعمال کو اب بھی تو نہیں سمجھتی تھی۔

وہ یکدم چہرہ ہاتھوں میں لے کر رو پڑی تو اس نے اس کے گرد بازو پھیلا لئے۔ وہ اس کے سینے میں منہ چھپا کر رو رہی تھی جبکہ اس نے اطمینان کا گہرا سانس بھرا تھا۔ شاید وہ آج اس کی بات کو اچھی طرح سمجھ پائی تھی اور یہی اس کے لئے باعث اطمینان تھا۔



”سیدہ! تمہیں پتہ ہے کہ امان تمہاری گریڈ ما سے ملنے یہاں آتا ہے؟“ آج سُنڈے تھا اور ماما نے خاص طور پر اسے اپنے گھر بلوایا تھا۔ جبکہ ان کی بات سے زیادہ ان کے لہجے سے وہ خوفزدہ سی ہو گئی تھی۔

”نوماما! مجھے نہیں معلوم۔“ وہ صاف گوئی سے بولی۔

”تمہیں نہیں معلوم تو کسے معلوم ہے سیدہ! کہ تمہارا شوہر کب اور کہاں کس سے ملنے جاتا ہے؟“ اس کی بات سن کر وہ چیخ ہی پڑیں۔

”جبکہ تمہیں پتہ ہے کہ مجھے کتنا سخت ناپسند ہے کہ تم اپنی گریڈ ما سے بات کرو اور اسی طرح مجھے امان کا بھی ان سے ملنا پسند نہیں ہے۔ میری یہ بات اچھی طرح سن لو سیدہ! کہ میں آئندہ امان کو ان سے ملنے یا بات کرتے نہ دیکھوں۔“ انہوں نے اسے وارن کرنے والے انداز میں کہا۔

”ماما! پلیز آپ..... آپ مجھ سے ناراض مت ہوں۔ میں امان سے بات کروں گی۔“ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

جبکہ نی دی لاؤنچ سے ماما کی نیز آواز ان تک بآسانی پہنچ رہی تھی۔ ان کے نحیف جسمروں بھرے ہاتھوں میں واضح لرزش تھی۔ ان کا آنسوؤں سے تر چہرہ مجدے میں جھکا ہوا تھا۔ تو گویا وہ امان کو بھی ان سے دُور کرنا چاہتی ہیں جیسے انہوں نے سیدہ کو ہمیشہ ان سے دُور رکھا تھا۔ آج وہ جی بھر کر رونا چاہتی تھیں مگر آنسو بھی ان کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ قطرہ قطرہ

ہوئی اس کے پاس کچھ فاصلے پر آکر بیٹھ گئی۔

وہ بہت الجھی الجھی سی لگ رہی تھی۔

سر جھکائے، آنکھیں نیچی کئے وہ پلکوں میں اٹکے آنسوؤں کو خشک کرنے کی کوشش میں غلطاں تھی۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسائے اپنے اندر کے اضطراب کو کسی طور کم نہیں کر پارہی تھی۔

اس کی کیفیت کا بخوبی جائزہ لینے کے بعد اس نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تو وہ محض ایک نظر میں اسے سر اٹھا کر دیکھ پائی تھی، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے فوراً سر جھکا لیا۔

”امان! میں نے ڈرک نہیں لی۔“ تھوڑی دیر بعد وہ انجانے خدشے کے تحت اس کی طرف دیکھ کر نرم لہجے میں اتنا ہی کہہ پائی۔

”میں جانتا ہوں سیدہ!“ وہ اس کا چہرہ اُپر کرتے ہوئے بولا جہاں نمی اور شرمندگی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اس کا دل مزید پُتچ گیا تھا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم آج تو کیا کبھی بھی اس چیز کو چھونا پسند نہیں کرو گی لیکن کیا تم یہ پسند کرو گی کہ ہمارے گھر میں اس حرام چیز کا استعمال ہو؟“ وہ سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”تمہیں یہ چیز اگر پسند نہیں ہے سیدہ! تو شاید صرف اس لئے کہ اس کو استعمال کرنے کے بعد تمہاری ماما تمہاری برتھ ڈے پر بہک جایا کرتی تھیں اور جس کی وجہ سے تم ان کی توجہ اور محبت سے محرومی محسوس کرتی تھیں۔ لیکن سیدہ! اگر تم اسی چیز کو اس لئے ناپسند کرو کہ اس کو استعمال کرنے کے بعد اللہ محسوس کرتا ہوگا کہ اس کا بندہ اس سے دُور ہو رہا ہے تو کیا یہ زیادہ بہتر نہیں ہوگا۔“ اس کی بات سن کر وہ دہل گئی تھی۔

اس نے تو کبھی اس بات پر سوچا ہی نہیں تھا۔ اسے تو دائن سے صرف اس لئے نفرت تھی کہ وہ خود کو ماما سے بہت دُور محسوس کرتی تھی اور اسی لئے اس نے کبھی اس کا استعمال نہیں کیا کہ کہیں ماما کو اس کی دوری برداشت نہ کرنی پڑ جائے۔ اللہ سے دُوری کا تصور تو اس کے اندر کبھی جاگا ہی نہیں تھا لیکن اب..... اب اسے حرام اور حلال کا فرق بخوبی سمجھ آگیا تھا۔ اسے

مگرتے آنسوؤں میں وہ سمندر بھر رونا چاہتی تھیں مگر برسوں سے روتے روتے ان کی آنکھیں اب محض تر ہی ہو پاتی تھیں۔

وہ انھیں اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئیں دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔ ایک ہاتھ سے انہوں نے دروازے کو تھوڑا سا کھولا اور جھری میں سے لاؤنج کی جانب نہایت جیتابی سے دیکھنے لگیں یوں جیسے کسی کو دیکھنے کو بے چین ہو رہی ہوں۔ تب ہی سیدہ کو صوفے پر سے اٹھ کر داخلی دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر ان کی روح بیتاب ہونے لگی تھی۔ اس لمحے ان کا بس نہیں چلا تھا کہ وہ آگے بڑھ کر سیدہ کو اپنے سینے سے لگا لیں مگر محسوس ہی زنجیریں ان کے پاؤں میں جکڑی ہوئی تھیں جن سے چھٹکارا ان کے بس میں نہیں تھا۔ آج کتنے دنوں بعد انہوں نے سیدہ کو دیکھا تھا۔ اس کا وجود ان کے لئے راحت کا باعث تھا مگر وہ بے خبر بالکل انجان تھی کہ ایک بوڑھی روح ان کی جانب اس کے صرف ایک بڑھتے قدم کی اس قدر منتظر ہے کہ وہ موت کی بھی دُعا مانگتے سے گریز کرتی ہیں۔

وہ اپنے بکھرے بکھرے سے وجود کو بند پر ڈالتے ہوئے زار و قطار رونے میں مصروف تھیں۔ مگر سوائے اللہ کے ان کے دل کی حالت سے کوئی باخبر نہیں تھا۔

♦ ♦ ♦

”کیا بات ہے سیدہ! میں محسوس کر رہا ہوں تم کچھ دنوں سے چپ چاپ سی ہو۔“ وہ اسے کافی گامگ تھا کہ پلٹ کر جانے ہی والی تھی جب اس نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”تمہیں نمبر پچھڑا ہوا ہے؟“ اس کے تپتے ہاتھوں کو محسوس کر کے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے قدرے تشویش سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”نہیں! ٹھیک ہوں۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”میری طرف دیکھ کر کہو!“ اس کے یوں محبت سے کہنے پر اس نے بے اختیار سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

”کب سے ہو رہا ہے نمبر پچھڑا؟ اور تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟“ وہ اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں محبت سے تھامتے ہوئے بولا تو اس کی آنکھیں چمک پڑیں۔

اس کی آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کو دیکھ کر وہ یکدم بے چین ہوا اٹھا تھا۔ اس نے نرمی سے اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

”طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو مجھے بتایا ہوتا، میں تمہیں آفس سے لینے آجاتا اور پھر وہیں سے ڈاکٹر کے پاس چل پڑتے۔ چلو خیر! اب جلدی سے تیار ہو جاؤ، ابھی چلتے ہیں ڈاکٹر کے پاس۔“ وہ اس کے چہرے کو ایک ہاتھ کی مدد سے اُپر کرتے ہوئے بولا اور پھر اسے لے کر فوراً ڈاکٹر کے پاس پہنچ گیا۔

اسے موٹی بخار تھا مگر وہ امان کو اپنے لئے پریشان دیکھ کر نجانے کیوں مطمئن سی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اسے فکر مند دیکھ کر خوش ہوتی تھی بلکہ اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ امان کے لئے بہت اہم ہے۔ وگرنہ آج وہ ماما کی طرف سے بہت ڈس ہارٹ ہو رہی تھی۔ آج جب اس نے شدید سرور کی صورت میں ماما سے گھر جانے کو کہا تو انہوں نے کس قدر بے رحمی سے انکار کیا تھا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ کاش وہ ماما سے گھر جانے کے لئے نہ ہی کہتی تو اچھا تھا۔

♦ ♦ ♦

جس وقت وہ کمرے میں آیا وہ گہری نیند سو رہی تھی۔

وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے سرہانے آ بیٹھا اور دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ اس کی پیشانی ٹیپریچر کے باعث جل رہی تھی۔ وہ پریشان پریشان سا اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

تب ہی تھوڑی دیر بعد وہ اٹھا اور لائٹ آف کر کے کمرے سے باہر نکل گیا اور اپنے نماز والے چھوٹے کمرے میں جائے نماز بچھا کر اس کی جلد صحت یابی کی دُعا مانگنے لگا۔ وہ ہر پریشانی میں یونہی جائے نماز بچھا کر نوافل پڑھنے کے بعد اللہ سے دُعا مانگنے میں سکون محسوس کرتا تھا۔

اس وقت بھی وہ پوری یکسوئی سے دُعا مانگنے میں مصروف تھا۔

”اے اللہ! مجھے مانگنے میں بہت لطف آتا ہے لیکن صرف تجھ سے مانگنے میں۔ میرے اندر کے اس فقیر کو کبھی امیر نہ کرنا کہ جس دن یہ امیر ہوا اس دن یہ لطف بھی ختم ہو جائے گا۔ یا اللہ! میں تجھ سے سیدہ کی صحت یابی کی دُعا مانگ رہا ہوں، تو قبول کر لے۔ مجھ سے پہن کی کوئی تکلیف بھی برداشت نہیں ہوتی۔ بس تو اسے ٹھیک کر دے، بالکل ٹھیک کر دے۔ یا اللہ! تو رحمن ہے، تو رحیم ہے، میں گنہگار ہوں، تو غفور الرحیم ہے۔ اے اللہ! میرے گناہوں سے بڑی تیری رحمت ہے، تو اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میری دُعا قبول کر۔ سیدہ کو صحت دے، آمین!“

تھوڑی دیر بعد جب وہ دُعا سے فارغ ہوا تھا پہلے کی نسبت وہ خود کو بہت پڑ سکون محسوس کر رہا تھا۔ در نہ سیدہ کے ٹیپریچر نے اسے بہت فکر مند کر دیا تھا۔

اس نے ایک تشکر آمیز نظر آسمان کی جانب دیکھا اور پھر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جس وقت سیدہ کی آنکھ کھلی، صبح کے ساڑھے نو بجے تھے۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

”اوہ گاڈ! میں اتنی دیر تک سوتی رہی؟“

ماما اس کا انتظار کر رہی ہوں گی۔

ماما کا خیال آتے ہی وہ تشویش میں گھر گئی اور فوراً بیڈ پر سے اتر گئی۔ تب ہی اس کی نظر اس پر جا پڑی۔ وہ اپنی جیب پر بے ترتیبی سے سویا ہوا تھا۔

”اٹھو سیدہ! یہ سوپ پی لو پھر آرام کر لیتا۔“ وہ سوپ کا باؤل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

”میرا دل نہیں چاہ رہا امان!“ اس نے بیزاری سے کہا۔

”میں نے خود تمہارے لئے یہ سوپ بنایا ہے اس لئے تم ہرگز انکار نہیں کرو گی، چلو جلدی اٹھو!“ وہ سائیڈ ٹیبل پر باؤل رکھ کر اسے نیکی کے سہارے بٹھاتے ہوئے بولا۔

”صبح تم آفس نہیں جاؤ گی سیدہ! کل آرام کرنا۔“ تھوڑی دیر بعد وہ گویا ہوا۔

”کل ایک اپورٹنٹ میننگ ہے امان! میں.....“

”نوسیدہ! نیو!“ وہ اس کی بات کاٹ کر قدرے سخت لہجے میں بولا۔

”تم صرف کل ریٹ کرو گی، صرف ریٹ، اوکے!“

وہ خالی باؤل اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ جبکہ وہ تشویش میں گھر گئی تھی۔

ماما کا رویہ اس سے آج کل بہت عجیب سا ہو رہا تھا۔

امان کا گریڈ ما سے ملنا انہیں اس قدر شدید ناگوار گزرے گا، اس کے وہم و گمان میں

بھی نہیں تھا اور وہ کیسے امان کو گریڈ ما سے ملنے سے روکے؟

ایک بار پھر اس کا ذہن الجھ کر رہ گیا تھا مگر دو انیوں کے زیر اثر وہ جلد ہی غنودگی محسوس

کرنے لگی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور ہر خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔

ناشتے کے دوران اس نے ہلکے ہلکے سے انداز میں پوچھا۔
”ہاں!“

”لیکن تم نے مجھے کبھی بتایا نہیں ان کے بارے میں؟“ اس کی بات پر اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ مگر اس کا انداز تفتیشی نہیں تھا اور نہ ہی اس کے لہجے میں کوئی شکوہ تھا۔
وہ مطمئن ہو کر گویا ہوئی۔

”میں نے ایک دفعہ بتایا تھا اماں! کہ گریڈ مای مجھے بچپن میں دُعا کرنا سکھاتی تھیں۔“
”ہاں! لیکن میں نے ان کے بارے میں کبھی تم سے کوئی ایسی بات نہیں سنی جس سے مجھے پتہ چلا کہ وہ تمہارے کتنے قریب ہیں یا تم ان سے کتنی قریب ہو۔ اس کے علاوہ میں نے انہیں شادی پر بھی نہیں دیکھا تھا۔“ وہ عام سے لہجے میں گویا ہوا۔
”وہ اصل میں اماں! اماں کو میرا ان سے ملنا پسند نہیں ہے۔“ وہ صاف گوئی سے بولی۔

”کیوں؟“ وہ تعجب سے بولا۔
”پتہ نہیں! اماں کہتی ہیں کہ ان کی سوچ اچھی نہیں ہے۔“ وہ سر جھکائے بولی۔
”لیکن میں ان سے ملا ہوں اور میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں دیکھی ان میں۔“ اس کی بات پر وہ مزید حیرت زدہ ہو گیا تھا۔
”اماں! اماں کو...“ وہ بولتے بولتے اچانک رک کر اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لینے لگی۔

وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔
”اماں! اماں کو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ تم گریڈ مای سے ملو۔“
”وہاں؟“ وہ شدید حیرت کے عالم میں بولا۔
”اگر آئی تھیں ان سے ملنے سے منع کرتی ہیں تو وہ تم لوگوں کا پرسنل پرابلم ہوگا۔ لیکن... لیکن میرا ان سے ملنا، انہیں پسند نہیں ہے... میں بالکل نہیں سمجھا۔“ یہ بات سن کر وہ کچھ الجھ سا گیا تھا۔ جبکہ وہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

ایک لمبے کے لئے وہ سب کچھ بھول گئی اور ایک نیک اسے دیکھتی رہی۔ پھر دیر سے دیر سے چلتی ہوئی اس کے پاس کارپٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔
پتہ نہیں اس کے چہرے میں ایسی کیا بات تھی کہ وہ بعض دفعہ پوری محویت سے اسے دیکھتی رہتی تھی اور ایسا کرنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔
وہ اس کے لئے رات بھر جاگا ہے۔ یہ خیال آتے ہی اسے عجیب سا سکون محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ڈرائی تھی لیکن اس کی پریشانی کا خیال کرتے ہی وہ افسردہ سی ہو گئی تھی۔

اس نے نہایت آہستگی سے اہنادایاں ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔
تب ہی اچانک اس کی آنکھ کھلی۔ چند لمبے وہ بے خیالی میں اسے دیکھتا رہا پھر سنبھل کر بیٹھ گیا۔
”کب سو کر اٹھیں تم!“ وہ ایک ہاتھ اس کے ماتھے پر رکھ کر نپریچر چیک کرتے ہوئے بولا۔

اب اس کے نپریچر میں شدت نہیں تھی۔ وہ قدرے مطمئن ہو گیا تھا۔
”ابھی اٹھی ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔
”تم شاد لے لو میں تمہارے لئے ناشتہ بناتا ہوں۔“ وہ جیبر پر سے اٹھتے ہوئے بولا۔
”نہیں اماں! میں... میں آفس جاؤں گی۔“
اچانک یاد آنے پر وہ انک انک کر بولی۔
”سیدہ! آج تم کہیں نہیں جاؤ گی، سن لیا تم نے؟“ وہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے قطعی انداز میں بولا تو وہ بے بسی سے اسے جاتا دیکھتی رہی پھر اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔
تھوڑی دیر بعد جب وہ واش روم سے نکل کر کچن میں گئی تو وہ ناشتہ بنا کر فارغ ہو چکا تھا۔

”آؤ!“ وہ اسے دروازے پر کھڑا دیکھ کر بولا تو وہ ڈانٹنگ ٹونل کی طرف بڑھ گئی۔
”سیدہ! تمہاری کوئی گریڈ مای بھی ہیں؟“

اس کے اس طرح رونے پر یکدم پریشان ہو گیا تھا۔
 ”کیا ہوا ہے سیدہ!“ وہ نرمی سے اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولا تو وہ اس کے سینے سے جا لگی۔

”ہوا کیا ہے یار! کچھ تو بتاؤ!“ وہ اس کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے بولا۔
 تھوڑی دیر بعد جب وہ سنبھلی تو اسے قریبی چیز پر بٹھا کر وہ خود اس کے سامنے زمین پر بچوں کے بل بیٹھ گیا۔

”اب بتاؤ! کیا بات ہے؟“ اس کے چہرے کو اوپر کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔
 چند لمبے وہ یونہی خاموش بیٹھی رہی پھر اس کو کئی سے ہونے والی ملاقات کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تو وہ اس کی بات سن کر کھل کر ہنس پڑا۔ جبکہ وہ شاکی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”کمال کرتی ہو سیدہ! تم بھی۔“ وہ بمشکل اپنی ہنسی روک کر گویا ہوا۔
 ”یہ بھی کوئی دوستی ہے ان کی جو تم اتنا سیریس ہو رہی ہو۔“
 ”ہماری بچپن کی دوستی تھی امان! اور میں.....“ کہتے کہتے اس کا گلا زنجھ گیا تھا۔ مزید بولنا اس کے لئے محال تھا۔

وہ خاموشی سے سر جھکا گئی تو وہ بھی سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا۔
 ”سوری سیدہ! لیکن جس دوستی میں ایک دوسرے کے جذبات اور مذہب کا خیال نہ رکھا جائے وہ دوستی نہیں محض ناٹم پاس ہوتا ہے۔ تم بھی تو ان کی اس چیز کو نہیں اپناتی جو وہ ناپسند کرتی ہیں تو انہیں بھی تمہاری پسند اور ناپسند کا خیال رکھنا چاہئے ناں!“ وہ رمان سے بولا۔
 ”لیکن انہیں تو نہیں معلوم تھا کہ میرے مذہب میں اس چیز کا استعمال غلط ہے۔“ وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

”بلکہ مجھے تو خود بھی یہ معلوم نہیں تھا۔“
 ”اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں نے ان کے ساتھ کوئی زیادتی کی تھی تو ٹھیک ہے! میں اپنے روئے پر شرمندہ ہوں اور میں ان سے سوری بھی کر لوں گا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ وہ اس بات کو بھلا دیں کہ میں ان کے بہنے ہوئے قدموں کو اپنے گھر میں برداشت کر لوں گا۔“

”اپنی دے! تم ناشتہ کرو پھر میڈیسن بھی لینی ہیں تمہیں۔“ وہ اس کے ہاتھ پر دھیرے سے اپنا ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولا تو وہ ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گئی مگر اس کا ذہن منتشر ہو رہا تھا۔



”ہائے کئی! کیسی ہو؟“

آج سڈے تھا اور وہ ایک قریبی شاؤنگ سنٹر میں خریداری کر رہی تھی جب اس کی نظر کاؤنٹر پر پے منٹ کراتی کئی پر جا پڑی تھی۔ وہ فوراً اس کی طرف بڑھ گئی تھی۔
 مگر کئی اسے مکمل طور پر نظر انداز کر کے آگے کی جانب بڑھ گئی تو وہ حیران حیران سی اس کے پیچھے چل پڑی کہ شاید اس نے اس کی آواز نہ سنی ہو۔

”تمہارا کیا خیال ہے سیدہ! کہ اس دن اپنے گھر اتنی انسٹل کرانے کے بعد میں تم سے خوش ہو کر ملوں گی؟ میں ہی نہیں بلکہ کیتھرین اور مدھو بھی تم سے اب ملنا نہیں چاہتیں اور تم بھی آئندہ ایسی کوشش مت کرنا، اوکے!“ وہ غصے سے کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ جبکہ وہ خود کو ایک ملال میں گھرا محسوس کر رہی تھی۔

وہ شاؤنگ سنٹر سے باہر نکل آئی اور تھکے تھکے قدموں کے ساتھ فٹ پاتھ پر چلنے لگی۔
 اس کی بچپن کی فرینڈز اس سے دوستی ختم کر دیں گی جن کے ساتھ اس نے زندگی کا ایک دور گزارا تھا، وہ اس سے یوں متغیر ہو جائیں گی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس نے آنکھوں میں آئے بے اختیار آنسوؤں کو صاف کیا اور گھر کی طرف چل پڑی۔

گھر پہنچ کر بھی اس کا ذہن کئی کی باتوں اور اس کے سردے روئے میں الجھا ہوا تھا۔
 وہ غائب دماغی سے رات کا کھانا بناتی رہی جبکہ وہ کافی دیر سے اسے چپ چاپ ادھر سے ادھر چلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ بالآخر وہ بول اٹھا۔

”کیا بات ہے؟ اتنی آپ سیٹ کیوں ہو؟“ وہ اس کے قریب آ کر بولا تو وہ اچانک چہرہ ہاتھوں میں لے کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

نہ جانے کتنی دیر سے وہ خود پر ضبط کر رہی تھی۔ مگر اس کے اس طرح اپنائیت سے پوچھنے پر وہ اپنا ضبط کھو بیٹھی تھی۔

وہ آج کل بننے میں دو تین دن گرینڈما سے باقاعدگی سے قرآن شریف کو عربی زبان میں پڑھنے کے لئے آتا تھا اور گرینڈما اسے قرآن شریف پڑھاتے ہوئے اپنی برسوں کی حسرت کو پوری ہوتے محسوس کر رہی تھیں۔

”گرینڈما! میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہ رہا تھا، اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو.....“ کافی دیر بعد وہ ان سے گویا ہوا۔

”پوچھو بیٹا! کیا بات ہے؟“ انہوں نے کہا۔

”گرینڈما! آپ اس قدر الگ تھلگ کیوں رہتی ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے آپ اس گھر کے تمام معاملات اور افراد سے وابستہ کیوں نہیں ہیں؟“ اس کی بات سن کر ان کے چہرے پر ایک تاریک ساسیہ آکر گزر گیا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے بیٹا!“ وہ کمزور سے لہجے میں گویا ہوئیں۔

”پھر آنٹی کو کیوں پسند نہیں ہے کہ سیدہ آپ سے ملے؟“ اس نے بغور ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا جہاں ایک رنگ کے بعد دوسرا رنگ آ رہا تھا۔ ان کے خیف سے وجود پر لرزہ طاری ہو رہا تھا۔

”گرینڈما! آپ..... آپ ٹھیک تو ہیں ناں!“ وہ تشویش کے عالم میں ان کی جانب بڑھا۔

ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کر کے اس کی جانب دیکھ کر بولیں۔

”میں ٹھیک ہوں بیٹا! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس یونہی سرچکر ا گیا تھا۔“

”آپ پانی پی لیجئے!“ وہ گلاس ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

”پتہ نہیں! مجھے آپ سے یہ پوچھنا بھی چاہئے تھا یا نہیں لیکن میں نے جو محسوس کیا تھا وہی جاننا چاہ رہا تھا۔“ وہ شرمندہ شرمندہ سا دکھائی دے رہا تھا۔

”امان! میں تمہیں اپنا بیٹا سمجھتی ہوں۔ تمہیں دیکھ کر مجھے اولاد کی کمی بھولنے لگی ہے ایسی کی جس کو میں نہ جانے کتنے برسوں سے اپنے سینے میں دفن کئے ہوئے تھی۔“ وہ اس کے چہرے کو اپنے مشفق ہاتھوں میں لیتے ہوئے آبدیدہ لہجے میں بولیں۔

اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ انتہائی سنجیدہ لگ رہا تھا۔

وہ زیادہ دیر اس کی جانب نہ دیکھ سکی اور سر جھکا گئی۔

”میں ایسا نہیں چاہتی امان! کہ تم ان سے سوئی کرو، تم نے جو کیا صحیح کیا تھا لیکن مجھے ان کے رد عمل سے ڈکھ پہنچا ہے۔“ وہ آہستگی سے بولی تو وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا اور بولا۔

”پھر کیا چاہتی ہو؟“

”صرف اور صرف تمہاری محبت!“

”دکھاؤں اپنی محبت تمہیں!“ وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے شرارت سے بھرپور لہجے میں بولا تو اس کی نیت بھانپ کر وہ مسکراتی ہوئی کچن سے بھاگ گئی۔ جبکہ وہ ایک بار پھر کھل کر ہنس پڑا۔



”امان! مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے بیٹا! کہ سیدہ نے باقاعدگی سے نماز پڑھنا شروع کر دی ہے۔“ گرینڈما کے چہرے پر پھیلی خوشی کو دیکھ کر اسے عجیب سا اطمینان محسوس ہو رہا تھا۔

”وہ بہت معصوم اور انجان ہے بیٹا! تم اسے مذہب سے زیادہ سے زیادہ قریب کرنے کی کوشش کرو۔“ وہ التجائیہ انداز میں گویا ہوئیں۔

”تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت قریب کر لیا ہے بیٹا! یہ اس کا کرم ہے تم پر اور اس کے ساتھ ہی اس نے تمہیں سیدہ کی صورت میں ایک اور نیکی کرنے کا موقع دیا ہے بیٹا! اللہ تمہیں اپنی ہر آزمائش پر پورا اترنے کی توفیق عطا کرے۔“

”گرینڈما! میں مذہب کو سیدہ پر زبردستی مسلط کرنا نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ خود کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے کہ اس نے اپنی پوری زندگی اپنے مذہب کے مطابق گزارنی ہے تو نہ اس کے لئے کوئی پرابلم ہو سکتا ہے اور نہ میرے لئے۔ حالانکہ مجھے لگتا ہے کہ وہ جتنا جان پاتی ہے صرف اتنا ہی سمجھ پاتی ہے، اس سے زیادہ جاننے یا سمجھنے کی وہ ضرورت ہی محسوس نہیں کرتی۔“ وہ یاسیت سے گویا ہوا۔

”اے تھوڑا وقت درکار ہے امان! وہ ضرور سمجھ جائے گی، میرا دل کہتا ہے۔“ گرینڈما نے کہا تو وہ ان کی تائید میں سر ہلا کر رہ گیا۔

جبکہ وہ ان کے یوں ہنسنے پر بہت شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔
 ”تو تم اماں کی خاطر ایک دن مجھے بھی چھوڑ دو گی؟ ہے ناں!“ وہ عجیب سے انداز میں مخاطب ہوئیں تو وہ حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

اماں کا ذکر کہاں سے آیا؟ وہ نا سمجھی کے عالم میں گم سم سی انہیں دیکھے جا رہی تھی جو انگلیوں میں دبے سگریٹ کا گہرا کش لے کر ڈھویں کو فضا میں اُڑاتا دیکھ رہی تھیں۔
 وہ تاسف سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ شاید کبھی بھی اماں کو اپنی محبت کا یقین نہیں دلا سکے گی۔ وہ کبھی ان سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی اور اماں..... اچانک اس کا دل بھر آیا۔

”سعدیہ! میرا ساتھ نہیں دوں گی کیا؟“ وہ ایک بار پھر سگریٹ کیس اس کی طرف بڑھا کر بولیں تو وہ شش و پنج کا شکار ہو گئی۔

اماں کو انکار کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی لیکن ایسی کنڈیشن میں جب وہ ماں بننے جا رہی تھی، سگریٹ چینا اسے ہرگز منظور نہیں تھا۔ اماں بدستور اسے پیشکش کر رہی تھیں۔
 اور وہ ایسے ہی کسی لمحے سے ڈرتی تھی جب اسے اماں کی پسند کو نظر انداز کر کے اپنی خواہش کے بارے میں سوچنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس وقت بھی وہ عجیب سی صورت حال کا شکار ہو رہی تھی۔

اس نے ایک نظر اماں کی جانب دیکھا۔ اسے لگا جیسے وہ بڑی آس سے اسے دیکھ رہی ہیں۔

اس سے مزید رہا نہ گیا اور ایک ہاتھ سگریٹ کیس کی طرف بڑھایا ہی تھا تب ہی وہ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور وہ اپنا بڑھا ہاتھ کھینچ کر دروازے کی جانب دیکھنے لگی۔

اماں ان ہی کی طرف آ رہا تھا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔
 اسے اچانک یہاں دیکھ کر جہاں وہ حیرت زدہ ہوئی تھی وہیں اسے طمانیت کا احساس ہو رہا تھا۔

”السلام علیکم آئی!“

”پھر مجھ سے اپنی زندگی شیر کیوں نہیں کرتیں آپ!“ وہ شکوہ کرتے ہوئے بولا تو وہ محض اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

♦ ♦ ♦

”ہیلو ماما! کیسی ہیں آپ!“ وہ ان سے ٹیک ہینڈ کرتے ہوئے بولی۔
 ”ٹھیک ہوں! آؤ بیٹھو!“ وہ ڈرائنگ روم میں رکھے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

”سنر کیسار ہاما! آپ کا؟“ اس نے پوچھا۔
 کتنے دنوں بعد وہ انہیں اپنے سامنے دیکھ رہی تھی۔ وہ پچھلے دو ہفتوں سے بزنس ٹور پر تھیں، پتہ نہیں کیوں اسے لگتا تھا کہ ماما کی کچھ دنوں کی جدائی اس پر بہت بھاری گزرتی تھی۔ وہ انہیں نہ دیکھے تو عجیب سی بے چینی اس پر سوار ہونے لگتی تھی۔

اور اب بھی ماما کو اتنے دنوں بعد اپنے سامنے دیکھ کر اسے سکون سا ملا تھا۔
 وہ بہت تھکی تھکی سی لگ رہی تھیں۔ یکدم اس کا دل چاہا کہ وہ ان کے پاس جا کر بیٹھے اور ان کے گلے میں بازو ڈال کر ان کی ساری تھکان اُتار دے۔ مگر چاہنے کے باوجود بھی وہ ایسا کر نہ سکی۔ بلکہ ان کے ٹارل سے انداز کے باعث وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی کے متعلق بھی نہ بتا پائی اور انہیں اپنے پیچھے آفس کے معاملات کے بارے میں آگاہ کرتی رہی۔

باتوں کے دوران انہوں نے سنرل نمبل پر رکھا سگریٹ کیس اٹھایا اور اس میں سے ایک سگریٹ نکال کر لائٹر سے سلگانے لگیں۔ تب ہی انہوں نے سگریٹ کیس اس کی طرف آفر کرنے والے انداز میں بڑھا دیا تو وہ ایک دم گھبرا کر انہیں دیکھنے لگی۔

”نوماما! میں..... میں اسموکنگ نہیں کرتی۔“ اس نے بمشکل کہا۔
 ”اسموکنگ نہیں کرتیں؟“ وہ تعجب سے اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔
 ”لیکن میں نے خود تمہیں اسموکنگ کرتے دیکھا تھا۔“

”ماما! میں شادی سے پہلے کبھی کبھی کر لیتی تھی لیکن شادی کے بعد اسموکنگ کرنا مجھے مناسب نہیں لگا اس لئے۔“ اس کی بات پر وہ ایک بھر پور قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

ہونے دوں گی۔“ وہ وارن کرنے والے انداز میں گویا ہوئیں۔

”نہیں شائستہ! تم یقین کرو میں..... میں امان کو اپنا بیٹا سمجھتی ہوں۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں بھی اس.....“ ان کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا انگ گیا تھا۔ ان سے مزید بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

”تم اسے کچھ مت کہنا۔“ ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔ وہ انتہائی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

”پھر امان کو کون سا سبق پڑھاتی رہتی ہیں آپ!“ وہ دوبارہ اسی لہجے میں مخاطب ہوئیں۔

”وہ میرے پاس قرآن شریف پڑھنے آتا ہے شائستہ!“ انہوں نے دھیرے سے جواب دیا۔

”اوہ! تو آپ اس گھر کو ایک مدرسہ سمجھ رہی ہیں جہاں آپ قرآن شریف پڑھایا کریں گی لوگوں کو اور امان..... اے کیا ضرورت ہے قرآن پڑھنے کی؟ اور اتنی مصروفیت میں وہ کیسے اتنا دقت نکال پاتا ہوگا کہ آپ کے پاس آکر آپ کی فضول سی باتوں پر دھیان دے؟ اے ضرور آپ نے مجبور کیا ہوگا۔“ ان کے تند لہجے میں نمایاں تھا۔

”نہیں شائستہ! تم غلط مت سمجھو، وہ جس راستے پر چلا ہے وہاں ہر قدم اس کی رضا سے اٹھتا ہے۔“ وہ شہادت کی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر کے بولیں۔

”نہ میں مجبور کر سکتی ہوں نہ کوئی اور۔“

”بس کیجئے!“ وہ درشتی سے بولیں۔

”جیسے آپ نے اپنی زندگی گزاری ہے، آپ اسی طرح امان کو مجبور کر رہی ہیں کہ وہ آپ کے بتائے ہوئے نقش قدم پر چلے تاکہ پھر وہ سنیہ کو اپنا پابند کرے اور آپ..... آپ کے لئے تو یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی ناں!“

”شائستہ! ایسا مت کہو! میں.....“ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

”بہر حال! اب تمہیں میری طرف سے کوئی پریشانی نہیں ہوگی شائستہ! میں کل اولد ہوم شفٹ ہو رہی ہوں۔“

اس کے سلام کا جواب دینا انہوں نے شاید مناسب نہیں سمجھا تھا۔

”کیسے ہو امان!“ تھوڑی دیر بعد وہ اس سے مخاطب ہوئیں۔

”ٹھیک ہوں آئی!“ آپ کا بزنس نور کیسا رہا؟“ اس نے پوچھا۔

”ویری ناکس!“ انہوں نے مختصر سا جواب دیا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”اوکے ماما! میں چلتی ہوں۔“ وہ اجازت طلب نظروں سے ان کی طرف دیکھ کر بولی تو

انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اپنے کمرے کی جانب چل پڑیں۔

”تم اچانک کیسے آگئے امان!“ گاڑی میں بیٹھے ہی اس نے سوال کیا۔

”تم نے بتایا تھا ناں کہ آج تم آئی کی طرف جاؤ گی تو سوچا تمہیں یہیں سے ڈاکٹر کے

پاس لے چلتا ہوں، آج اپائنٹ منٹ ہے ڈاکٹر کی۔“ وہ تفصیل سے بتانے لگا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”مجھے تو یاد ہی نہیں تھا کہ ڈاکٹر سے لی گئی اپائنٹ منٹ کا دن آج ہے۔“

”مسز امان! آپ اپنے ذہن پر زور مت ڈالئے، بندہ حاضر ہے ناں! پھر آپ کو کیا پریشانی ہے؟“ وہ اسے خود سے قریب کرتے ہوئے غلغلے سے بولا تو وہ مسکرا کر رہ گئی۔

”اگر امان اسے اسوگنگ کرتے دیکھ لیتا تو.....“

اچانک ذہن میں آنے والی بات پر وہ جھرجھری لے کر رہ گئی اور ایک نظر اس کی طرف دیکھا جو پوری محویت سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔



”میں نے آپ کو اتنی بار کہا ہے کہ آپ میری زندگی میں انٹرفیر کرنے کی کوشش مت کیا کریں لیکن آپ کو شاید میری بات سمجھ ہی نہیں آئی۔“ وہ انتہائی غضب کے عالم میں بول رہی تھیں۔

”شائستہ! میں نے تمہاری زندگی میں کوئی مداخلت نہیں کی۔“ گرینڈ مانے کمزور سے

لہجے میں کہا تو وہ مزید بھر گئیں۔

”جھوٹ بولتی ہیں آپ! پہلے آپ نے سنیہ کو اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی اور

اب..... اب آپ امان کا رخ اپنی طرف کرنا چاہتی ہیں لیکن یاد رکھیں میں ایسا ہرگز نہیں

”وہ بالکل ٹھیک ہیں! پاپا کینیڈا گئے ہیں بزنس کے سلسلے میں اور ماما بھی اپنی ایک فرینڈ کے پاس نیویارک گئی ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”تو تم یہاں آ جاؤ ہمارے پاس جب تک آنٹی اور انکل واپس نہیں آ جاتے۔ تم اکیلی بور ہو جاؤ گی۔“ اس نے آفر کرتے ہوئے کہا۔

”نہ بھی! اکیلے رہنے کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ دیے تو ماما پاپا کبھی مجھ پر روک ٹوک نہیں کرتے لیکن پھر بھی اکیلے میں بہت مزہ آتا ہے۔“ اس کی بات سن کر وہ قدرے حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی۔

ماما کے بغیر اسے اپنا آپ کتنا خالی خالی سا لگتا تھا۔ شادی کے بعد بھی وہ اس سے ملے بغیر ان کو دیکھے بغیر سکون محسوس نہیں کرتی تھی اور انجلینا.....

”ارے انجلینا! تم کب آئیں؟“ امان کی آواز پر وہ چونک سی گئی۔
”ابھی آئی ہوں۔ یہاں سے گزر رہی تھی تو سوچا تم لوگوں سے بھی ملتی چلوں۔“ وہ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولی۔

”میں تمہارے لئے کافی بنا کر لاتی ہوں انجا! اور ڈنر بھی تم ہمارے ساتھ ہی کرو گی آج، واو کے!“ اسے کہہ کر وہ کچن سے باہر نکل گئی۔

”کیری! مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔“ تھوڑی دیر بعد وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

”ہوں! بولو!“

”کیری! میں ایک لڑکے کو پسند کرتی ہوں لیکن وہ مسلم فیملی سے بی لائگ کرتا ہے اور اسی وجہ سے اس کی فیملی مجھے ایکسپٹ نہیں کر رہی۔“ وہ قدرے پریشانی سے گویا ہوئی۔

”لیکن تم تو کسی اور میں انٹرنلڈ تمیز ناں!“ اس نے تعجب سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”وہ تو بس نام پاس تھا لیکن کیری! میں اس میں واقعی انٹرنلڈ ہوں اور اس سے شادی بھی کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے پوری سچی بولی۔

”تو میں کیا میلب کر سکتا ہوں اس سلسلے میں؟“ اس نے پوچھا۔

”وہاٹ؟“ وہ ہنستے سے اُکھڑ گئیں۔

”یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ! آپ کہیں نہیں جائیں گی۔“

وہ قدرے پریشان دکھائی دے رہی تھیں ان کی بات سن کر۔

”کیوں؟ تمہیں اپنے اسٹینس کی فکر ہے اس لئے؟ سوسائٹی میں جو لوگ یہ سوچ کر

تمہاری عزت کرتے ہیں کہ تم وہ عظیم عورت ہو جس نے اس معاشرے کے خلاف چلتے ہوئے

ایک بوڑھی عورت کو اولڈ ہوم کی زینت بنانے کے بجائے اپنے گھر میں ایک ماں کے منصب پر

بٹھا کر جو عزت دی ہے وہ کم نہ کر دیں۔“ اتنا کہتے ہوئے وہ بری طرح ہانپنے لگی تھیں۔

”آپ کا کیا خیال ہے مجھے اتنی عزت محض آپ کی وجہ سے ملی ہے؟ آپ کے بعد بھی

میری اتنی ہی عزت ہوگی جتنی اب ہے، سنا آپ نے؟“

وہ نخوت سے کہتی ہوئیں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں تو وہ بے اختیار دونوں ہاتھ

پھیلانے آسمان کی طرف دیکھ کر ڈاگوا ہوئیں۔

”یا اللہ! تو شائستہ کے غرور کو اپنی رحمت کے سائے میں ڈھال دینا۔“

وہ مسلسل روئے جا رہی تھیں مگر ان کی زبان پر ان کے لئے دُعا کیں ہی دُعا کیں تھیں۔



”اوہ انجلینا! تم؟“ ڈورنیل کی آواز پر اس نے دروازہ کھولا تو انجلینا کو اپنے سامنے دیکھ

کر وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی۔

”ہاں میں!“ وہ بھی جواباً اسی کے انداز میں بولی تو یکدم اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”آؤ! اندر آؤ انجلینا!“

وہ اسے لے کر لاونچ میں چلی آئی۔

”کیری کہاں ہے؟“ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”کیری نہیں امان!“ اس نے تھمچ کی۔

”بھئی! میرے لئے تو کیری ہی ہے۔“ اس نے شانے اُچکا کر لاپرواہی سے کہا۔

”وہ واش روم میں ہے۔ اچھا یہ بتاؤ! آنٹی اور انکل کیسے ہیں؟“ اس نے جواب دے

کر پوچھا۔

"امان! انجلینا اتنی جلدی کیوں چلی گئی؟ میں تو اس کے لئے کافی بنا کر لائی تھی۔" وہ
 ٹرے سنٹرل ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔
 "کچھ نہیں یار! جلدی میں تھی، چلی گئی۔" وہ کافی کانگ اٹھا کر مطمئن انداز میں گویا ہوا
 تو وہ شاکی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
 "کیا ہوا ہے؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔
 "یہ کافی پیو!" اس نے دوسرا کانگ اس کی طرف بڑھایا مگر وہ بدستور اسے اسی انداز میں
 دیکھتی رہی۔
 "اب بس کرو یار!" وہ مسلسل اس کے اس طرح دیکھنے پر بولا۔
 "اتنے عرصے بعد تو وہ آئی تھی اور تم ہو کہ....." وہ کچھ ناراض سی لگ رہی تھی۔
 "تو میں کیا کروں یار! تم سمجھ رہی ہو میں نے اسے ناراض کر دیا ہے؟" اس نے
 استفسار کیا۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
 "کم آن سیدہ! میں بھلا ایسا کیوں کروں گا؟" وہ بدستور مطمئن انداز میں گویا ہوا تو اس
 نے یقین کر لیا اور کافی کاسپ لینے لگی۔



"سیدہ! یہ میں کیا سن رہی ہوں؟" ماما نے ابھی ابھی اسے اپنے آفس میں بلایا تھا اور
 وہ فوراً پہنچ گئی تھی لیکن ان کا سرد سار ڈیہ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔
 "یو آر پریگٹ؟" پتہ نہیں وہ خوش تھیں یا حیرت زدہ؟ وہ صحیح اندازہ نہ لگا سکی۔
 "تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا سیدہ!" ان کی غصے سے بھرپور آواز پر اس نے سر اٹھا
 کر ان کی طرف دیکھا۔

وہ انتہائی غضب کے عالم میں اسے گھور رہی تھیں۔
 "میں نے..... میں نے کئی بار آپ کو بتانا چاہا تھا ماما! لیکن....." وہ سر جھکا کر بولی۔
 اسے خود پر بے حد افسوس ہو رہا تھا کہ وہ انہیں اپنی اتنی بڑی خوشی کی خبر نہیں دے سکی
 تھی۔ ماما کی اس سے ناراضگی معنی رکھتی تھی۔

"میں نے احمر سے کہا تھا کہ ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں لیکن وہ نہیں مان رہا۔" اس
 نے یاسیت سے کہا۔
 "وہ کہتا ہے کہ اس سے شادی کرنے کے لئے مجھے اسلام قبول کرنا پڑے گا اور میں ایسا
 کرنے کے لئے بھی تیار ہوں لیکن....."
 "تو تم صرف اس سے شادی کرنے کے لئے اسلام قبول کر دو گی؟" اس نے تاسف
 سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
 "ایک شخص جو میری پوری زندگی کا حاصل ہے، جسے میں چاہتی ہوں محض ایک سطر پڑھ
 کر اپنا لیا جائے تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟" وہ بے نیازی سے بولی۔
 "تم صرف ایک شخص کو پانے کے لئے خود کو اور دوسروں کو دھوکا دو گی؟ انجلینا! تم بہت
 بڑا گناہ کر دو گی۔ اللہ اس چیز کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو راضی کرنے کی
 خاطر اس کے ساتھ شرک کرے۔"

"پلیز کیری! مجھے کچھ مت سمجھاؤ۔" وہ اس کی باتوں سے اکتا کر بولی۔
 "میں تمہارے پاس اس لئے آئی تھی تاکہ تم احمر سے مل لو کیونکہ میں نے اسے تمہارے
 بارے میں سب کچھ بتایا ہوا ہے اور وہ تم سے امپرئس بھی ہے۔ بس تم اسے یہ یقین دلا دینا کہ
 میں واقعی مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری بات مان جائے گا۔"
 "سوری انجلینا! میں ایسا نہیں کر سکتا۔" وہ قطعی انداز میں گویا ہوا۔
 "مجھے معلوم ہے تمہیں بہت برا لگے گا لیکن میں اس جھوٹ بلکہ گناہ میں ہرگز شامل ہونا
 نہیں چاہتا اور ایک بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ اگر وہ تم سے اتنی محبت کرتا ہے تو اسے
 تمہارے بجائے مجھ پر یقین کیوں آنے لگا؟"
 "کیری! تم میری انسٹ کر رہے ہو۔" وہ یکدم طیش میں آگئی تھی۔

"تم سمجھتے ہو کہ احمر کو میری بات پر یقین نہیں آئے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ میں خود بھی
 یہ کام کر سکتی تھی بلکہ میں خود ہی کروں گی۔ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے، انڈر اسٹینڈ!"
 وہ تن فن کرتی لاؤنچ سے باہر نکل گئی۔
 جبکہ وہ اسے یوں اچانک تیزی میں جاتا دیکھ کر حیران حیران سی لاؤنچ میں چلی آئی۔

”دیکھو سید! ہم جہاں رہتے ہیں وہاں کے ماحول کو کچھ کراہنا پڑتا ہے۔“ وہ قدرے نرمی سے گویا ہوئیں۔

”تم ہی بتاؤ! تمہاری عمر کی کون سی لڑکی نے اتنی جلدی شادی کی ہے اور بالفرض وہ شادی بھی کر لے تو کم از کم وہ اتنی جلدی ماں بننا ہرگز نہیں چاہتی۔“ اس کے رونے کی شدت میں کمی آچکی تھی۔

”تم ایسا کرو سید! کہ تم.....“ وہ ایک لمحے کے لئے رُکس پھر دوبارہ گویا ہوئیں۔
 ”تم ابا رشن کرا لو!“ ان کی بات سن کر اسے اپنے چاروں طرف اندھیرا محسوس ہونے لگا۔

وہ ششدر سی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے اپنے چکراتے سر کو بمشکل سنبھالا اور ان کی جانب دیکھنے لگی جو انتہائی مطمئن انداز میں اسے دیکھ رہی تھیں۔

”اما! میں..... میں ایسا کیسے..... کیسے کر سکتی ہوں؟“ اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔
 ”میں اپنے اندر ایک معصوم سی جان کو محسوس کر سکتی ہوں اما! تو پھر..... تو پھر کیسے

اسے.....“ اس سے مزید بولا نہ گیا اور وہ چہرہ ہاتھوں میں لے کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔
 ”سید! اگر تم ایسا نہیں کرو گی تو میں..... میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گی۔ میں

تمہارا فکر اور تمہارا فوجہ دونوں کو برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔“ وہ سفاکی سے بولیں۔
 ”پلیز اما! میرے ساتھ ایسا مت کریں۔ میں..... میں مر جاؤں گی آپ کے بغیر۔ آپ

مجھ سے ناراض مت ہوں اما! میرا بہت..... بہت ارمان ہے اس معصوم سے وجود کو دنیا میں لانے کا۔ پلیز اما! آپ مجھے خود سے دُور مت کریں۔“ وہ مسلسل رورور کر رہی تھی۔

”میں آپ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں اما! لیکن اس محبت کی خاطر جو میں آپ سے کرتی ہوں۔ مجھ سے میری اولاد کی محبت مت چھیننے اما! پلیز!“

”تم نے اپنی پسند کی شادی کی سید! میں نے تمہیں کچھ نہیں کہا۔ تم نے اپنا رہن سہن بدل ڈالا، میں چپ رہی اور اب..... بہر حال سید! میں بھی تم پر اپنا پورا حق رکھتی ہوں لیکن

اگر تم نے آئندہ میری کوئی بات نہیں مانی تو یاد رکھنا کہ میں تمہیں کبھی دیکھنا تک پسند نہیں کروں گی۔“ وہ وارنک دینے والے انداز میں بولیں۔

”مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تم اتنی بڑی حماقت کیسے کر سکتی ہو؟“ ان کی بات پر اس نے جھکے سے سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔

”کیا ضرورت تھی تمہیں ابھی سے یہ جھنجھٹ پالنے کی؟“ وہ ناگواری سے گویا ہوئیں۔
 ”شادی اتنی جلدی ہو گئی تھی تو کم از کم اس پر اہم کو تو ابھی نہیں پالنا تھا ناں!“ وہ بدستور اسی لہجے میں بول رہی تھیں۔

”سید! آخر کیا ضرورت تھی تمہیں یہ سب کرنے کی؟ میں تمہیں ایک ایسی جگہ پر دیکھنا چاہتی ہوں جہاں پر پہنچنا ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے اور تم..... تمہارے پاس سارے مواقع موجود ہیں لیکن تم نہ جانے کون سی دنیا میں رہ رہی ہو جو تمہیں وہ سب کچھ نظر ہی نہیں آتا جو میں دیکھ رہی ہوں۔ تمہارا براؤن فیوچر اور تمہاری اسٹرونگ پوزیشن۔“
 وہ ایک لمحے کے لئے رُکس پھر دوبارہ گویا ہوئیں۔

”تم اتنی بڑی بے دقونی کیسے کر سکتی ہو سید! مجھے یقین نہیں آتا۔ کہیں امان نے تو تمہیں مجبور نہیں کیا تھا؟“ وہ مشکوک انداز میں بولیں۔

”نو اما! میں خود بھی یہی چاہتی ہوں۔ مجھے..... مجھے بچے اچھے لگتے ہیں۔“ وہ مدہم سی آواز میں بولی۔

”سید! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ یہ سب اتنا ضروری نہیں ہے جتنا ضروری تمہارا اینٹیس ہے۔ میں کتنی محنت کرتی ہوں کہ تمہیں اس سوسائٹی میں ایک اچھی پلیس پر دیکھوں مگر تم.....“ وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر رہ گئیں۔

اس نے سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔ وہ اسی طرح بیٹھی رہیں۔ حتیٰ کہ وہ خود آگے بڑھی اور ان کی سیٹ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

”اما! آپ..... آپ مجھ سے ناراض مت ہوں پلیز!“ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں تھیں۔

”اما! مجھے ماں بننے کا بہت ارمان ہے لیکن..... لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ خود ماں بننے کی خواہش میں میں اپنی ماں کو خود سے ناراض کر دوں گی۔“ وہ باقاعدہ رونے لگی تھی۔

انہوں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔

”میں آپ لوگوں سے بعد میں بات کرتا ہوں، اس وقت آپ جاسکتے ہیں۔“ اس نے میٹنگ میں شامل تمام افراد کی جانب دیکھ کر کہا تو سب فوراً اُنھ کھڑے ہوئے اور باہر نکل گئے۔

سب کے باہر نکلتے ہی وہ اس کی جانب دوڑ پڑا۔

”سیدہ! کیا ہوا ہے؟“ وہ تشریش کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

جواباً وہ اس کے سینے سے جا لگی اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

”کیا ہوا ہے سیدہ!“ وہ اسے قریبی چیز پر بٹھا کر گلاس میں پانی اُٹھیلنے لگا۔

مگر وہ چیز سے اُنھ کر اس سے دوبارہ جا لگی۔

”میرا دل بہت گھبرا رہا ہے امان!“ وہ آنسوؤں کے درمیان بولی۔

”مجھے بتاؤ ناں! ہوا کیا ہے؟“ وہ اس کا چہرہ اُوپر کی طرف کرتے ہوئے نرمی سے بولا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”پھر..... پھر اس طرح..... اور یہ تم نے اپنی حالت کیا بتائی ہوئی ہے؟“ اس کا اُترا اُترا

سا چہرہ اسے مزید پریشانی میں مبتلا کر رہا تھا۔

اس نے ایک ہاتھ سے اس کے چہرے پر چپکے بال پیچھے کئے اور اپنے سینے سے لگا لیا۔

”امان! میں..... امان! تم مجھے کبھی چھوڑو گے تو نہیں؟“ اس نے سر اٹھا کر اس کی

طرف انجانے خدشے کے تحت پوچھا۔

”کم آن سیدہ! کیا ہو گیا ہے تمہیں، ہاں!“ وہ محبت سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

”میں تمہیں کیوں چھوڑوں گا؟ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، چلو گھر چلتے ہیں۔“

وہ اسے لے کر آفس سے باہر نکل آیا اور ڈاکٹر سے مکمل چیک آپ کرانے کے بعد سیدھا

گھر لے آیا تھا۔ وہ شدید ذہنی دباؤ میں تھی۔

”سیدہ! تمہیں اب صرف آرام کرنا ہے اور بہتر یہی ہے کہ تم کچھ دنوں تک آفس نہ

جاؤ۔“ وہ اسے بیڈ پر لٹا کر ہدایت کرتے ہوئے بولا۔ جبکہ وہ چپ چاپ خلاء کو گھورتی رہی۔

”کیا پریشانی ہے تمہیں، مجھے بتاؤ!“ وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے نرمی سے

گویا ہوا تو وہ محض نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔

جبکہ وہ آنسوؤں سے تر چہرہ دونوں ہاتھوں سے صاف کرتی ہوئی ان کے آفس سے باہر نکل گئی۔

”ماما! کیوں ہر بار مجھے خود سے جدا کرنے کی بات کرتی ہیں؟ کیا وہ نہیں جانتیں کہ میں..... میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔“

آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کرتے ہوئے وہ آفس سے باہر نکل آئی اور پارکنگ کی طرف بڑھ گئی۔

اس کا دل بے حد گھبرا رہا تھا۔ ماما کے الفاظ اس کے دماغ میں جیسے نجد سے ہو گئے تھے۔

”انہیں کیوں میری محبت کا یقین نہیں آتا؟ وہ کیوں مجھ سے ایسی بات کر جاتی ہیں جس سے مجھے بھی محسوس ہوتا ہے کہ میں انہیں اپنی طرف سے بہت تکلیف دیتی ہوں۔“ اس نے ایک ہاتھ سے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو رگڑ کر صاف کرتے ہوئے سوچا۔

یکدم اس کا دل چاہا کہ وہ امان کے پاس پہنچ جائے اور اس کے کندھے پر سر رکھ کر جی بھر کر روئے۔ تب ہی اس نے گاڑی کا رخ اس کے آفس کی جانب کیا اور گاڑی کی اسپینڈ بڑھا دی۔

پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کر کے وہ تیزی سے اس کے آفس کی جانب بڑھ گئی۔

”میں..... میں امان سے ملنا چاہتی ہوں۔“ اس نے بمشکل اپنے آپ کو سنبھالا اور آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو زبردستی اپنے اندر دھکیل کر امان کی سیکرٹری سے مخاطب ہوئی۔

”سوری میم! وہ اس وقت ایک میٹنگ میں بزی ہیں۔ وہ آپ سے نہیں مل سکیں گے۔“

وہ معذرت خواہانہ انداز میں گویا ہوئی۔

مگر اس سے وہاں ٹھہرنا مشکل ہو رہا تھا۔

وہ آفس کا دروازہ کھول کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

اچانک تیزی سے دروازہ کھلنے پر امان نے فوراً دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ عجیب سے حلیے میں کھڑی تھی۔ اس کا پریشان پریشان سا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ جبکہ اس کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ بات اُدھوری چھوڑ کر فوراً اُنھ کھڑا ہوا۔

جبکہ وہ بڑے غور سے اسے ہنسا دیکھتا رہا۔ آج کتنے دنوں بعد وہ یوں کھل کر ہنسی تھی۔
 ”سیدہ! تمہاری ڈیلیوری بس قریب ہی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم یہ دن گھر پر ہی
 گزارو۔“ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

لیکن امان! آفس میں بہت سے کام ہوتے ہیں۔ ماما کیلئے تو سب کچھ۔۔۔
 ”بس سیدہ! تم کچھ عرصے کے لئے چھٹی لے لو اور گھر پر آرام کرو۔“
 وہ قطعی انداز میں بات ختم کرتے ہوئے بولا تو وہ بھی چپ کر گئی اور مزید اصرار نہیں کیا۔



”کیسی ہیں آپ گرینڈا!“ وہ آج کافی دنوں بعد ان سے ملنے اولڈ ہوم آیا تھا۔
 ”میں ٹھیک ہوں! تم بتاؤ سیدہ کی طبیعت کیسی ہے؟“ انہوں نے فکر مندی سے پوچھا۔
 ”وہ بھی ٹھیک ہے گرینڈا!“ اس نے جواب دیا۔
 ”گرینڈا! آپ پلیز! میرے ساتھ میرے گھر چلیں۔ میں آپ کا بیٹا ہوں نا! تو کیا
 اتنا بھی حق نہیں آپ کا مجھ پر؟“ وہ شکایت کرتے ہوئے بولا۔
 ”نہیں بیٹا! ایسی بات نہیں، بس! میں تم دونوں کی زندگی میں کوئی بد مزگی پیدا کرنا نہیں
 چاہتی۔“ وہ پڑمردگی سے گویا ہوئیں۔
 ”یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں گرینڈا!“ وہ حیرانی سے بولا۔
 ”آپ یقیناً شائستہ آنٹی کی وجہ سے ایسا کہہ رہی ہیں۔“ اس نے قیاس آرائی کی اور ان
 کی خاموشی سے وہ بہت کچھ سمجھ گیا تھا۔
 ”گرینڈا! آپ۔۔۔ آپ کیوں خود کو اتنا مجبور اور بے بس سمجھتی ہیں۔“ اس نے جراح
 کی۔

”محبت میں انسان سب سے پہلے مجبور ہی تو ہوتا ہے بیٹا! اور میں۔۔۔ میں بھی مجبور
 ہوں۔“ وہ ایک ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں۔

”گرینڈا! جتنی باتیں بھی آپ نے اپنے بارے میں مجھے بتائی تھیں ان سب کو سن کر
 مجھے لگتا ہے کہ شائستہ آنٹی محض اس لئے آپ سے دُور ہیں کہ وہ خود اپنے آپ سے بھی واقف
 نہیں ہیں۔“ وہ گرینڈا سے چند دن پہلے ہونے والی گفتگو کے بارے میں اندازہ لگاتے

”کوئی پرالہم نہیں ہے امان!“ اس نے آنکھوں میں آئی نمی کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔
 جبکہ اس کے چہرے پر پچھلی یاسیت کو دیکھ کر وہ قدرے پریشان سا ہو گیا تھا۔

”چلو تم اب آرام کرو، اوکے!“ تھوڑی دیر بعد وہ سائیڈ لیپ آف کر کے اٹھ کھڑا ہوا
 اور کمرے سے باہر نکل گیا تو وہ بے اختیار نیچے میں منہ دے کر رو پڑی۔

اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ ماما کی کس بات پر ہرٹ ہوئی ہے یا شاید وہ ماما کی کسی
 بات پر ہرٹ ہونا چاہتی ہی نہیں تھی مگر ان کے رویے پر افسوس ہی اسے زلزل رہا تھا۔

رات اس نے سوتے جاگتے کی کیفیت میں گزاری تھی۔ تب ہی صبح اس کے سر میں
 شدید درد ہو رہا تھا۔ اس نے ایک نظر پورے کمرے میں دوڑائی۔ امان کہیں نہیں تھا۔ وہ فوراً
 بستر سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ کچن میں ناشتہ بنا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ یکدم پڑ سکون سی ہو گئی۔

”سیدہ! جلدی سے شاور لے لو پھر آ کر ناشتہ کرو۔“ وہ معصوم معصوم سے انداز میں
 اس کی طرف دیکھے بغیر بولا تو وہ قدرے حیرانی سے اسے دیکھ کر بولی۔

”تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہیں ہوں۔“

”تم جب یہاں نہیں تھیں تب بھی میرے پاس ہی تھیں۔“ وہ اس کی طرف پلٹ کر
 دھیرے سے مسکرا کر بولا تو وہ اسے دیکھتی رہ گئی، جس کی آنکھوں میں اس کے لئے محبت ہی
 محبت تھی۔

”مجھے تمہاری صحت کی طرف سے بہت فکر ہو رہی ہے سیدہ! تم بالکل اپنا خیال نہیں
 رکھتیں۔“ وہ تفکر سے گویا ہوا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

”امان! تم رکھتے ہو ناں میرا خیال، پھر مجھے کیا ضرورت ہے؟“ وہ محبت سے بولی۔
 ”انسان جتنا اپنا خیال خود رکھ سکتا ہے کوئی دوسرا ہرگز نہیں رکھ سکتا۔“ وہ شکایتی انداز میں
 بولا۔

”لیکن مجھے تو لگتا ہے کہ تم میرا خیال مجھ سے زیادہ رکھ سکتے ہو۔“ وہ مزہ لیتے ہوئے
 بولی۔

”ہوں! اسی لئے تم اتنی لا پرواہ ہوتی جا رہی ہو۔“ وہ چپ کر بولا تو وہ ہنس پڑی۔

”ارے میری جان! آپ کہاں سے آگئیں؟“ وہ اسے اپنی گود میں بٹھاتے ہوئے محبت سے بولا۔

”مجھے بھی ہنسنا ہے پاپا!“ اس نے اتنی معصومیت سے فرمائش کی کہ وہ ایک بار پھر کھل کر ہنس پڑا تھا۔ جبکہ وہ اسے اس طرح ہنسا دیکھ کر خود بھی ہنسنے لگی تھی۔

”کاش سعید! تم اس وقت میرے پاس ہوتے، میرے بالکل قریب، لیکن..... لیکن تم نے شاید کبھی جی محبت کو محسوس ہی نہیں کیا۔ تم نے یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ تمہیں اصل میں محبت کس سے ہے؟“

اس کا ذہن آج پھر الجھ رہا تھا۔

”کتنی آسانی سے تم نے مجھے اور اپنی بیٹی کو خود سے الگ کر دیا سعید! ایک لمحے کے لئے بھی تم نے یہ نہیں سوچا کہ تمہاری بیٹی کو تمہاری کتنی شدید ضرورت ہے اور میں.....“ وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا اور گریزا کے معصوم سے چہرے کو بغور دیکھنے لگا جواب اس کی گود سے اتر کر اپنی باری ڈول سے کھیلنے میں مصروف ہو چکی تھی۔

آج اسے اس سے الگ ہوئے پورے دو سال ہو چکے تھے اور اس نے ایک بار بھی اس کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ کبھی یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ اب بھی اس سے محبت کرتا ہے یا نہیں۔ مختلف سوچیں ایک بار پھر اس کا گھیراؤ کئے ہوئے تھیں۔

”پاپا! آج ڈنر میں مجھے نوڈلز کھانے ہیں۔“ وہ اپنی باری ڈول کے بال سنوارتے ہوئے مصروف سے انداز میں بولی تو وہ جو اپنے خیالوں میں مگن تھا، اس کی بات غور سے سننے لگا۔

”میرا بیٹا جو کہے گا پاپا وہی بنائیں گے۔“ وہ اسے اپنی گود میں اٹھاتے ہوئے غٹکتی سے بولا اور کچن کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی دیر میں وہ اس کے لئے نوڈلز بنا کر فارغ ہو چکا تھا۔ تب ہی ڈور بیل کی آواز پر وہ کچن سے باہر نکل گیا۔

”السلام علیکم امان بھائی!“ دروازہ کھلتے ہی سب سے پہلے عینانے اسے چمک کر سلام کیا جبکہ وہ جواباً اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر ایک سائیڈ پر ہو گیا۔

”امان بھائی! گڑیا کہاں ہے؟“ اس سے پوچھ کر وہ خود اس کی تلاش میں اندر کی جانب

ہوئے بولا۔

”امان! بس تم سعید کا ہمیشہ خیال رکھنا بیٹا!“ وہ لجاجت سے گویا ہوئیں۔

”میں بہت خیال رکھتا ہوں اگلے کا گرینڈا! لیکن..... لیکن یہ نہیں کیوں مجھے لگتا ہے کہ وہ شائستہ آئی سے اس قدر محبت کرتی ہے کہ میں..... میں بعض دفعہ الجھ سا جاتا ہوں۔“ وہ واقعی الجھا الجھا سا لگ رہا تھا۔

”مجھے اس بات پر اعتراض نہیں ہے کہ وہ ان سے بے تحاشا محبت کرتی ہے بلکہ میں..... میں اس بات سے پریشان رہتا ہوں کہ کہیں وہ ان کی محبت میں کوئی ایسا فیصلہ نہ کر لے جو اس کی اور میری زندگی میں بہت بڑی اور منفی تبدیلی لانے کا باعث بنے۔“ وہ تشویش سے گویا ہوا۔



”تو تم نے ایسا فیصلہ کر ہی لیا سعید! جو نہ صرف میری اور تمہاری بلکہ ہماری اولاد کی زندگی پر بھی اثر انداز ہو رہا ہے۔“ اس نے کرب سے سوچا۔

وقت کتنی جلدی اپنے اندر ہر آنے والے لمحے کو سینٹا رہتا ہے۔ اس کا احساس اسے آج ہو رہا تھا۔

وہ کیا تھا اور کیا ہو گیا ہے؟

یہ خیال اکثر و بیشتر اسے چند سال قبل گزری اس کی زندگی میں لے جاتا تھا۔ جہاں وہ خود سے بے خبر بس جیئے جا رہا تھا۔ پھر اچانک اس کی زندگی کو ایک مقصد مل گیا تھا۔ جس کے تحت چل کر وہ خود کو مطمئن محسوس کرتا تھا۔ پھر سعید کا اس کی زندگی میں آ جانا گویا اس کی زندگی کو مکمل کر گیا تھا۔ لیکن اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی تو درحقیقت اس ننھی سی گڑیا کے دنیا میں آنے سے مکمل ہوئی ہے۔ اس کا خیال آتے ہی اچانک اس کے لبوں پر مسکراہٹ ڈرائی۔

”پاپا! آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟“ اس نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں میں اس کے چہرے کو مسونے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا تو وہ اس کے یوں اچانک سامنے آ جانے اور اس طرح پوچھنے پر کھل کر مسکرا دیا۔

”نہیں آنٹی! اگر اسے کوئی ضرورت ہوتی تو وہ ضرور کوئی کانٹیکٹ کر لیتی۔“ اس نے کہا تو وہ چپ ہو گئیں۔

”امان بھائی! گڑیا کتنی اچھی اچھی باتیں کرنے لگ گئی ہے۔“ عینا اسے گود میں اٹھائے وہیں چلی آئی تو وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا جو بازو اس کی طرف پھیلائے ہوئے تھی۔ اس نے فوراً اسے اپنی گود میں لے لیا۔

”امان بھائی! آج میں آپ کے لئے خاص طور پر فرائیز رائس بناؤں گی بلکہ میں بنا کر لانے ہی لگی تھی لیکن گڑیا سے ملے بغیر مجھے چین ہی نہیں مل رہا تھا، اس لئے اب جا کر بناؤں گی۔“ وہ ان کی اتنی محبت پر دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرنے لگا۔

”امان! کل عینا کے دادا ابو کی بری ہے تم ضرور آنا ختم پر۔“ آنٹی نے کہا۔

”جی آنٹی! بالکل آؤں گا۔“ اس نے کہا۔

وہ تھوڑی دیر ان سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا پھر ان کو زخمت کر کے گڑیا کو سلانے کی کوشش کرنے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ وہ اٹھ کر میز پر جا کر کھڑا ہوا اور فضا میں موجود خشکی کو محسوس کرنے لگا۔ اس نے ایک نظر آسمان کی طرف دیکھا جو بالکل صاف تھا۔ چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ گہری تاریکی میں اسٹریٹ لائٹس کی مدہم اور زرد روشنی اسے بہت بھلی لگ رہی تھی۔ کتنا مطمئن اور پرسکون تھا وہ جبکہ انگلینڈ کی آزاد فضا میں بھی وہ خود کو بہت مقید محسوس کرتا تھا۔ کتنا فرق تھا وہاں رہتے ہوئے اس کی سوچ میں، اور یہاں وہ خود کو ایک نئی سوچ میں ڈھلتا محسوس کر رہا تھا۔

”کاش سنیعہ! تم بھی وہ سب کچھ محسوس کر سکتیں جو میں محسوس کرتا ہوں۔“

اس بار پھر اس کی سوچوں کا رخ اس کی جانب مڑ گیا تھا۔ کتنے آرام سے اس نے وہ سب کہہ دیا تھا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے یوں الگ ہو جائے گی۔ وہ اس کے الفاظ کو چاہنے کے باوجود بھی اپنے ذہن سے محو نہیں کر پایا تھا۔

”امان! پاکستان میں فرشتے تو نہیں رہتے۔ اچھے برے لوگ تو ہر جگہ ہوتے ہیں ناں!“ اس نے ڈرتے ڈرتے اتنا ہی کہا تھا۔

بڑھ گئی۔ جبکہ وہ آنٹی کو سلام کرنے کے بعد انہیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

”اتنے دنوں بعد اپنے سرال سے آئی ہے اور آتے ہی گڑیا سے ملنے کی ضد کرنے لگی۔ بہت محبت کرتی ہے یہ گڑیا سے۔“ آنٹی محبت سے بولیں تو وہ مسکرا کر سر ہلانے لگا۔

”گڑیا بھی عینا کا ہی پوچھتی ہے آنٹی!“ اس نے بتایا۔

”بچے تو محبت مانگتے ہیں بیٹا! جہاں سے بھی ملے اپنے اندر سمیٹے چلے جاتے ہیں لیکن..... لیکن ماں کی محبت کا تو کوئی نعم البدل نہیں ہے۔“ ان کی بات پر وہ محض خاموش رہ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

”آپ مجھ سے کئی بار یہ بات کہہ چکی ہیں آنٹی! لیکن میں..... میں کیا کر سکتا ہوں؟ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ گڑیا کو ماں کی ضرورت ہے جبکہ.....“ بولتے بولتے وہ اچانک چپ ہو گیا۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد ہلکے پھلکے سے انداز میں گویا ہوا۔

”ویسے بھی آنٹی! آپ اور عینا تو گڑیا کی کیئر مجھ سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”نہیں امان! ماں جس طرح اپنی اولاد کی حفاظت کر سکتی ہے دوسرا کوئی بھی نہیں کر سکتا۔“ وہ سمجھانے والے انداز میں بولیں۔

”اب میں اس کی ماں کو کہاں سے لاؤں آنٹی!“ وہ انتہائی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

”بہتر ہوتا کہ تم اسے زبردستی اپنے ساتھ پاکستان لے آتے، آخر تمہاری بیوی ہے وہ۔“ انہوں نے کہا۔

”کیسی بات کر رہی ہیں آنٹی! یہ سب یہاں ہو سکتا ہے لیکن وہاں نہیں۔“ وہ تاسف سے گویا ہوا۔

”وہاں کسی کا کسی پر کوئی حق نہیں ہوتا۔ اسی لئے تو میں.....“ وہ بات کرتے کرتے چپ ہو گیا۔

”اگر تمہیں اعتراض نہ ہو بیٹا! تو میں اس سے ٹیلی فون پر بات کر کے دیکھوں۔ کیا معلوم وہ میری بات کو سمجھ جائے؟“ انہوں نے انجانے خدشے کے تحت پوچھا مبادا وہ انکار نہ کر دے۔

اس کی بات سن کر وہ ہاتھوں میں چہرہ چسپا کر رو پڑی تو وہ تاسف سے اسے دیکھتا رہا جو اس کی مجبوری کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہی تھی۔

اس نے ایک گہرا سانس بھرا اور نیرس پر سے ہٹ گیا۔ ایک نظر اس نے گہری نیند سوتی گزرا پر ڈالی اور لائٹ آف کر کے بیڈ پر لیٹ گیا۔



آج وہ ہسپتال میں نفسیاتی امراض کے وارڈ میں انجلیتا سے ملے آئی تھی جو پچھلے ڈیڑھ سال سے زیر علاج تھی اور اسے دو ماہ پہلے ہی اس کی بیماری کے بارے میں پتہ چلا تھا اور وہ ہر ہفتہ باقاعدگی سے اس سے ہسپتال ملنے آتی تھی۔

”انجلیتا! کیسی ہو؟“ وہ اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھتے ہوئے نرمی سے بولی۔ جبکہ وہ غائب دماغی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”انجلیتا! تم نے کھانا کھایا ہے؟“ وہ اپنے ساتھ لایا لچ بکس کھولتے ہوئے بولی۔ اس نے جواباً غائبی میں سر ہلا دیا تو وہ اسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلانے لگی جبکہ اس نے ایک دم اس کے ہاتھ کو زور سے جھٹک دیا اور چلا کر بولی۔

”تمہیں پتہ ہے ناں! کہ میں ہندو ہوں اور میں..... میں یہ بیف نہیں کھا سکتی۔“
”نہیں انجلیتا! تم..... تم ہندو نہیں ہو۔“ وہ آرام سے اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔
”تم کرچین ہو۔“

”کرچین؟“ وہ تعجب سے اسے دیکھ کر بولی۔

”لیکن مجھے کبھی کسی نے بتایا ہی نہیں کہ میں کرچین ہوں۔“

اس کی ذہنی حالت مجبوری جاری تھی۔ تاہم اس نے وہاں سے اٹھ کر ڈاکٹر کو بلانا ہی مناسب سمجھا لیکن اسے اس حالت میں چھوڑ کر جانا اسے مناسب ہی نہیں لگ رہا تھا۔
”انجلیتا! تم آرام کرو میں پھر آؤں گی۔“ وہ اسے زبردستی بستر پر لٹاتے ہوئے نرمی سے بولی۔

”نہیں! میں..... میں ابھی نہیں سو سکتی۔“ وہ یکدم گھبراہٹ کے عالم میں اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑتے ہوئے رازداری سے بولی۔

”میں جانتا ہوں سیدہ! کہ پاکستان میں فرشتے نہیں رہتے لیکن اتنا بھی جانتا ہوں کہ وہاں میں اپنی اولاد پر کم از کم اتنا حق ضرور رکھ سکوں گا کہ اگر کل کو وہ کوئی غلط فیصلہ کرنے کا سوچے گی تو میں اسے اچھائی اور برائی میں فرق ضرور بتا سکوں گا۔“ اس نے کہا۔
”کس قسم کے غلط فیصلہ کی بات کر رہے ہو تم؟“ وہ تاجمبی کے عالم میں بولی۔
”تم کیا سمجھتے ہو کہ ہم گڑیا کی تربیت! اس انداز میں کریں گے کہ وہ کوئی غلط فیصلہ کر لے؟“

”سیدہ! بچے کی پرورش صرف اس کے والدین ہی نہیں بلکہ اس کے ارد گرد کا ماحول بھی کرتا ہے اور یہاں..... یہاں کیا ہے سوائے بے راہ روی کے، جہاں بچے کے بالغ ہونے کے بعد ماں باپ اپنا حق کھو بیٹھتے ہیں۔ جہاں ماں باپ اپنے بیٹے کو بری عادتوں میں مبتلا دیکھنے کے باوجود اپنی ماحولیات بے حس کے باعث اپنے برنس اور جاب میں بڑی رہتے ہیں، جہاں ماں باپ اپنی بیٹی کو کسی بھی شخص کے ساتھ اس چیز سے بے خبر کہ وہ اس کے مذہب سے منسلک ہے یا نہیں، کورٹ میرج کر لیتی ہے اور وہ محض دیکھتے رہ جاتے ہیں۔“ وہ ایک لمحہ کے لئے زکا اور پھر گویا ہوا۔

”نہیں سیدہ! میں..... میں اپنی بیٹی پر اپنا حق اس وقت تک رکھنا چاہوں گا جب تک اس کا اصل حقدار اس کا ہاتھ نہ تھام لے۔“

”تو..... تو کیا تم مجھے چھوڑ جاؤ گے امان!“ اس نے کانپتے لہجے میں سوال کیا۔

”تم مجھے اتنا بھی نہیں چاہتے کہ میری خاطر.....“

”میں تمہیں چاہتا ہوں اور چاہتا بھی چاہتا ہوں لیکن اس طرح نہیں کہ میں یہی بھول جاؤں کہ میں کون ہوں؟ کیونکہ جس دن میں خود کو بھول گیا اس دن میں تمہیں چاہتا بھی بھول جاؤں گا اور میں نہیں چاہتا کہ میں ایسا کروں۔“ وہ ایک لمحے کے لئے زکا پھر دوبارہ گویا ہوا۔

”میں نے خود کو اور خدا کو بہت مشکل سے پایا ہے سیدہ! اور میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی ایک ایسی بھیل میں خود کو کھودے جس میں ہر قدم پر ہر شخص کا اپنا اپنا خدا ہے۔ بہر حال سیدہ!“ وہ بات ختم کرتے ہوئے بولا۔

”شاید میں نہیں لیکن وقت ہی تمہیں سمجھا دے کہ میں ایسا کیوں چاہتا ہوں؟“

بکھری ہوئی ہے؟ میں۔۔۔ میں ایک کیوں نہیں ہوں؟ میں کسی ایک کی کیوں نہیں ہوں؟ میں یہ کیوں نہیں جانتی کہ میں۔۔۔ میں کون ہوں؟ میں کیا ہوں؟" وہ اپنے آپ میں نہیں تھی۔ اس کی کسی بات کا جواب تو اس کے پاس نہیں تھا مگر وہ اس کی باتوں اور اس کی حالت کے پیش نظر چپ چاپ اٹھی اور باہر نکل آئی۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس کے دماغ میں اس کے اپنے ہی الفاظ گونج رہے تھے جو تھوڑی دیر پہلے اس نے انجلیتا سے کہے تھے۔

"خدا ایک ہے انجلیتا! اور وہ صرف اللہ کی ذات ہے۔"

اسے نہیں معلوم کہ کیسے اس کے منہ سے ان الفاظ کی ادائیگی ہوئی تھی۔ پہلے کبھی اس نے یہ سب محسوس کیا تھا اور نہ اس سوچنے کی کوشش کی تھی۔ بس جو کچھ امان نے مذہب کے بارے میں بتایا تھا وہ بلاچون و چرا اس کو ماننی چلی گئی تھی۔ کبھی یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ آخر جو کچھ وہ کرنے کے لئے کہتا ہے تو اس کو ماننے میں اس کے لئے کوئی عافیت ہے یا نہیں اور اگر وہ اس چیز کو ماننے سے انکار کرتی ہے تو اس میں اس کے لئے کیا نقصان پوشیدہ ہے۔

بس جس نے جو کہا کرنے کے لئے وہ کرتی چلی گئی اور اب۔۔۔ اب اسے خود اپنے آپ پر حیرت ہو رہی تھی۔ اپنے ان الفاظ پر حیرت ہو رہی تھی جن کو اس نے اپنے اندر کبھی محسوس ہی نہیں کیا تھا۔ لیکن اسے ان الفاظ کا مفہوم تک سمجھ آ رہا تھا۔ اس کے اندر بھی اللہ موجود تھا اور موجود ہے لیکن وہ بے خبر تھی۔ گھر پہنچ کر بھی وہ خود کو ان تمام سوچوں سے آزاد نہ کر سکی بلکہ شاید اسے یہ سب سوچنا اور محسوس کرنا اچھا لگ رہا تھا کہ اسے اپنے اندر سے آگئی ہو رہی تھی۔ آج پہلی بار وہ اپنے اندر ہونے والی ایک ہلچل کو محسوس کر رہی تھی۔ آج پہلی بار وہ تنہائی میں صرف اپنی ذات اور اپنے وجود کے بارے میں سوچنا چاہتی تھی۔ ورنہ اب اسے پہلے وہ ساری زندگی محض اسی دائرے کے گرد گھومتی رہی تھی جو دائرہ ماما نے اس کے گرد بنایا تھا اور اس نے کبھی اس دائرے سے باہر نکلنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

تب ہی گاڑی کے ہارن کی تیز آواز پر اس نے جھنجھلا کر کھڑکی سے باہر جھانکا جہاں ماما گیٹ کھل جانے کی جلدی میں بار بار ہارن دے رہی تھیں۔

"آرتی ہوں ماما!" اس نے قدرے تیز آواز میں کہا اور کمرے سے باہر نکل کر بے دلی

اسے لگ رہا تھا کہ اب وہ تارلی بی بیو کر رہی ہے۔ وہ قدرے مطمئن ہو گئی تھی۔
"مجھے تو چرچ بھی جانا تھا۔" وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں اپنی بات پوری کرتے ہوئے بولی اور یکدم اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگی تو وہ فوراً اس کی طرف جا چکی۔
"انجلیتا! تم۔۔۔ تم کہاں جا رہی ہو؟" وہ دروازے بند کر کے قدرے سختی سے گویا ہوئی۔

"مجھے۔۔۔ مجھے چرچ جانا ہے، میں نے نماز پڑھنی ہے، مجھے جانے دو۔" وہ اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے احتجاجیہ انداز میں بولی۔

اسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو رہا تھا۔ اب اسے پہلے کبھی اس نے اس کے سامنے اس طرح بی بیو نہیں کیا تھا، اسی لئے وہ پریشان ہو گئی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس کی یہ حالت احمر کے ساتھ شادی نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی تھی لیکن تب ہی بالکل اچانک وہ زمین پر بیٹھ کر زارو قطار روئے میں مصروف ہو گئی تھی۔ وہ مزید گھبرا کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"میں۔۔۔ میں کیا کروں؟" وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے آسمان کی طرف منہ کئے روتے ہوئے مسلسل بول رہی تھی۔

"مجھے چرچ جانا ہے، مجھے نماز پڑھنی ہے اور پھر شیورام جی سے ڈھیر ساری دعائیں بھی مانگنی ہیں۔ میں کیا کیا کروں؟" روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"میں کس کس سے مانگوں اور کس کس کو خدا مانوں؟ مجھے بتاؤ!"

وہ اسے ایک ختم نہ ہونے والی اذیت میں مبتلا دیکھ رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر اس کا دل بھرا آیا تھا۔ تب ہی وہ اس کے قریب گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

"یہ اتنے سارے خدا کیوں ہیں؟" وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

"ایک خدا کیوں نہیں ہے؟ بتاؤ مجھے!" وہ اچانک دونوں ہاتھوں سے اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔

"خدا ایک ہے انجلیتا! اور وہ صرف اللہ کی ذات ہے۔" وہ ایک نقطے پر نظریں مرکوز کئے ہوئے بولی۔ اسے اپنا دماغ بالکل سن سا محسوس ہو رہا تھا۔

"تو پھر۔۔۔ میں بندو کیوں ہوں؟ کرپین کیوں ہوں؟ بولو! میری ذات کیوں

کی زینت بنی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک نظر اپنے پورے کمرے پر دوڑائی اور ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر ٹھہر گئی۔

اسے اپنے اندر ایک خلاء سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ خلاء جو وہ اکثر ماما کے اندر محسوس کر کے اسے ختم کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔

”تو کیا... تو کیا میں بھی یونہی ساری زندگی ماما کی طرح...“ وہ گھبراہٹ کے عالم میں کرسی پر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اپنا سانس تیز تیز چلتا محسوس ہو رہا تھا۔

”میں بھی ماما کی طرح اپنے وجود کو لوگوں کے جہوم میں گم کر لوں گی؟ میں بھی اپنی ذات کو اس اذیت ناک تنہائی کے حوالے کر دوں گی؟“

اسے عجیب سی ٹھن ہورہی تھی۔ اس نے تمام کھڑکیوں کے پردے ہٹا دیئے اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ مگر اس کے اندر موجود جس کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

اسے اپنے آپ سے اپنے وجود سے عجیب اُلجھن سی محسوس ہو رہی تھی۔ یکدم وہ چہرہ ہاتھوں میں لے کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اور کافی دیر رونے کے بعد بھی جب اسے سکون نہ ملا تو وہ اچانک کسی خیال کے تحت داش روم میں کھس گئی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ وضو کر کے باہر نکلی تو اس نے خود کو کسی حد تک مطمئن محسوس کیا لیکن پھر بھی اس کا دل عجیب طریقے سے دھڑک رہا تھا۔

اس نے جائے نماز بچھائی اور دو نفل نماز پڑھنے لگی۔ نماز پڑھتے ہوئے وہ مسلسل رو رہی تھی۔ نہ جانے کیوں پہلی بار اس کا دل اس قدر بھرا گیا تھا کہ آنسو بہانے پر وہ خود کو بے حد مطمئن محسوس کر رہی تھی۔ اپنے اندر اللہ کی موجودگی کا احساس تو اسے اسی وقت ہو گیا تھا جب اس کے منہ سے بے اختیار ان الفاظ کی ادائیگی ہوئی تھی لیکن اب تو گویا وہ اسے اپنی ہر ہر سانس میں محسوس کر رہی تھی۔

آج تقریباً دو سال بعد وہ اسے سجدہ کر رہی تھی جس کی زندگی کا وہ واحد مالک تھا وگرنہ وہ امان کے کہنے پر ہی نماز پڑھا کرتی تھی، محض اس کی خوشی کی خاطر۔ لیکن اللہ کی خوشنودی کا پتہ اسے آج چل رہا تھا۔ آج اسے امان کی وقتاً فوقتاً ہی تمام باتیں یاد آ رہی تھیں۔

نماز پڑھنے کے بعد سجدے میں سر جھکائے وہ اللہ سے اپنی گزشتہ تمام خطاؤں کی معافی

سے گیٹ کھولنے لگی۔

شاید آج پہلی بار اسے اپنی ذات میں رہ کر سوچنا اچھا لگ رہا تھا۔ تب ہی وہ ماما کی یوں اچانک مداخلت پر جھنجھلا سی گئی تھی۔

”کیسی ہوسیدہ ڈیر!“ گاڑی سے اترتے ہوئے وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اس کی خیریت معلوم کرنے لگیں۔

جبکہ وہ جواباً محض انہیں ایک نظر دیکھ کر سر جھکا گئی تھی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ روش کر اس کے اندر اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھیں کہ بالکل اچانک وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکیں اور سنٹرل نیبل سے ٹکرا کر زمین پر گر پڑیں۔

وہ یہ سارا منظر گھاس ڈور سے دیکھ رہی تھی۔ ان کے گرتے وجود کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے تیزی سے بڑی مگر اچانک رُک سی گئی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اندر کی طرف چل پڑی۔

وہ نشے میں دھت ہوش و خرد سے بیگانہ صوفے اور سنٹرل نیبل کے بالکل درمیان ہر شے سے بے نیاز بے ہوش پڑی تھیں۔

اس نے ایک نظر ان کے پورے وجود پر ڈالی۔ وہ گہرے گلے کی ایک سیلیولس شرٹ اور منی اسکرٹ میں لبوس تھیں۔ ان کا جسم مکمل طور پر نمایاں ہو رہا تھا۔ ایک دم اسے ان کے وجود سے اکتاہٹ سی ہونے لگی تھی۔ اس نے فوراً نظر دوسری طرف پھیر لی اور تقریباً دوڑتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔

”آج پہلی بار...“ اس نے کرسی کی بیک پر سر ڈال کر سوچا۔

آج پہلی بار اس نے ماما کے نشے میں دھت بے جان جسم کو وہیں پڑے رہنے دیا جہاں وہ اکثر ٹھوکر کھا کر گر پڑتی تھیں اور وہ لپک کر ان کی طرف دوڑ جاتی تھی۔ آخر آج اس کے اندر کی وہ بیٹی کہاں سوئی ہوئی تھی جو ان کے ڈمگاتے قدموں پر گھبرا اٹھتی تھی؟ شاید آج اسے ان کے وجود سے زیادہ اپنی ذات کی اہمیت اور اپنے اندر کی حقیقت کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

آج پہلی بار اس نے ماما کو ڈرائنگ روم میں جی بیش قیمت چیزوں اور دبیز قالین پر تنہا چھوڑ دیا تھا لیکن... لیکن وہ خود بھی تو تنہا تھی ان تمام قیمتی اشیاء کے درمیان جو اس کے کمرے

ان کے بارے میں سوچتے سوچتے کب اس کی آنکھ لگی۔ اسے پتہ ہی نہ چلا اور جب وہ بھرپور نیند لے کر اٹھی تو صبح کے دس بجے تھے۔

وہ فوراً بستر سے نیچے اتر آئی اور فجر کی نماز نہ پڑھنے پر خود کو برا بھلا کہتی ہوئی آفس جانے کی تیاری کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ تیار ہو کر اپنے کمرے سے باہر نکلی تو ماما کی کرخت آواز اس کی سماعتوں سے جا ٹکرائی۔

پتہ نہیں کیوں آج ان کی کرخت آواز سن کر اس کا دل سہا نہیں تھا اور نہ اس نے اپنی مانگوں میں لرزش محسوس کی تھی۔

”سیدہ! تمہیں اس بات کا احساس ہے کہ میں ساری رات شدید سردی میں کارپٹ پر پڑی رہی اور تم.....“ وہ غصے سے بولتی ہوئیں اس کی طرف بڑھیں۔

”اور تم مزے سے اپنے کمرے میں نرم گرم بستر پر سوتی رہیں، کیسی بیٹی ہو تم!“

”اور آپ ماما!.....“ وہ قدرے سخت لہجے میں مخاطب ہوئی۔

”آپ کیسی ماں ہیں جو یوں آدمی رات کو نشتے میں دھت اپنے گھر میں اپنی بیٹی کی موجودگی میں داخل ہوتی ہیں۔“

”یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو تم مجھ سے؟“ وہ غرا کر بولیں تو وہ محض ان پر ایک نظر ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

”سیدہ! تم میری انسٹلٹ کر رہی ہو، یہ یاد رکھنا۔“

اس نے اپنے تعاقب میں ان کی تیز آواز سنی اور پھر نظر انداز کر گئی۔ آفس پہنچ کر خود کو کاموں میں مصروف کر لینے کے باوجود وہ صبح ماما کے ساتھ ہونے والی تلخ کلامی کو انگوڑ نہیں کر پائی تھی۔ تب وہ سارے کام چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور گاڑی کا رخ اولڈ ہوم کی جانب موڑ دیا۔

آج اسے کسی اپنے کی بہت شدت سے کی محسوس ہو رہی تھی۔ جس سے وہ اپنے دل کی ساری باتیں کر سکے۔ جبکہ گرینڈا کا مشفق وجود اس کے لئے باعث راحت محسوس ہو رہا تھا لیکن اسے ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں وہ اس سے ملنے سے انکار ہی نہ کر دیں کہ جس نے ساری زندگی انہیں کوئی اہمیت نہ دی تھی اور نہ کہیں ان سے کوئی بات کرنے کی کوشش کی تھی، آخر وہ یہ

مانگنے کے ساتھ ساتھ اپنے دل کے مطمئن اور پڑ سکون ہو جانے کی دعائیں بھی مانگ رہی تھی۔

”گناہوں سے بھرا ہے میرا لمحہ لمحہ یارب! میرے خالی کا سے میں اپنی رحمت بھر دے یارب! میرا دامن تر ہے اس ایک آس پر، میرے دل کو بھی تو بھگو دے یارب! میں کیونکر سوا تیرے کسی اور کو دیکھوں؟ میری تونس نس میں تو بسا ہے یارب! میں گناہوں سے بھرپور، خطاوار ہوں بہت، دکھا مجھے بخش کر اپنے کرم کی فیاضی یارب! سرگرا ہے میرا سجدے میں، آنکھیں ہیں اشکبار، مجھے بخش دے یارب! مجھے بخش دے یارب!“

کانی دیر بعد جب وہ سجدے میں سے اٹھی تو اس نے خود کو کافی پڑ سکون محسوس کیا۔ اس نے بیگلی آنکھوں سے پورے کمرے کا جائزہ لیا۔ ہر شے دھندلی دھندلی سی دکھائی دے رہی تھی۔ مگر اسے لگا جیسے اس کا اندر بالکل شفاف ہو گیا ہے۔ اس کے اندر کی ساری دھند چھٹ گئی ہے۔ اسے کسی چیز میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی سوائے اپنے وجود، اپنی سوچ اور اللہ کی ذات کے ہر شے بے معنی سی لگ رہی تھی۔

اس نے تشکر آمیز نظروں سے کھڑکی سے باہر نظر آنے والے آسمان کو دیکھا اور مسکرا کر سر جھکا لیا۔

آج اسے امان کی ہر بتائی بات سمجھ آ گئی تھی۔ وہ اسے اس کے مسلمان ہونے کا احساس دلاتا تھا، اسے اللہ سے قریب کرنے کی کوشش کرتا تھا، اس کی خواہشوں کو عاڈوں میں ڈھالنے کی سعی کرتا تھا اور وہ کبھی سمجھ ہی نہیں سکتی تھی کہ وہ درحقیقت اسے اللہ کی نظروں میں مستعبر کرنا چاہتا تھا۔

اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی جمع ہو گیا تھا۔ اس کا خیال آتے ہی اس کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے شروع ہو گیا تھا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی بینڈ کی طرف بڑھ گئی اور اپنی پوری زندگی کا بھرپور جائزہ لینے کی کوشش کرنے لگی۔ تب ہی اسے گرینڈا کا خیال آیا تو ان کا نحیف سا وجود اس کی نظروں میں آکر خنجر سا گیا تھا۔ اس نے کبھی گرینڈا کو ایک بزرگ کی حیثیت نہیں دی تھی اور نہ کبھی ان کے لئے اپنے دل میں کوئی نرم سا گوشہ محسوس کیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ گرینڈما کے بالکل سامنے تھی۔
 گرینڈما ایک لمحے کی دیر کئے بغیر اس کی جانب بڑھیں اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔
 وہ فرط محبت سے اس کی پیشانی کو بار بار چوم رہی تھیں جبکہ آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔
 وہ ان کے پڑشفق چہرے کو بغور نکلے جا رہی تھی۔ ان کے چہرے پر پھیلتے آنسوؤں کو
 دیکھ کر وہ یکدم شرمندہ ہو گئی۔
 ”کیسی ہو سیدہ! میری جان!“ انہوں نے محبت سے اس کے چہرے کو اپنے دونوں
 ہاتھوں میں تھام کر پوچھا۔
 ”میں ٹھیک ہوں گرینڈما!“ اس نے آہستگی سے جواب دیا۔
 ”میں..... میں بتا نہیں سکتی سیدہ! کہ تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر میں کتنی خوش ہوں۔“ وہ
 دوپٹے کے پلو سے آنسو صاف کرتے ہوئے خوشی سے بھرپور لہجے میں بولیں۔
 ”گرینڈما! میں آج تک آپ سے بہت دور رہی ہوں۔ میں..... میں نے ماما کو اتنا چاہا
 تھا گرینڈما! کہ ان کے علاوہ کسی کی محبت مجھے دکھائی نہیں دیتی تھی۔“ وہ نم آنکھوں سمیت بولی۔
 ”نہیں بیٹا! اگر تم دور تھیں تو کیا ہوا؟ میں نے تو ہمیشہ تمہیں اپنے بہت قریب محسوس کیا
 ہے۔ مجھے یقین تھا کہ تم ایک دن ضرور آؤ گی میرے پاس۔“ وہ اس کے آنسو صاف کر کے
 مسکرا کر بولیں تو وہ ان کے جھریوں زدہ چہرے میں اس محبت کو محسوس کرنے لگی جس کو اس نے

سب کیوں کرتی آئی تھی؟
 اس نے اپنے دل کو ٹولا اور جاننے کی کوشش کرنے لگی کہ اسے گرینڈما سے اُنسیت
 کیوں نہیں تھی؟ یادہ ان سے نفرت کرتی تھی؟
 ”نہیں! میں نے..... میں نے ان سے کبھی نفرت نہیں کی بلکہ میں تو ماما کی خوشی کی خاطر
 ان سے دور رہی تھی۔“ وہ دیر سے خود سے مخاطب ہوئی۔
 لیکن ماما نے اسے ان سے دور کیوں رکھنا چاہا تھا؟
 یہ سوال آج پہلی بار اس کے اندر سے ابھرا تھا۔
 اولڈ ہوم کے پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کرنے کے بعد وہ چھوٹے چھوٹے قدم
 اُٹھاتی اولڈ ہوم کی انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھ گئی اور گرینڈما کے متعلق معلوم کرنے
 لگی۔
 اسے لگ رہا تھا کہ یہ سب وہ میکا کی انداز میں کر رہی تھی۔



اس نے تھوڑی دیر پہلے ٹیلی فون پر انگلینڈ میں ماما سے فون پر انجلینا کی کیفیت کے بارے معلوم کیا تھا۔ ان کے مطابق اس کی حالت ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید خراب ہوتی جا رہی تھی۔ تاہم ڈاکٹر زاسے میٹل ہاسپٹل ایڈمٹ کرانے کا مشورہ دے چکے تھے۔ وہ اس وقت بے حد آپ سیٹ تھا، یکدم اسے اس شخص کی لاش یاد آئی جس کو اس نے انگلینڈ میں بے گور وکن اور بغیر کسی شناخت کے دیکھا تھا۔

”تو کیا انجلینا بھی.....“

”نہیں!“ وہ زیر لب بڑبڑایا۔

اچانک اس کی نظر گڑیا پر جا پڑی جو بڑی محویت سے ہوم درک کرنے میں مصروف تھی۔ وہ فوراً اس کی طرف جالپکا اور اسے اپنی گود میں بٹھالیا۔

”گڑیا بیٹا! آپ کون ہو؟“ اس کے لہجے میں واضح چٹائی تھی۔ پتہ نہیں وہ کس چیز کی تسلی کرنا چاہ رہا تھا۔

”مسلمان!“ اس کا جواب سن کر اس نے اسے اپنے سینے سے لگالیا اور ایک اطمینان بھرا سانس لیا۔

کتنا مطمئن تھا وہ کہ اس کی طرح اس کی اولاد کی برتھ سرٹیفکیٹ پر مذہب کا خانہ خالی نہیں تھا بلکہ لفظ مذہب ”اسلام“ درج تھا جبکہ اس کے سکول فارم پر بھی کاسٹ کی جگہ ”مسلمان“ لکھا ہوا تھا۔

اس نے ایک تشکر آمیز نظر آسمان پر ڈالی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

◆ ◆ ◆

وہ ابھی ابھی گھر میں داخل ہوئی تھی۔ جب سامنے ہی ڈرائنگ روم میں صوفے پر ماما کو بیٹھے دیکھ کر اسے شدید حیرت ہوئی۔

وہ اتنی جلدی آفس سے کبھی گھر نہیں آتی تھیں تو پھر آج..... وہ انہیں سلام کر کے آگے کی جانب بڑھ ہی رہی تھی کہ ایک لمحے کے لئے ان کے تئور دیکھ کر وہ کچھ کنفیوز ہو گئی۔ مگر پھر اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے آگے بڑھ گئی لیکن ان کی کرخت آواز پر وہ وہیں جم ہی گئی۔

کبھی ڈھونڈنے کی کوشش تک نہ کی تھی۔ لیکن اب..... اب وہ بآسانی ان کی محبت کو اپنے چاروں طرف محسوس کر سکتی تھی۔

وہ دھیرے سے ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔ کتنا سکون مل رہا تھا اسے یوں ان کی گود میں سر رکھ کر۔

”گرینڈا! آپ کو مجھ سے کوئی شکوہ تک نہیں ہے کہ میں نے آج تک.....“

”کچھ مت کہو بیٹا!“ وہ اس کی بات کاٹ کر بولیں۔

”گرینڈا! میں آج ماما کی وجہ سے بہت آپ سیٹ ہوں۔“ تھوڑی دیر بعد وہ کچھ جھپکتے ہوئے آزدگی سے گویا ہوئی۔

اب سے پہلے اس نے کبھی گرینڈا سے کوئی پرسنل بات نہیں کی تھی تاہم ماما کے بارے میں بات کرتے ہوئے وہ ہچکچا رہی تھی۔

”کیوں؟“ انہوں نے تشویش سے پوچھا۔

”گرینڈا! مجھے..... مجھے ماما کے وجود سے عجیب سی الجھن محسوس ہونے لگی ہے۔“ وہ دھیرے دھیرے بولی۔

”پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا ہے کہ مجھے ان سے محبت نہیں رہی حالانکہ ایسا سوچتے ہوئے میرے دل میں کچھ ہوتا ہے لیکن میں.....“ وہ بولتے بولتے اچانک چپ ہو گئی تو انہوں نے بھی مزید اصرار نہیں کیا اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

تقریباً ایک گھنٹہ ان کے پاس رک کر وہ گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

آج وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ اسے اپنے سر سے کوئی بوجھ اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور خود کو مطمئن محسوس کرنے لگی۔

◆ ◆ ◆

”تو تمہارا بھی شمار انگلینڈ کے ان بے شمار امرا میں ہی ہو گیا انجلینا! جو اپنی زندگی کے ہر لمحے کو اپنی مرضی سے گزار لینے کے بعد اللہ کی مرضی کے تابع ہونا چاہتے ہیں مگر وہ اپنی آخری سانس تک یہ جان ہی نہیں پاتے کہ اس کے ہونے کے لئے اس کے راستے پر چلنا پڑتا ہے۔“

اس نے دکھ سے انجلینا کے بارے میں سوچا۔

اس نے تھوڑی دیر پہلے ٹیلی فون پر انگلینڈ میں ماما سے فون پر انجلینا کی کیفیت کے بارے میں معلوم کیا تھا۔ ان کے مطابق اس کی حالت ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید خراب ہوتی جا رہی تھی۔ تاہم ڈاکٹر زاسے مینٹل ہاسپٹل ایڈمٹ کرانے کا مشورہ دے چکے تھے۔

وہ اس وقت بے حد آپ سیٹ تھا، یکدم اسے اس شخص کی لاش یاد آئی جس کو اس نے انگلینڈ میں بے گور وکفن اور بغیر کسی شناخت کے دیکھا تھا۔

”تو کیا انجلینا بھی.....“

”نہیں!“ وہ زیر لب بڑبڑایا۔

اچانک اس کی نظر گڑیا پر جا پڑی جو بڑی محویت سے ہوم درک کرنے میں مصروف تھی۔ وہ فوراً اس کی طرف جالپا اور اسے اپنی گود میں بٹھالیا۔

”گڑیا بیٹا! آپ کون ہو؟“ اس کے لہجے میں واضح جتاہلی تھی۔ پتہ نہیں وہ کس چیز کی تسلی کرنا چاہ رہا تھا۔

”مسلمان!“ اس کا جواب سن کر اس نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور ایک اطمینان بھرا سانس لیا۔

کتنا مطمئن تھا وہ کہ اس کی طرح اس کی اولاد کی برتھ سرٹیفکیٹ پر مذہب کا خانہ خالی نہیں تھا بلکہ لفظ مذہب ”اسلام“ درج تھا جبکہ اس کے سکول فارم پر بھی کاسٹ کی جگہ ”مسلمان“ لکھا ہوا تھا۔

اس نے ایک تشکر آمیز نظر آسمان پر ڈالی اور اُنھ کھڑا ہوا۔

♦ ♦ ♦

وہ ابھی ابھی گھر میں داخل ہوئی تھی۔ جب سامنے ہی ڈرائنگ روم میں صوفے پر ماما کو بیٹھے دیکھ کر اسے شدید حیرت ہوئی۔

وہ اتنی جلدی آفس سے کبھی گھر نہیں آتی تھیں تو پھر آج..... وہ انہیں سلام کر کے آگے کی جانب بڑھ ہی رہی تھی کہ ایک لمحے کے لئے ان کے تئور دیکھ کر وہ کچھ کنفیوزی ہو گئی۔ مگر پھر اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے آگے بڑھ گئی لیکن ان کی کرخت آواز پر وہ وہیں جم ہی گئی۔

کبھی ڈھونڈنے کی کوشش تک نہ کی تھی۔ لیکن اب..... اب وہ بآسانی ان کی محبت کو اپنے چاروں طرف محسوس کر سکتی تھی۔

وہ دھیرے سے ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔ کتنا سکون مل رہا تھا اسے یوں ان کی گود میں سر رکھ کر۔

”گرینڈا! آپ کو مجھ سے کوئی شکوہ تک نہیں ہے کہ میں نے آج تک.....“

”کچھ مت کہو بیٹا!“ وہ اس کی بات کاٹ کر بولیں۔

”گرینڈا! میں آج ماما کی وجہ سے بہت آپ سیٹ ہوں۔“ تھوڑی دیر بعد وہ کچھ جھجکتے ہوئے آزدگی سے گویا ہوئی۔

اب سے پہلے اس نے کبھی گرینڈا سے کوئی پرسل بات نہیں کی تھی تاہم ماما کے بارے میں بات کرتے ہوئے وہ ہچکچا رہی تھی۔

”کیوں؟“ انہوں نے تشویش سے پوچھا۔

”گرینڈا! مجھے..... مجھے ماما کے وجود سے عجیب سی الجھن محسوس ہونے لگی ہے۔“ وہ دھیرے دھیرے بولی۔

”پتہ نہیں کیوں مجھے لگتا ہے کہ مجھے ان سے محبت نہیں رہی حالانکہ ایسا سوچتے ہوئے میرے دل میں کچھ ہوتا ہے لیکن میں.....“ وہ بولتے بولتے اچانک چپ ہو گئی تو انہوں نے بھی مزید اصرار نہیں کیا اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

تقریباً ایک گھنٹہ ان کے پاس رک کر وہ گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

آج وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ اسے اپنے سر سے کوئی بوجھ اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور خود کو مطمئن محسوس کرنے لگی۔

♦ ♦ ♦

”تو تمہارا بھی شمار انگلینڈ کے ان بے شمار امرا میں ہی ہو گیا انجلینا! جو اپنی زندگی کے ہر لمحے کو اپنی مرضی سے گزار لینے کے بعد اللہ کی مرضی کے تابع ہونا چاہتے ہیں مگر وہ اپنی آخری سانس تک یہ جان ہی نہیں پاتے کہ اس کے ہونے کے لئے اس کے راستے پر چلنا پڑتا ہے۔“ اس نے ڈکھ سے انجلینا کے بارے میں سوچا۔

الگ کر دیا۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے مگر وہ بولتی چلی گئی۔

”مجھے..... مجھے تو محسوس ہوتا ہے ماما! کہ کہیں میرا دل بھی آپ کی طرح اپنی بیٹی سے دور نہ ہو جائے۔ اسے میں نے اپنی خواہشوں کی خاطر خود سے الگ کر دیا بالکل دیے جیسے آپ نے مجھے اپنے قریب تو رکھا مگر دل کے قریب نہیں۔“ بولتے بولتے اچانک وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

”ادبہ! میں اسی لئے ان رشتوں کی محبتوں کو اپنے دل میں نہیں پالتی۔ ورنہ میری بھی وہی حالت ہوتی جو اس وقت تمہاری ہو رہی ہے۔ میں اتنی کمزور بننا نہیں چاہتی تھی کہ تمہاری طرح یوں روتی اور میں تمہیں بھی اپنی طرح مضبوط دیکھنا چاہتی تھی۔ تمہیں بھی اپنی طرح ایک کامیاب بزنس وومن کے طور پر دیکھنا چاہتی تھی اور اگر میں نے یہ سب کرنے کی کوشش کی تھی تو کچھ برائیاں کیا تھا میں نے۔ میں ماں ہوں تمہاری اور اتنا تو حق بنتا ہے ناں! میرا کہ میں.....“ اس نے یکدم چہرہ اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔ وہ اپنی رو میں بولتی جا رہی تھیں۔

”میں نے ساری زندگی تمہارے لئے کڑا رڈی اور دوسری شادی تک نہ کی کہ کہیں تم خود کو اکیلا محسوس نہ کرو۔ میں نے اتنا پیسہ کمایا تا کہ تم خود کو دوسروں سے کتر نہ سمجھو۔ تمہاری برٹش کلاس فیلوز اور تمہاری فرینڈز تمہیں تمہارے مذہب میں انوالو دیکھ کر تمہیں اچھوت کی بیماری قرار دے کر تم سے پرے نہ رہیں۔ اسی لئے میں نے تمہیں ان کے مذہب کے قریب کر دیا تا کہ وہ تمہیں اپنا ہی سمجھیں۔ اسلام مذہب میں ایک عجیب سی کشش ہے، میں مانتی ہوں اسی لئے میں نے تمہیں تمہاری گریڈ ما سے دور رکھا کہیں تم ان کی باتوں میں آکر خود کو کتر رینو نہ کر لو اور اگر میں نے ایسا سوچا تو تمہارے لئے، لیکن تم.....“

”نو ماما! آپ نے میرے حق میں کچھ اچھا نہیں کیا بلکہ آپ نے بھی وہی کیا جو یہاں کا ہر فرد کرتا ہے۔ آپ نے دوسری شادی نہیں کی کیونکہ آپ کو اپنے لاقاعداد بوائے فرینڈز سے کبھی فرصت نہیں ملی۔ مجھ میں کتری کے احساس کے باعث آپ نے پیسہ نہیں کمایا بلکہ خود کو مضبوط اور اپنے شوق کو پورا کرنے کے لئے ایسا کیا اور وہی مذہب کی بات تو ماما! آپ کی اس غلطی کو میں کبھی بھی معاف نہیں کر سکتی۔ آپ نے مجھے میرے اصل سے دور کر دیا، مجھے نہ خود کو سمجھنے دیا اور نہ خدا کو۔“ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے ان کی طرف بڑھتے ہوئے مزید بولی۔

”تم کیا سمجھتی ہو مجھے یوں پریشان کر کے تم آرام سے رہ پاؤ گی؟ ہرگز نہیں!“ وہ شدید طیش کے عالم میں دکھائی دے رہی تھیں۔ اتنے دن کا غبار نکالنے کا موقع انہیں آج ملا تھا۔

”آج تم جس مقام پر ہو صرف میری وجہ سے ہو۔“ ان کا انداز جتانے والا تھا۔

”لیس ماما! آف کورس! میں آج جس مقام پر ہوں صرف آپ کی وجہ سے ہوں۔“ وہ اپنے اندر کی ساری ہمت مجتمع کرتے ہوئے بولی۔

”اس شاندار گھر کے ایک ویل ڈیکورینڈ کمرے میں تنہا مقید ہو کر رہ گئی ہوں تو آپ کی وجہ سے، خدا سے دعاؤں کے بجائے میرے اندر خواہشوں کا ڈھیر لگ گیا تھا تو آپ کی وجہ سے، میں سر سے پاؤں تک جس حالت میں بھی ہوں وہ صرف آپ ہی کی وجہ سے ہوں۔“ بولتے بولتے اس کا گلہ زندہ کیا تھا مگر پھر بھی وہ بولتی چلی گئی۔

”میں..... میں بہت بد نصیب ہوں ماما! کہ مجھے آپ جیسی ماں ملی جس نے اپنی بیٹی کے اندر صرف دولت کی ہوس، خوبصورت چیزوں سے پیارا اور اس دنیا سے محبت کے احساس کو پیدا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا۔ میں اپنے آپ کو نہیں جانتی ماما! کہ میں خود کیا چاہتی ہوں؟ میں ساری زندگی آپ کے گرد گھومتی رہی۔ میں..... میں تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ میری اپنی بھی کوئی مرضی ہے یا نہیں؟ میں نے اپنا آپ منوانا سیکھا ہی کب ہے؟ ہمیشہ آپ کے اشاروں کی منتظر رہی ہوں میں۔“

”شٹ اپ سلیو!“ وہ اس کی بات کاٹ کر غرا کر بولیں۔

”میں نے تمہیں زندگی دی ہے، تمہیں شناخت دی ہے اور تم..... تم مجھے ہی.....“

”بس کیجئے ماما! بس کیجئے! یہی تو آپ کی بھول ہے کہ آپ نے مجھے زندگی دی ہے۔ کیا آپ جانتی ہیں ان کو جس نے آپ کو زندگی دی ہے؟ آپ کو سانس دی ہیں؟ آپ کی شناخت تو بس یہی ہے کہ آپ ایک کامیاب بزنس وومن ہیں اور کیا جانتی ہیں آپ اس کے علاوہ اپنے بارے میں؟“ وہ بے خونی سے بول رہی تھی۔

”آپ نے دی ہے ناں! مجھے میری شناخت تو بتائیے کہ کیا ہوں میں؟ ایک ایسی بیٹی جس کی ماں کو اپنے بزنس اور بوائے فرینڈز سے فرصت نہیں، ایک ایسی بیوی جس نے اپنی ماں کی خواہش کی خاطر اپنے شوہر کو چھوڑ دیا یا ایسی ماں جس نے اپنی دو سال کی بیٹی کو خود سے

وہ لاؤنج میں گھنٹوں میں سروئے سسک پڑی تھی۔

”امان! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔“ وہ ایک ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

”امان! مجھے..... مجھے نمبر پچ ہو رہا ہے اور تمہیں میری کوئی پروا نہیں ہے۔ میرے پاس آ جاؤ امان! میرے پاس آ جاؤ پلیز!“ وہ بری طرح تڑپ رہی تھی۔

کافی دیر رو لینے کے بعد وہ اٹھی اور آنسو صاف کرتے ہوئے کچن کی جانب چل پڑی۔ اسے شدید بھوک اور پیاس کے باعث نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ کچن کے دروازے میں رُک کر وہ پورے کچن کا جائزہ لینے لگی۔

وہ کہیں بھی نہیں تھا۔ یکدم اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ ایک لمحے کے لئے اسے لگا کہ وہ ابھی کہیں سے اس کے لئے سوپ بنا کر اس کے سامنے آکھڑا ہو گا مگر.....

وہ مایوسی سے اُلٹے قدموں اپنے کمرے کی جانب مزگنی اور بند پر گر کر بے تحاشا رونے لگی۔

کوئی بھی نہیں تھا اس کے پاس۔ اسے اپنے کمرے میں گونجنے والے سنانے سے دشت سی ہو رہی تھی۔

اچانک اس کا دل چاہا کہ ماما اس کے پاس آ جائیں اور جیسے امان اس کے بالوں میں محبت سے اُٹھکیاں پھیلتا تھا وہ بھی اسی طرح کریں۔ لیکن رات کے دو بج چکے تھے اور ان کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں؟

تھوڑی دیر بعد اس نے گھبراہٹ کے عالم میں ان کے پرسنل میل نمبر پر ایس کیا جو فوراً ریسپونڈ کر لیا گیا تھا۔

”ہیلو ماما!“ ان کی آواز سن کر وہ بیتابی سے بولی۔

”ماما! میں..... میں بہت اکیلی ہوں۔ ماما! آپ فوراً آ جائیں پلیز! مجھے آپ کی بہت ضرورت ہے۔“ اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ اُٹک رہا تھا۔

”سنیو!“ اس وقت بہت بڑی ہوں، مجھے دوبارہ کال مت کرنا۔ بائی واوے! تمہیں میری ضرورت کیوں آن پڑی؟“ وہ قدرے تلخی سے بولیں۔

”ماما! میں آپ سے محبت کرتی تھی، بے تحاشا محبت ماما! لیکن..... لیکن آپ نے کبھی میری محبت کو محسوس ہی نہیں کیا۔ ذرا اور محبت میں بہت فرق ہوتا ہے ماما! اور میں آج تک آپ سے ڈرتی رہی تھی کہ کہیں آپ مجھے چھوڑ نہ دیں۔ کیونکہ مجھے اکیلے پن سے خوف سا آتا تھا اور آپ کے نہ ہونے کا تصور مجھے پریشان کر دیتا تھا یا یوں کہہ لیجئے ماما! کہ مجھے آپ کی عادت سی ہو گئی تھی اور اس عادت کو میں محبت سمجھتی رہی تھی اور اسی عادت کے باعث میں آپ کی ہر جائز ناجائز بات مانتی چلی گئی۔ میں نے کبھی اپنے آپ کو کبھی اہمیت نہیں دی ماما!“

اس کا دل پھٹ سا رہا تھا مگر وہ بولنا چاہتی تھی۔ اس کے اندر جمع ہونے والے ساری الفاظ باہر نکلنے کو جیتاب ہو رہے تھے۔ مگر وہ مزید کچھ بھی نہ کہہ سکی اور خود پر ضبط کرتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ جبکہ وہ مطمئن انداز میں ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئیں۔



وہ کب سے شدید بخار کی حالت میں بے چینی کے باعث سر کو زور زور سے نیچے پر پٹخ رہی تھی۔ اس کا پورا جسم آگ کی طرح تپ رہا تھا۔ پیاس کی شدت کے باعث اس کا حلق جھلکا جا رہا تھا۔

”پانی!“ وہ پوری قوت سے بولی مگر اس کی آواز اندر ہی کہیں گھٹ کر رہ گئی تھی۔ اس نے اپنے خشک اور چڑی زدہ ہونٹوں پر زبان پھیری اور تیز چلتی سانسوں کو بحال کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ ایک عجیب سی بے کلی نے اس کے پورے جسم کو جکڑا ہوا تھا۔

”یا اللہ!“ اس نے اپنے ذمے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر اللہ کو پکارا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

”امان! امان! مجھے..... مجھے پانی چاہئے۔“ وہ بند آنکھوں سمیت زیر لب بڑبڑائی مگر ایک ہی آواز پر اسے اپنے قریب نہ پا کر اس نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں اور بے چینی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ وہ قدرے متوحش دکھائی دے رہی تھی۔

وہ جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس طرح یکدم اُنھنے سے اسے اپنا بدن مزید ٹوٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا مگر وہ پرواہ کئے بغیر بستر سے نیچے اُتر آئی۔

”امان!“ وہ بیتابی سے اسے آواز دیتی ہوئی آواز دے رہی تھی آخر کار اسے نہ پا کر

”میں ٹھیک ہوں لیکن تمہیں شاید ٹیپر پچر ہو رہا ہے۔“ وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے تفکر سے گویا ہوئیں۔

”ٹھیک ہو جائے گا گرینڈا!“ وہ لاپرواہی سے بولی۔

”آج میرا تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے سیدہ!“ انہوں نے دھیرے سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”میں بھی آپ سے بہت سی باتیں جاننا چاہتا ہوں گرینڈا!“ اس نے کہا۔

”سیدہ! تم نے امان کو کیوں چھوڑ دیا؟ وہ تم سے کس قدر محبت کرتا تھا اس کا شاید تمہیں اندازہ نہیں ہے۔“ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد انہوں نے اچانک امان کا ذکر کیا تو وہ بغور انہیں دیکھنے لگی۔ جبکہ وہ اس کے جواب کی منتظر تھیں۔

”میں نے امان کو نہیں چھوڑا گرینڈا! اور نہ میں کبھی چھوڑ سکتی ہوں۔“ اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

”تو چھوڑنا کس کو کہتے ہیں؟ تم نہیں جانتیں کہ دو سال سے وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ تمہاری بیٹی کیسی ہے؟ تمہیں کچھ نہیں پتہ اور نہ کبھی تم نے جاننے کی کوشش کی سیدہ!“ ان کی بات پر وہ بے ساختہ رو پڑی۔

انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگالیا اور دھیرے دھیرے بولنے لگیں۔

”تم بہت خوش نصیب ہو سیدہ! کہ تم نے جسے چاہا وہ مسلمان ہو کر تمہاری زندگی میں آیا ورنہ شاید تم بھی یونہی بھٹکتی رہتیں، اس بات سے بالکل بے خبر کہ تم کس قدر گرم ہو گئی ہو اس دنیا کی بھیڑ میں۔“

”گرینڈا! میں نے ماما.....“

”میں جانتی ہوں۔“ وہ فوراً اس کی بات کاٹ کر بولیں۔

”میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم نے اپنی ماں کی خاطر اتنی بڑی قربانی دی ہے۔ صرف اس کی محبت میں تم نے اپنی بیٹی کو خود سے الگ کر دیا ہے لیکن کاش! تمہاری یہ قربانی کسی ایسے شخص کے لئے ہوتی جو تمہاری محبت کی دل سے قدر کرتا ہے۔ یہ مت سمجھنا سیدہ! کہ میں تم کو تمہاری ماں سے بدظن کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“ انہوں نے اس کے چہرے کو اُوپر کرتے

”ماما! مجھے..... مجھے بہت تیز ٹیپر پچر ہو رہا ہے۔ میں.....“

”اسٹاپ دس ٹان سینس!“ اس بار انہوں نے درشتی سے جھڑک دیا۔

”تمہارے معمولی سے ٹیپر پچر کی وجہ سے میں اپنا طین کا لاس نہیں کر سکتی۔ کوئی ٹیبلٹ لو اور سو جاؤ۔“

اتنا کہہ کر انہوں نے جھٹکے سے موبائل آف کر دیا تو وہ انتہائی صدمے کی سی حالت میں فون ہاتھوں میں پکڑے بیٹھی رہی۔ ان کی بے حسی اسے منجھ کر گئی تھی۔ وہ فون رکھ کر اٹھی اور ٹیپر پر آنکھڑی ہوئی۔

وہ خالی خالی سی نظروں سے پورے شہر میں روشن قلعوں کو تک رہی تھی۔ آج اسے ماما کے رویے پر شدید افسوس کیوں ہو رہا تھا؟ حالانکہ اب سے پہلے بھی تو وہ ایسا ہی کرتی تھیں لیکن اسے بالکل برا نہیں لگتا تھا۔ پھر آج..... آج کیوں اسے برا لگ رہا تھا۔ ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر ٹھہری گئی۔

وہ مزی اور واٹس روم میں گھس گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ وضو کر کے باہر نکلی تو خود کو کافی بہتر محسوس کیا۔ وہ جائے نماز بچھا کر نوافل پڑھنے میں مشغول ہو گئی۔

۵ ۵ ۵

اگلے دن وہ گرینڈا سے ملنے اولڈ ہوم آئی تھی۔ ان کی طبیعت چند دنوں سے انتہائی ناساز تھی۔ وہ پریشان سی حالت میں ان کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ وہ اپنے بیڈ پر آنکھیں بند کئے لیٹی تھیں جبکہ ان کی انگلیاں تسبیح کے دانوں کو ایک ایک کر کے متحرک کر رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے جا کر ان کے قریب ان کا نحیف سا ہاتھ تھام کر بیٹھ گئی۔

”آپ کو کیسے پتہ کہ میں آئی ہوں؟“ وہ حیرانی سے بولی۔

”محبت کی اپنی خوشبو ہوتی ہے جیٹا!“ انہوں نے دھیرے سے آنکھیں کھول کر اس کی جانب مسکرا کر کہا تو وہ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگ گئی۔ امان بھی تو اس کی آہٹ کو فوراً سمجھ جاتا تھا۔

اس کے خیال نے اس کے ہونٹوں پر ایک مدہم مگر اُداس سی مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

”آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“ تھوڑی دیر بعد اس نے آہستگی سے پوچھا۔

ہوئے کہا۔

”لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ تم اپنی ماں سے اپنی محبت کا ثبوت ایسی صورت میں دو جس کی وجہ سے تین تین زندگیاں برباد ہو جائیں۔“ ان کی بات سن کر وہ آنسو صاف کرنے لگی۔

”لیکن جب انسان کو صرف اپنی ذات اور اپنے وجود سے محبت ہو وہ کسی دوسرے کی محبت کو کبھی سمجھ ہی نہیں سکتا اور جسے صرف اپنی ضرورت ہوتا! اسے کسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شائستہ بھی انہی لوگوں میں سے ہے جو صرف خود سے محبت کرنا جانتے ہیں، انہیں دوسروں کی محبت یا قربانی سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ لیکن شائستہ بہت خوش قسمت ہے کہ اسے تم جیسی محبت کرنے والی بیٹی ملی لیکن وہ بہت بد نصیب ماں بھی ہے جس کے سینے میں کبھی اپنی اولاد کی محبت نہیں ہمک سکی۔“ اس نے غور سے ان کے چہرے کی جانب دیکھا جہاں گزرے ہوئے ماہ و سال کا ایک ایک لمحہ ان کے چہرے پر قلم تھا۔ شاید آج وہ سب کچھ بتانا چاہتی تھیں جو ان کو رفتہ رفتہ اذیت دیتا رہتا تھا۔

ان کی نظریں محض ایک ہی نقطے پر مرکوز تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اسی نقطے میں گزری ہوئی پوری زندگی دیکھ رہی ہوں۔ ان کے سفید پڑتے ہونٹوں میں واضح لرزش تھی۔ شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ تب ہی اس نے کہا۔

”گریڈ ما! جو کچھ بھی آپ کے اندر ہے آپ مجھے وہ سب کچھ بتا دیجئے، میں.....“
وہ اس کی پوری بات سننے بغیر بولنا شروع ہو گئیں تو وہ چپ چاپ ان کو سنتی چلی گئی۔



شائستہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔ تاہم وہ ماما اور پاپا کی آنکھوں کا نور تھی۔ ان کی زندگی کی سب سے بڑی کوشش تھی کہ وہ شائستہ کو کسی بھی قسم کی کمی یا محرومی کا احساس نہیں ہونے دیتے تھے۔ مگر یہاں کی آزاد فضا میں آزادی کی خواہش اس کے اندر پروان چڑھتی جا رہی تھی۔ ان کا گھرانہ انتہائی مذہبی قسم کا تھا مگر اس کا رجحان شروع سے ہی دوسروں کی تقلید کر کے اس کو اپنانا تھا، جس کی وجہ سے وہ سات آٹھ سال کی عمر میں بھی قرآن شریف پڑھنے پر رضامند نہ ہوتی، کیونکہ اس کے کلاس فیلوز قرآن شریف کے نام سے بھی واقف نہیں تھے اور

وہ بھی اس کے متعلق کچھ جاننے کی خواہش نہیں رکھتی تھی۔

ماما اس کی طرف سے بے حد فکر مند رہتی تھیں۔ جبکہ پاپا کو یقین تھا کہ وہ تھوڑی سی بڑی ہو کر سمجھ جائے گی مگر ان کی محض خام خیالی ہی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے یہاں کے ماحول کے طور طریقے اپنانا شروع کر دیئے تھے۔ ان کی تھوڑی سی سختی یہاں کے قانون کے خلاف ہونے کے باعث وہ اندر ہی اندر گھٹنے لگے تھے۔

راتوں کو دیر سے گھراتا، ہر روز ایک نئے لڑکے کے ساتھ ہونٹنگ اور اسموکنگ کرنا اس کے روزمرہ کے معمولات بن چکے تھے۔

جس لڑکی کے ماں باپ نے ساری زندگی ایک نماز بھی قضا نہیں کی تھی وہ نماز سے کوسوں دور تھی۔ ہر روز ان کی پریشانی میں اضافہ بڑھتا جا رہا تھا۔
پھر ایک رات جب وہ پہلی بار شراب کے نشے میں دھت گھر میں داخل ہوئی تو ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔

پاپا کو پہلا ہارٹ ایک اسی رات آیا تھا جب اس کے ڈمگاتے قدم گھر کی دہلیز پر پڑے تھے۔ اس کے ہوش و خرد سے بیگانہ جسم کو گھر میں چھوڑ کر ماما پاپا کو ہسپتال لے گئیں۔ ساری رات ماما اس کی طرف سے پریشان ہو کر روتی رہیں جبکہ دوسری طرف پاپا کی زندگی کی دعائیں مانگتے مانگتے ان کے ہونٹ نہیں رکتے تھے۔

اگلی صبح جب وہ ہسپتال سے گھر کچھ سامان لینے آئیں تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ پکنک پر شہر سے باہر جا چکی ہے۔ یہ سن کر ان کا صدمہ سے برا حال ہو گیا۔
گویا یہاں کی فضا میں پھیلی بے حسی اس کے اندر بھی رچ بس چکی تھی۔

ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے مگر صبر کے علاوہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ پاپا جب صحت یاب ہو کر گھر آئے تو تھوڑے دنوں بعد ہی ان دنوں نے اس کو اپنی عزت اور شرافت کے واسطے: ہے اس کے آگے ہاتھ جوڑے کہ وہ اپنی یہ روش ترک کر دے مگر اس پہ کوئی اثر نہ پڑا۔

یونہی کئی سال گزر گئے اور پھر ایک دن وہ ایک غیر مسلم لڑکے کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی۔

وہ اپنی مٹا کے آگے مجبور تھیں۔ وہ بھول گئی تھیں کہ وہ بیٹی جو اپنے ماں باپ کے لئے محبت کا لفظ استعمال کرنا نہ جانتی ہو، وہ دوسرے کے لئے اس جذبے کو اپنے اندر کیسے محسوس کر سکتی ہے۔

”ماما! میں نے برائن سے بات کی تھی وہ راضی ہو گیا ہے لیکن وہ کچھ عرصے بعد مسلمان ہونا چاہتا ہے۔“ وہ اس کی آنکھوں میں پہلی بار آنسو دیکھ رہی تھیں۔ ان سے اس کی یہ تڑپ برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

انہوں نے فوراً اس کی بات پر یقین کر لیا اور پاپا سے کہا کہ برائن دل سے مسلمان ہونا چاہتا ہے۔ جس پر اعتراض کا کوئی جواز نہیں تھا۔ کچھ ہی دنوں بعد ان کی طبیعت بہت زیادہ خراب رہنے لگی تھی۔ وہ جلد از جلد اپنی تمام جائیداد ماما کے نام منتقل کرنا چاہتے تھے لیکن انہیں ان کی جائیداد سے زیادہ ان کی زندگی کی فکر تھی اور انہیں اس بات کی بھی بے حد خوشی تھی کہ شائستہ اب ان کے کچھ قریب رہنے لگی ہے۔ وہ ان کی بات ماننے ہوئے مگر بھی جلدی سے آنے لگ گئی تھی۔ حالانکہ وہ بزنس سنیل کرنے کی وجہ سے خاصی معروف ہو گئی تھی مگر ماما کی بات ماننے ہوئے وہ اپنی کچھ پرانی عادتیں ترک کر چکی تھی۔

انہیں دنوں وہ پریشان پریشان سی رہنے لگی تھی۔ ماما کے پوچھنے پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

”ماما! میں نے برائن کے ساتھ جو بزنس شروع کیا تھا اس میں مجھے بہت نقصان ہوا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں ماما! میں کیا کروں؟“ وہ از حد فکر مند دکھائی دے رہی تھی۔ ان سے اس کی یہ حالت مزید دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

”پھر میں..... میں کیا کر سکتی ہوں؟“ انہوں نے متفکر انداز میں پوچھا۔

”ماما! بس آپ ہی میری ہیلپ کر سکتی ہیں۔“ اس نے ایک آس سے کہا۔

اور یوں انہوں نے بغیر سوچے سمجھے اپنی اولاد کی پریشانی رفع کرنے کی خاطر ساری جائیداد شوہر کے علم میں لائے بغیر اس کے نام کر دی۔

اس بات سے بے خبر کہ وہ اس قدر مادہ پرست بن چکی تھی کہ ان کی دولت کے حصول کے لئے وہ اتنے عرصے سے ان کے ساتھ اپنی جھوٹی محبت اور لگاؤ کا کھیل کھیل رہی تھی۔

”ماما! پاپا! یہ میرا بوائے فرینڈ ہے برائن! اور میں اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے اس لڑکے کے گلے میں بانٹیں ڈالتے ہوئے بے خوفی سے کہا۔

اس کی بات سن کر ان پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ جبکہ ماما پاپا کی بیماری کی وجہ سے ہول گئی تھیں۔ وہ دل کے مریض بن چکے تھے اور کوئی بھی صدمہ ان کی جان کے لئے خطرہ کا باعث بن سکتا تھا۔

”اگر یہ مسلمان ہے تو تم اس سے شادی کر سکتی ہو ورنہ دوسری صورت میں ہم تمہیں اس سے شادی کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے۔“ انہوں نے خود پر ضبط کرتے ہوئے قدرے نرمی سے کہا۔

”وہاٹ ڈو یو مین ڈیڈ!“ اس نے ان کی بات پر تعجب سے کہا۔

”آپ سے کس نے کہا کہ مجھے آپ لوگوں کی اجازت کی ضرورت ہے۔ میں تو جسٹ آپ کو انفارم کر رہی تھی، انڈر اسٹینڈ!“ وہ انتہائی سفاکی سے کہہ کر گھر سے باہر نکل گئی۔ وہ اس پر کسی بھی قسم کی زور زبردستی کرنے کے متحمل نہیں تھے کہ وہ یہاں کے قانون کے خلاف تھا اور وہ بالغ تھی۔ لیکن یہ بھی تو گوارا نہیں تھا کہ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو کسی عیسائی کے ساتھ شادی کرتا دیکھتے رہتے۔

پھر پاپا نے مجبور کیا کہ اگر وہ برائن سے شادی کرتی ہے تو وہ اسے اپنی پراپرٹی سے بے دخل کر دیں گے۔

ان کی یہ بات سن کر وہ خاموش خاموش سی رہنے لگی تھی۔

تب ایک دن وہ ماما کے پاس پریشان سی حالت میں آئی اور کہنے لگی۔

”ماما! میں..... میں بھی برائن سے محبت کرتی ہوں۔ میں بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتی

ماما!

تھوڑی دیر بعد وہ زار و قطار رونے میں مصروف ہو گئی تھی۔ جبکہ ان کا دل پسچ گیا تھا۔ انہوں نے اتنا کمزور اسے بھی نہیں دیکھا تھا جتنا وہ ان کچھ ہی دنوں میں نظر آنے لگی تھی۔

”لیکن تمہارے پاپا تب تک نہیں مانیں گے جب تک برائن مسلمان نہیں ہو جاتا۔“ انہوں نے نرمی سے کہا۔

بہتری کے بارے میں سوچتی رہتیں کہ ہو سکتا ہے کبھی تو ان کی کوئی نصیحت اس کی زندگی کو راہ راست پر ڈال دے، وہ اور برائے دونوں اپنا اپنا بزنس اسٹیلش کرنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ جبکہ وہ ایک خاموش تماشائی کی مانند ان کے اوقات دیکھتی رہتیں۔

رات کو دونوں کا دیر سے گھر آنا، گھر پر پارٹیز اور حرام چیزوں کے بے دریغ استعمال کو وہ دو سال تک برداشت کرتی رہیں۔

اکثر وہ اس بات پر حیران ہو جاتی تھیں کہ شائستہ نے ایک بار بھی انہیں اولڈ ہوم جانے پر زور نہیں دیا تھا۔ شاید اس کے دل میں ان کے لئے کوئی نرم گوشہ موجود تھا۔

لیکن ایک رات ڈانٹنگ روم سے آتی آوازوں نے ان کا سارا بھرم ہی توڑ ڈالا تھا۔ ”شائستہ! تم اپنی مدر کو اولڈ ہوم شفٹ کیوں نہیں کرتیں؟ آخر یہ گھر اور پر اپنی اب تمہاری ہے اور ان کی دیے بھی اب کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دو سال تک ہم نے انہیں کیسے برداشت کیا ہے یہ تو تم جانتی ہی ہو۔“ برائے نے انتہائی بیزار سے کہا۔

”مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے برائے! انہیں اپنے گھر میں رکھنے کا لیکن صرف اس وجہ سے کہ سرکل میں میرے اس اقدام کو بہت سراہا جا رہا ہے کہ میں نے سوسائٹی کے بالکل متضاد ایک بوڑھی ماں کو اپنے گھر میں ہی رکھا ہوا ہے اور تم دیکھنا کہ میں اس طرح کتنی فیس ہو جاؤں گی۔“

اس کی بات سن کر ان سے اپنے قدموں پر کھڑا ہونا دو بھر ہو گیا تھا۔ وہ بکھرتے وجود کو سنبھالتی ہوئیں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں اور اللہ کے آگے گڑگڑا کر رو پڑیں۔

انہیں شدید ڈکھ ہو رہا تھا کہ ان کی اکلوتی اولاد، ایک مسلمان گھرانے کی بیٹی اپنی ماں کے ساتھ ایسا کر سکتی ہے۔

تب ہی چند دنوں بعد انہوں نے خاموشی سے گھر چھوڑنے کا قصد کر لیا مگر شوخی قسمت کہ انہیں دنوں برائے کی شراب کے نشے میں دھت گھر آتے ہوئے ایک کار ایکسیڈنٹ میں ڈھک ہو گئی تو ایک بار پھر انہوں نے اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے اپنے سینے سے لگا کر ڈھیروں دلا سے دے ڈالے۔ مگر اسے شاید اتنا افسوس یا ڈکھ نہیں تھا۔ تب ہی محض دو دن بعد ہی اس کی وہی روٹین شروع ہو گئی جو کچھ دنوں پہلے تک تھی۔

پاپا کو جب جائیداد کے بارے میں علم ہوا تو وہ ماما سے بے حد خفا ہوئے۔ ان کے خیال کے مطابق شائستہ کا کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ وہ کب ان کو نکال باہر کرے۔ لیکن ماما نے انہیں مطمئن کر دیا تھا کہ اب وہ انہیں کوئی ڈک نہیں پہنچائے گی۔

مگر وہ غلط تھیں، بالکل غلط! ماں کی ممتا نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی جس کے باعث وہ کچھ بھی واضح دیکھ نہیں پا رہی تھیں۔

لیکن جب کچھ ہی عرصے بعد وہ سفید برائڈل ڈریس میں برائے کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی اور اپنی شادی کا اعلان کیا تو وہ ہکا بکا رہ گئیں۔

وہ جانتی تھیں کہ ابھی تک برائے نے اسلام قبول نہیں کیا تو پھر..... یہ شادی؟ دوسری طرف یہ خبر سن کر پاپا کو ایک سیریس ہارٹ ایک ہوا اور وہ اسی وقت دم توڑ گئے۔

ان پر دو دو قیامتیں ٹوٹ چکی تھیں۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس قیامت پر سوگ منائیں؟

وہ شدید صدمے کے باعث بے ہوش ہو گئی تھیں۔ دو دن ہسپتال میں رہ کر جب وہ گھر شفٹ ہوئیں تو گویا ان کی دنیا ہی اُجڑ چکی تھی۔ ان کے شوہر منوں مٹی تلے جا سوئے تھے اور وہ خود زندہ لاش کی مانند زندہ رہیں۔

وہ ہر آہٹ پر شائستہ کی خنجر رتیں جو پاپا کی ڈھکے کے ایک دن بعد ہی کینڈا ہنی مون کے لئے جا چکی تھی۔

اس کے اس سنگدلانہ رویے پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ کوئی بیٹی اس قدر بھی سنگدل اور بے رحم ہو سکتی ہے کہ اپنے باپ کو دفن کر اور اپنی ماں کو ہسپتال میں بے ہوشی کی حالت میں تنہا چھوڑ کر اپنی خوشیوں میں گمن ہو جائے۔

وہ اب سمجھ چکی تھیں کہ وہ دولت پرست ہے اور اس نے برائے سے بھی محض اس کی دولت کی وجہ سے شادی کی تھی اور اپنی پوزیشن اسٹرونگ بنانے کے لئے اس نے برائے پر اپنی بے شمار دولت کو ظاہر کیا تھا۔ ان کا دل اس کی طرف سے بری طرح خراب ہو چکا تھا۔

وہ بارہا اسے نہ دیکھنے اور نہ ملنے کا ارادہ کرتیں مگر اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کی

ہر بار وہ اپنی اولاد کی محبت سے مجبور ہو کر اس کے ساتھ رکنے پر مجبور تھیں۔
مگر اب وہ سیدہ کو دوسری شائستہ بننے سے بچانے کے لئے خود کو اپنی بیٹی کی نفرت بھری
نظروں کا سامنا کرنے کے لئے تیار کرنے لگیں۔

جب سیدہ چار سال کی ہوئی تو انہوں نے ایک انجانے خدشے کی تحت سب سے پہلے
اس کو کلہہ یاد کرایا اور جب پہلی بار انہوں نے سیدہ کے منہ سے کلمہ سنا تو ان کی روح تک
سرشار ہو گئی تھی۔

ایک عجیب سا اطمینان تھا جس نے انہیں اس رات سکون کی نیند سلا یا تھا۔ جوں جوں
سیدہ بڑی ہو رہی تھی شائستہ اسے ان سے دور رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ سیدہ کو اپنی طرح
آزاد خیال بنانا چاہتی تھی اور جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہو گئی تھی۔ مگر انہیں جب بھی
موقع ملتا وہ سیدہ کو بہت سی اچھی باتیں بتانے کی بھرپور کوشش کرتیں۔ شروع شروع میں انہوں
نے سیدہ کو قرآن شریف اور نماز بھی سکھانے کی کوشش کی مگر شائستہ کا غصہ اور نفرت آمیز انداز
انہیں کمزور سے کمزور تر بنا دیتا تھا اور جب انہوں نے سیدہ کے منہ سے ایک عیسائی سے شادی
کی بات سنی تو انہیں محسوس ہوا کہ ان چوبیس سالوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جو وقت چوبیس
سال پہلے ان کے گھر میں آیا تھا وہی آج پھر آ گیا ہے۔ انہیں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا
تھا۔

اس رات وہ نجانے کتنے گھنٹے اللہ کے آگے سر بسجود رہی تھیں اور گزر گزرا کو اس کے حق
میں بہتری کی دعائیں مانگتی رہیں اور یہ ان کی دُعاؤں کا ہی اثر تھا کہ ایک مسلمان ہی اس کی
زندگی میں شوہر کی حیثیت اختیار کر گیا تھا اور یہ سب کیسے ہوا تھا وہ بالکل نہیں جانتی تھیں۔ مگر
ایک اطمینان تھا جو ان کی رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ اب وہ بالکل شانت تھیں۔ امان
ایک بہترین شخص تھا، وہ انہیں بہت اپنا اپنا سا لگا تھا۔ تب ہی انہوں نے اس کے بے حد اصرار
پر اپنے دل کی ساری باتیں اس سے کہہ ڈالی تھیں اور شاید یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ
پاکستان شفٹ ہو گیا تھا۔

اور آج یہی باتیں سیدہ کو بتا کر وہ سکون ہو گئی تھیں۔ ان کی آنکھوں کے کناروں سے
آنسو نکل کر نیچے میں جذب ہو رہے تھے۔

وہ ہر روز رات کو نشے کی حالت میں گھر میں داخل ہوتی تو ان کا کلیجہ پھٹ سا جاتا تھا۔
اس کے سمجھانے کا بھی ان پر مطلق کوئی اثر نہیں تھا۔

”شائستہ! تمہارا اس حالت میں ڈرنک لینا بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ تم جانتی ہو کہ یہ
تمہارے اور تمہارے ہونے والے بچے کے لئے.....“
”آپ..... آپ میری زندگی میں داخل اندازی مت کیا کریں۔“ وہ اس کی بات کاٹ
کر چلائی۔

”کیا چاہتی ہیں آپ! کہ..... کہ میں اپنی زندگی کو! بجوائے نہ کروں؟ برائے کے غم کو
ساری زندگی سینے پر سجا کر گھومتی رہوں۔ میری خوشیوں کی اصل دشمن تو آپ ہیں، آپ.....
آپ ہی کو برائے سے میری شادی برداشت نہیں ہوئی تھی ناں! اب تو خوش ہوں گی آپ!
چھین لیا ناں برائے کو مجھ سے آپ نے؟ نفرت کرتی ہوں میں آپ سے، بے تحاشا نفرت۔“
وہ انتہائی تنفر سے کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور چند لمحوں پہلے اس کے منہ سے نکلے فقرے کو سن کر
وہ سکتے کی سی کیفیت میں آ گئی تھیں۔

”چھین لیا ناں برائے کو مجھ سے آپ نے، نفرت کرتی ہوں میں آپ سے، بے تحاشا
نفرت۔“

ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو پھٹک پڑے۔

”کون ایسی ماں ہے جسے اپنی اولاد کی خوشیاں عزیز نہ ہوں۔ میں..... میں نے تو
تمہاری خاطر ایک غیر مسلم آدمی کو تمہارے شوہر کے طور پر بھی قبول کر لیا تھا شائستہ! اور ایسا کر
کے میں آج تک خود سے نظر نہیں ملا پائی لیکن اس کے علاوہ میں اور کبھی کیا سکتی تھی لیکن پھر
بھی تم..... تم مجھ سے نفرت کرتی ہو؟“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھیں۔ انہیں اپنا دل بند ہوتا
محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اس کی نفرت کا سامنا نہیں کر سکتی تھیں۔ تب ہی اگلے دن انہوں نے اولاد
ہوم شفٹ ہو جانے کے لئے پیکنگ کرنا شروع کر دی تھی مگر اسی وقت شائستہ کی ڈیوری اور
ہاسپٹل لے جانے کی خبر نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ فوراً ہاسپٹل جا پہنچیں۔

اس کے پہلو میں لیٹی ایک ننھی سی جان کو دیکھ کر وہ آبدیدہ ہو گئیں اور فوراً اس معصوم سے
وجود کو سینے سے لگا لیا۔

جانے کتنی ہی امیدوں کو اپنے اندر مدغم کر لیتا ہے۔“
 وہ بڑے غور سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ کافی دیر تک وہ خاموشی سے وہیں بیٹھی رہی۔
 اس کا ذہن الجھتا جا رہا تھا۔ ایک طرف وہ امان کے لئے پریشان تھی تو دوسری طرف ماما
 کی طرف سے اسے شدید افسوس ہو رہا تھا۔
 تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے مختلف سوچوں میں گہری باہر نکل آئی اور گہری طرف چل
 پڑی۔
 گھر پہنچ کر وہ گرینڈما سے ہونے والی ساری باتوں کو پڑ سکون دماغ کے ساتھ سوچنے
 میں مصروف ہو گئی۔



وہ ابھی ابھی عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی۔ مختلف سوچیں اس کا گھیراؤ کئے ہوئے
 تھیں۔ جہاں اسے اب تک اس کی زندگی میں ہونے والی تبدیلی پر حیرت ہو رہی تھی وہیں وہ
 خود پر بھی افسوس کر رہی تھی جو ہمیشہ جھوٹی محبتوں کے حصار میں گہری رہی تھی۔ کبھی اصل محبت
 کو جاننے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ اس نے اضطراب کے عالم میں سرچیز کی بیک پر ڈال
 دیا۔

”درِ تصور“

دیران گلیوں کے سنان

رستوں پر

کھوئی یادوں کی ہلکی سی

آہٹوں پر

غم آنکھوں کو نرم

ہتھیلی سے صاف

کرتے ہوئے

ریزہ ریزہ جذباتوں

کی چھین سے

”گرینڈما! آپ..... آپ بہت گریٹ ہیں۔“ اس نے بھیگی آنکھوں سمیت اپنی انگلیوں
 کی پوروں سے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیں۔
 ”میرے ارد گرد اتنے چاہنے والے لوگ ہیں مجھے کبھی پیہ ہی نہیں چل سکا۔“
 اسے رونا آ رہا تھا مگر وہ خود پر ضبط کرتے ہوئے بولی۔
 ”یہ صرف آپ کی دعاؤں کا ہی اثر تھا گرینڈما! کہ میں..... میں دنیا کے اس گمراہ کر
 دینے والے جہنم میں نہیں کھوسکی۔“ وہ چہرے پر پھیلے اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے
 تشکرانہ آواز میں بولی۔

”میں اپنے اللہ کی بہت شکر گزار ہوں گرینڈما! وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔“

”بالکل! یہ اسی کا کرم ہے۔“ گرینڈما نے کہا۔

”بہت کچھ دعاؤں سے بھی ممکن ہوتا ہے اور میں جانتی ہوں کہ ایک شخص ہے جو ہمیشہ
 سے تمہارے لئے دعا گو تھا اور اب بھی ہے۔“

اس نے سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔ جہاں ان کی گہری ہوتی مسکراہٹ دیکھ کر
 خود بخود اس کے لبوں پر اس کا نام آ گیا۔

”امان!“ انہوں نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا جبکہ وہ شرمندہ شرمندہ سی سر جھکا گئی۔

”گرینڈما! آپ..... آپ جانتی ہیں کہ وہ کہاں ہے؟“ اس نے جھپکتے ہوئے پوچھا تو

انہوں نے مثبت جواب دیا۔

”لیکن گرینڈما! مجھے لگتا ہے کہ میرے پاس اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔“ وہ بہت
 پڑمردہ دکھائی دے رہی تھی۔

”مجھے بالکل امید نہیں ہے کہ امان مجھے.....“

”نہیں بیٹا! ناامید نہیں ہوتے۔“ وہ فوراً اس کی بات کا نئے ہوئے بولیں۔

”ناامیدی کا جنگل اس قدر گہنا ہوتا ہے کہ امید کی ہلکی سی آہٹ اس جنگل میں پھیلے
 گہرے سکوت اور سناٹے کو ختم نہیں کر سکتی اور نہ ہی ایک کرن اس جنگل میں پھیلے اندھیرے کو
 اپنے اندر سمو سکتی ہے۔ اس جنگل میں خوشیوں کی سرسراہٹ ہوائیں بھی پھیلے ہوئے جود کو توڑ
 نہیں سکتیں تو بس پھر ناامیدی کے اس گہنے جنگل کو اپنے اندر پنپنے نہیں دینا چاہئے۔ یہ نہ

کھو گئی محبتیں اور
مصنوعی لگاؤ نہیں
وہاں سے وہ کتراتے ہیں
اپنے شکستہ وجود
کی بکھرتی اینٹوں
سے حلقوں کی
ایک گلی میں
مکان بناتی ہے اور
خود ہی ان
دیران گلیوں کے سنان
رستوں پر
کہیں دور جا ملتی ہے۔

اس کی نظریں ایک ہی نقطے پر مرکوز تھیں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ اسے
اپنا آپ بہت خالی خالی سا لگ رہا تھا۔
تب ہی ماما دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں تو وہ ایک سرسری سی نظر ان کے سراپے پر
ڈال کر اسی طرح بیٹھی رہی۔

”سنیچہ! یہ کیا تم ہر وقت اس کمرے میں بند رہتی ہو؟“ آج کافی دنوں بعد ماما اس سے
پہلے والے لہجے میں مخاطب ہو رہی تھیں مگر اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔
”دیکھو سنیچہ! اس دن جو کچھ تم نے کہا یا میں نے کہا، میں سب کچھ! منور کر چکی ہوں۔
اب تم بھی اپنا موڈ درست کرو اور جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میرے ساتھ پارٹی پر چلو!“ وہ اسے
آفر کرتے ہوئے بولیں۔

”اس جس زدہ کمرے میں تمہیں ٹھن محسوس نہیں ہو رہی؟ چلو جلدی کرو! میں تمہیں تنہا
نہیں دیکھ سکتی اس طرح اور تم بھی خود کو تنہا مت سمجھا کرو میں.....“
”میں خود کو صرف اس وقت تنہا محسوس کرتی ہوں جب میرا دل اس کی یاد سے غافل ہو

جلتی آنکھیں جب
دیکھتی ہیں اطراف میں
ہر شے میں عکس ہے
آویزاں، ہر دیوار
پر ہے درد بے مایاں
رشتوں کی اونچی اونچی
فصلیں، کرخت لہجوں میں
پنہتی چند امیدیں
ہر قدم پر گھوڑا اندھیرا
دُھند میں لپٹا ہر
خورد چہرہ
سانے گونجتے ہیں
دن میں
سائے بولتے ہیں
حزن میں
چھٹی ہوئی سرد
تیز ہوا میں
اپنا کوئی اسرار
کھولتی جائیں
سیاہ بادلوں سے
ڈھکے آسمان کی
رفتوں سے نہ
گھبراتے ہیں
ملے جہاں سے

”آپ کو کبھی میری محبت پر یقین آیا ہی نہیں تھا اور نہ ہی آپ آج یقین کریں گی۔ لیکن ماما! اب میں آپ کو یقین دلانے کی کوشش نہیں کروں گی۔ کیونکہ آپ تو محبت کے بارے میں کچھ جانتی ہی نہیں ہیں۔“

”طنز کر رہی ہو مجھ پر؟“ وہ تھکے انداز میں مخاطب ہوئیں۔

”ماما! میں جاننا چاہتی ہوں کہ میں کون ہوں؟“ اس نے ان کے گھٹنوں کے پاس کارپٹ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”کیا مطلب؟“ وہ ناگہمی کے عالم میں بولیں۔

”تم میری بیٹی ہو بس!“

”میں آپ کی بیٹی ہوں ماما! لیکن آپ..... آپ کون ہیں؟“ اس نے عجب سے انداز میں پوچھا تو وہ گڑبڑا کر اسے دیکھنے لگیں اور جواباً کچھ نہ کہہ سکیں۔

”میری رگوں میں دوڑنے والا خون ایک عیسائی کا ہے تو پھر میں..... میں کون ہوں؟ میں کلہ پڑھتی ہوں، نماز پڑھتی ہوں اور صرف اللہ کو مانتی ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور شکر ہے اللہ کا کہ میں یہ جان گئی ہوں ماما!“ وہ دھیرے سے بولی۔

”کس قدر فضول باتیں کر رہی ہو تم!“ انہوں نے ترش لہجے میں کہا۔

”میرا نام سیدہ برائن ہے اور مجھے دیکھئے ماما! کہ میں کس قدر بے خبر تھی کہ میں نے کبھی اپنے نام پر بھی غور نہیں کیا کہ میرے نام کے ساتھ ایک عیسائی آدمی کا نام ہے، اگر میں خود سے بہت پہلے آگاہ ہو چکی ہوتی تو شاید ہرگز یہ نام اپنے نام کے ساتھ برداشت نہ کر پاتی لیکن ماما! آپ..... آپ کیسے.....“

”اسناپ اٹ سیدہ!“ وہ چلا کر بولیں۔

”پتہ نہیں تم کون کون سی فضول باتیں کر رہی ہو؟“

”یہ باتیں فضول نہیں ہیں ماما!“ وہ ان کا ہاتھ تھام کر بولی جبکہ انہوں نے اس کی طرف سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

”ماما! آپ نے پاپا سے شادی کی، وہ مسلمان نہیں تھے پھر بھی آپ کو ان کے ساتھ زندگی گزارنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا، کیوں ماما! کیونکہ آپ مذاہب کے فرق کو نہ سمجھتی تھیں

جاتا ہے۔ میں صرف اس وقت خوف محسوس کرتی ہوں جب میں اسے چھوڑ کر دنیا کو اپنا بناتی ہوں۔ میں صرف اسی وقت خود کو رنجیدہ پاتی ہوں جب میں دنیا کی تمام خوشیوں پر اپنا حق جتاتی ہوں۔ میں..... میں خود کو صرف اس وقت مکمل تصور کرتی ہوں جب میں اس کے آگے سجدہ کرتی ہوں۔“ وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں انتہائی مطمئن انداز میں بول رہی تھی۔

ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے اندر الفاظ خود بخود وجود میں آ رہے ہیں۔ حقیقت ہے کہ جو اسے اپنے اندر محسوس کر لیتا ہے وہ اسے بیان کرنے کی نعت عطا کر دیتا ہے۔

”تم کس قدر فضول سے باتیں کرنے لگی ہو۔ تم..... تم زندگی کو پوری طرح جیو، مجھے دیکھو! میں آج تک زندگی کو بھرپور طریقے سے انجوائے کر رہی ہوں اور تم ہو کہ.....“

”نو ماما!“ وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔

”انسان زندگی کو اتنا ہی جیتا ہے جتنا وہ لہس کو سمجھتا ہے۔ باقی کی زندگی کو تو وہ اس لمحے کی طرح جیتا ہے جس میں کچھ بھی حاصل نہیں ہو پاتا ایک بے مقصد لمحہ کی مانند۔“ وہ مزید بولی۔

”اور ماما! آپ شاید پوری زندگی کو اسی ایک لمحے کی مانند سمجھتی آئی ہیں جو بالکل بے مقصد ہے۔“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں چاہتی تھی کہ تم اپنی زندگی کو پورے اعتماد کے ساتھ گزارو مگر جب سے امان تمہاری زندگی میں آیا ہے تم.....“

”پلیز ماما! امان کو کچھ مت کہیں۔“ وہ فوراً بولی۔

”امان کی محبت نے مجھے اعتماد دیا ہے ماما! جبکہ آپ کی محبت میں میں ہر وقت خوفزدہ ہی رہتی تھی۔ آپ کو کھودینے کا ڈر مجھے کمزور بنا دیتا تھا اور آج امان کو خود سے دُور کر کے میں خوفزدہ نہیں ہوں بس..... بس خود سے شرمندہ ہوں۔“

”سیدہ! تم مجھے بار بار پریشان کر رہی ہو۔ مجھے لگتا ہے کہ تم مجھ سے بالکل محبت نہیں کرتیں۔“ انہوں نے ایک بار بھر وہی دہرایا۔

”بس کیجئے ماما! آپ نے یہی الفاظ کہہ کر مجھے بلیک میل کیا ہے۔“ وہ تاسف سے گویا ہوئی۔

مغم کر دینا چاہتی تھیں، آخر کیوں ماما!“ وہ بالآخر رو پڑی تھی۔

وہ ابھی اُنھنے کا قصد کر رہی تھیں کہ اس کی آواز پر فوراً رُک گئیں۔

”میرے اندر ظاہری خوبصورتی کا اتنا خول چڑھا دیا کہ مجھے اپنے اندر کی بدصورتی کا کبھی احساس تک نہ ہوسکا۔“ وہ دوپٹے کے پتوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

”میں جانتی ہوں ماما! کہ میں مسلمان ہوں۔ میں دل سے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتی ہوں اور شکر ہے اللہ کا کہ میں ان تمام چیزوں سے دُور ہوں جو مجھ پر حرام ہیں۔ میں ایک مسلمان آدمی کی مسلمان بیوی ہوں اور میری اولاد بھی مسلمان ہے ماما! میں اپنے رب کی بے حد شکر گزار ہوں۔“

وہ چپ چاپ اسے روتا دیکھ رہی تھیں۔ پھر اسی خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئیں تو وہ نم آنکھوں سے ان کو جاتا دیکھتی رہی۔



”گڑیا! جلدی سے اُٹھو یہ جوس پی لو مینا! ہری آپ!“ وہ اسے بستر پر سے اُٹھا کر اپنی گود میں بٹھاتے ہوئے محبت سے بولا۔

”پاپا! اب میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے اس کی گروہن کے گرد بازو پھیلا کر لاڈ سے کہا۔
”ابھی آپ بالکل ٹھیک نہیں ہو جینا! اب بھی آپ کو تھوڑا سا نمپر بچر ہے۔“ اس نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور جوس کا گلاس اس کے منہ کو لگا دیا۔

”پاپا! ماما کب آئیں گی؟“ وہ اسے جوس پلا کر دوبارہ بیڈ پر لٹا کر مڑنے ہی والا تھا جبکہ اس نے اس سے سوال کیا۔

وہ فوراً پلٹ کر اسے دیکھنے لگا جو بڑی آس بھری نظروں سے اسے تنگ رہی تھی۔
”آئیں گی جینا! جیسے ہی ان کا کام ختم ہوا وہ سیدھی اپنی گڑیا کے پاس ہی آئیں گی۔“ وہ ایک بار پھر اسے تسلی دینے لگا اور اسے سلا کر باہر نکل گیا۔

آفس کی ایک دو فائلز کا کام مکمل کر کے وہ تقریباً دو گھنٹے بعد جب کمرے سے باہر آیا تو شام کے چار بج چکے تھے۔ آج چونکہ سنڈے تھا اور ہر سنڈے کو وہ شام کے وقت گڑیا کو ایک قریبی پارک میں ضرور لے کر جاتا تھا جبکہ وہیں سے واپسی پر وہ ڈنر کے گھر واپس آتا تھا۔

اور نہ کبھی اس میں دلچسپی لی تھی۔ میں نے بھی ایک کیری نام کے شخص سے محبت کی جو عیسائی تھا لیکن آپ کو کوئی اعتراض نہیں تھا کیونکہ وہ ایک کامیاب شخص تھا اور آپ کے نزدیک یہ کوئی گناہ نہیں تھا۔ اگر آپ کو اس گناہ کا احساس ہوتا تو آپ مجھے کبھی کیری کے ساتھ منسلک نہ کرتیں۔ لیکن شاید یہ گرینڈ ماما کی دُعا میں تھیں میرے لئے کہ میں نے جس سے محبت کی تھی وہ میری زندگی میں ایک مسلمان بن کر آیا تھا لیکن ماما! آپ کو تب بھی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ میں..... میں نے آپ کی اور اپنی زندگی کے بارے میں بہت سوچا ہے ماما! اور مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آپ نے میری تربیت کس انداز میں کرنا چاہی تھی؟ آپ نے مجھے یہ بتایا کہ میں مسلمان ہوں لیکن کبھی میرے اندر مسلمان ہونے کے احساس کو پیدا ہونے نہیں دیا۔ اسی لئے آپ نے مجھے گرینڈ ماما سے بھی دُور رکھا تاکہ یہ احساس میرے اندر کبھی پیدا نہ ہو سکے۔ آپ کو امان کا بھی گرینڈ ماما سے ملنا پسند نہیں تھا ماما! حالانکہ وہ تو بہت پہلے سے ہی اللہ کا بندہ بن چکا تھا۔“ وہ خاموشی سے اسے بولتا دیکھ رہی تھیں۔

”ماما! آج میں آپ سے اپنے دل کی بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔“ وہ تھوڑی دیر کے لئے رُک کر پھر دوبارہ بولی۔

”ماما! میری بہت چھوٹی چھوٹی خواہشیں تھیں جن کا مجھے کبھی احساس بھی نہیں تھا کہ وہ میرے اندر کہیں چلتی جا رہی ہیں۔ مجھے اپنی ان خواہشوں کے پورا ہو جانے کا احساس امان سے مل کر ہوا تھا۔ ماما!..... ماما! وہ میرا برتھ ڈے بہت خوشی سے مناتا تھا، بالکل ویسے ہی جیسے میں نے ہمیشہ آپ کے بارے میں سوچا تھا مگر..... مگر آپ کی تو اپنی ایک نئی دنیا تھی۔“ اس کے لیوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ آکر ٹھہری گئی۔

”مجھے کبھی آپ سے اس وقت بھی شکایت نہیں رہی تھی جب میں ایکسڈنٹ کے باعث ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہی۔ ماما! تب بھی آپ معروف تھیں اور میں آپ کے لئے کتنا رُپ رہی تھی، اس کا آپ کو کبھی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن امان..... ماما! وہ میری ایک معمولی سی تکلیف پر رُپ جاتا تھا۔ جن چیزوں کی آپ مجھے آفر کرتی تھیں ناں! وہ میرے مذہب میں حرام ہیں، اور اس بات کا احساس بھی مجھے امان نے دلایا تھا۔ آپ نے مجھے میرے مذہب سے کبھی قریب نہیں کیا بلکہ مندر اور چرچ جانے کی آزادی دے کر مجھے بھی ان تمام غیر مسلموں میں

گئے، اوکے!“ وہ اس کی بات سن کر فوراً اسٹڈی روم کی طرف دوڑ پڑی جبکہ وہ قدرے حیرت سے دونوں کو باری باری دیکھتی رہی۔

”سیدہ! تم شاور لے لو، فریش ہو جاؤ تب تک میں تمہارے لئے کافی بناتا ہوں۔“ وہ دھیرے سے اس کے چہرے کو چھو کر بولا اور کچن کی طرف مڑ گیا۔

اس نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکنا چاہا۔

”ابنی پرابلم سیدہ!“ وہ اس کی طرف دیکھ کر تنفر سے گویا ہوا۔

”امان! دیا..... میرا مطلب ہے کہ.....“ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیسے اپنی بات کہے۔

”امان! دیا مجھے کیسے پہچانتی ہے؟ وہ مجھے دیکھ کر فوراً میری طرف اس طرح لپکی تھی جیسے.....“ اس کی بات سن کر وہ دھیرے سے مسکرا کر بولا۔

”وہ ہر روز رات کو تمہاری تصویروں کا البم دیکھتی ہے اور اب کچھ عرصے سے تو وہ اس قدر عادی ہو گئی ہے کہ جب تک تمہیں تصویروں میں نہ دیکھ لے اسے نیند نہیں آتی۔“ وہ یکدم چہرہ ہاتھوں میں لے کر رو پڑی۔

”نوسیدہ!“ وہ اس کے چہرے سے دونوں ہاتھ ہٹاتے ہوئے نرمی سے بولا۔

”بس! اب نہیں رونا، اوکے!“ وہ اسے خود سے لگاتے ہوئے محبت سے کہنے لگا۔

”چلو فریش ہو جاؤ! میں کافی بناتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”امان! تم بھی مجھے دیکھ کر حیران نہیں ہوئے تھے اور..... اور نہ کوئی شکوہ.....“

”سیدہ!“ وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

”مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے اور حیران اس لئے نہیں ہوا کہ دن میں نجانے کتنی بار میں تمہیں یونہی آتے دیکھا کرتا تھا اور آج جب واقعی تمہیں دروازے پر دیکھا تو دل مطمئن ہو گیا تھا۔“ وہ اطمینان سے بولا۔

”بس! اب تم کوئی بات نہیں کرو گی۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ کیونکہ وہ جو تمہاری بیٹی ہے ناں! یہ بھی بالکل تمہاری جیسی ہے، دیر ہو جانے پر شکوہ ہرگز نہیں کرے گی، بس! آنکھوں میں آنسو، بھ کر مجھے دیکھتی رہے گی۔“

وہ گزیا کو جگا کر واش روم بھیج کر اپنے لئے کافی بنانے کے لئے کچن میں چلا گیا۔ تب ہی ڈور بیل کی آواز پر وہ فوراً کچن سے نکل کر لاؤنج میں چلا آیا اور دروازہ کھولنے لگا۔

اسے اچانک اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر اسے بالکل حیرت نہیں ہو رہی تھی۔ ایک بھر پور نظر اس پر ڈال کر وہ سائیڈ پر ہو گیا تو وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اندر داخل ہو گئی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ لاک کر دیا اور چند لمبے وہیں رکنے کے بعد اس کے پیچھے جا کر کھڑا ہوا اور اس کے گرد اپنے دونوں بازو پھیلا کر اسے خود سے قریب کر لیا۔

اس کا یہ رد عمل دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ فوراً پلٹ کر اس کے سینے سے جا لگی اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

جبکہ اس نے ایک اطمینان کا گہرا سانس بھرا۔ وہ اسے چپ کرانا نہیں چاہتا تھا۔ تب ہی اسے خوب رونے دیا۔

کافی دیر بعد جب وہ سنبھلی تو اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسی مخصوص مدہم سی مسکراہٹ سمیت وارفتگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ فوراً نظریں جھکا گئی تو وہ یکدم قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

اسے یوں معنی خیز انداز میں ہنسا دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اسی کے نظریں جھکانے پر ہی ہنسا ہے تو وہ بھی اپنی گہری مسکراہٹ کو روک نہ پائی اور کھل کر مسکرا دی۔

”امان! دیا کہاں ہے؟“ اس نے تھوڑی دیر بعد بیتابی سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

بیمیں اسی لمبے وہ بیڈ روم سے بھاگتی ہوئی لاؤنج میں آئی اور ایک نظر اس پر ڈال کر فوراً اس کی طرف دوڑ پڑی۔ جبکہ اس نے جھک کر اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور سینے سے لگا کر دھیر سا راپا کر کرنے لگی۔

”ماما! اب آپ کہیں مت جائیے گا۔“ وہ اس کے چہرے پر پیار کرتے ہوئے بولی۔

”کبھی نہیں جاؤں گی۔“ اس نے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو بمشکل ضبط کرتے ہوئے کہا۔

”چلو گزیا! آپ اپنا ہوم ورک کمپلیٹ کر و جلدی سے پھر ہم ماما کے ساتھ باہر جائیں

ایک فاتحانہ مسکراہٹ ان کے چہرے پر ڈر آئی۔ انہیں سدیہ کی بے اعتنائی کا دکھ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ جسے انہوں نے ساری زندگی اپنی انگلیوں کے اشاروں پر رکھا، وہ اس کے غم میں ہرگز مبتلا نہیں ہو سکتیں۔

شاید..... شاید اپنی ماں کی وجہ سے.....؟
”ہرگز نہیں!“

وہ تجنی سے باواز بلند بولیں۔

ابھی دو ماہ پہلے ان کی ڈیڑھ کی خبر سن کر بھی انہیں کوئی فرق نہیں پڑا تھا تو اب وہ ان کے لئے کیسے بے چین ہو سکتی ہیں؟

وہ تیزی سے انھیں اور اپنے کمرے میں بنے ایک ڈرنک کارز کی جانب بڑھ گئیں اور جلدی سے وائن کو گلاس میں انڈیل کر گلاس منہ سے لگا لیا۔

ایک لمحے کے لئے انہیں لگا کہ اس گلاس میں وائن کی جگہ تیزاب ہے جو قطرہ قطرہ ان کے حلق میں اتر رہا ہے۔ انہیں اپنا حلق چھلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

انہیں اپنے اندر کڑواہٹ کھلتی محسوس ہو رہی تھی۔ انہوں نے فوراً ایک گلاس پانی کا بھرا اور چہنے لگ گئیں۔ انہیں تھوڑا سا سکون محسوس ہوا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھیں اور بستر پر گر گئیں۔

آج انہیں اپنا آپ بہت خالی خالی سا لگ رہا تھا۔ اب سے پہلے کبھی انہوں نے خود کو ایسی حالت میں گھرا محسوس نہیں کیا تھا، بلکہ کسی بھی ٹینشن کو وہ ایک پیگ لے کر دُور کر لیا کرتی تھیں مگر آج تو جیسے اس کا بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

وہ پُرسکون نیند سونا چاہتی تھیں مگر نیند بھی ان کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ انتہائی بے چینی کی حالت میں انھیں اور کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگانے لگیں۔ انہیں اپنی تنہائی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

لیکن وہ تو کبھی تنہا تھیں ہی نہیں۔ انہوں نے اپنے کمرے میں بچہ بیش قیمت ڈیکوریشن پیمز کو دیکھا جو انہوں نے دُنیا بھر میں گھوم گھوم کر خریدا تھا۔ سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے مگر ان کی چمک سے یکدم انہیں شدید اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔ ان کی خوبصورتی

اس کی بات پر وہ کھل کر ہنس پڑی تو وہ بھی مسکرا کر کچن کی جانب چل پڑا۔
کتنا اچھا لگ رہا تھا آج اسے یوں اپنے گھر میں اپنے ایک چھوٹے سے خاندان کے درمیان خود کو محسوس کر کے۔ وہ آج بے حد مسرور تھی۔

اس نے ایک نظر اسٹڈی روم کے کھلے دروازے سے نظر آتی دیا پر ڈالی جو بڑے منہبک سے انداز میں ہوم ورک کرنے میں مصروف تھی جبکہ دوسری نظر اس نے کچن کی وینڈو پر ڈالی جہاں سے وہ اسے باسانی کافی پھینتے ہوئے دیکھ سکتی تھی۔

اس نے ایک اطمینان بھرا سانس لیا اور آسمان کی جانب تشکر آمیز نظروں سے دیکھنے لگی۔

وہ سب سے پہلے شکرانے کے نوافل ادا کرنا چاہتی تھی۔ سو وضو کرنے کی خاطر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

♦ ♦ ♦

پتہ نہیں کیوں وہ آج کل خود کو بے حد مضطرب اور بکھرا بکھرا محسوس کر رہی تھیں؟ اور یہ اضطراب کیسا تھا؟ وہ بالکل نہیں جانتی تھیں۔ شاید آج انہیں برائن کی موت کا افسوس ہو رہا تھا۔ اسی وجہ سے وہ خود کو اکیلا محسوس کر رہی تھیں۔
”نہیں!“ وہ زیر لب بڑبڑائیں۔

برائن کے بغیر تو انہوں نے زندگی کا ایک اہم دور اکیلے گزار دیا تھا تب بھی کبھی انہوں نے خود کو نوٹا سا محسوس نہیں کیا تو..... تو آج.....؟

شاید پاپا کی ڈیڑھ کی وجہ سے.....؟
”نہیں!“

ان کی ڈیڑھ کا تو انہیں اس وقت بھی دکھ نہیں ہوا تھا جب وہ ان کے سامنے دم توڑ رہے تھے۔

تو پھر.....؟

شاید سدیہ کی بے اعتنائی کی وجہ سے؟
”اونہ!“

تھوڑی دیر بعد وہ انھیں اور اضطراب کے عالم میں کمرے میں ادھر سے ادھر چلنے لگیں۔ نہ جانے کون کون سی سوچیں ان کے دماغ پر حاوی ہو رہی تھیں۔ یکدم شدید طیش کے عالم میں وہ ڈرنک کارز کی جانب بڑھیں اور شوکیس میں جی واٹن کی بوتلوں کو ایک ہاتھ کے جھٹکے سے زمین پر پٹخ دیا۔ کمرے میں ایک ناگواری بو پھیل چکی تھی۔ یکدم انہیں ابکائی محسوس ہوئی۔

وہ فوراً واش روم میں کھس گئیں اور واش بیسن کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔ انہیں اپنی آنتزیاں باہر نکلتی محسوس ہو رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے پانی نکل کر ان کے چہرے پر پھیل رہا تھا۔

”سیدہ کہتی تھی کہ میں نہیں جانتی کہ میں.....“ اس سے آگے وہ مزید کچھ بھی نہ بول سکیں۔ ان کا دماغ یکدم ماؤف ہو گیا تھا۔

بالکل اچانک انہیں اپنے اندر اور باہر سے شدید الجھن محسوس ہونے لگی تھی۔ جس ناگواری کے باعث انہیں ابکائی محسوس ہو رہی تھی، یہی ناگواری اور بد بون کے اندر بھی تو ساری زندگی سے ڈیرہ جمائے ہوئے تھی مگر انہیں اس کا کوئی احساس نہیں تھا۔

انہوں نے دیوار گیر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا جہاں میک اپ کی تہوں نے ان کی جھریوں کو چھپا رکھا تھا۔ مگر انہیں لگا کہ اس میک اپ نے ان کے اندر کی بدنمائی کو چھپا رکھا ہے۔ انہوں نے پانی سے رگڑ رگڑ کر منہ دھو ڈالا اور ایک بار پھر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنے لگیں۔ انہیں خود سے بے تحاشا نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

”یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟“ وہ اپنے بالوں کو دونوں ہاتھوں میں جکڑتے ہوئے ہونٹ چبا کر جھنجھلا نے والے انداز میں بولیں۔

”مجھے کیوں اپنے آپ سے گھن محسوس ہو رہی ہے؟ میں..... میں کیوں ایسا کر رہی ہوں؟ میں اتنی اکیلی کیوں ہوں؟“ وہ بولتے بولتے آہستگی سے چلتے ہوئے کمرے میں آئیں۔ وہ خود سے سوال و جواب کر رہی تھیں۔

”مجھے سب نے اکیلا کیوں چھوڑ دیا؟“

”شاید میں نے سب کو چھوڑ دیا۔“

انہیں بدظن کر رہی تھی۔

اکثر گھبراہٹ کے عالم میں وہ اپنے فرینڈز کی طرف چلی جاتی تھیں مگر اس وقت انہیں کوئی بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ بس گھر میں رہ کر اپنی اس کیفیت سے باہر آنا چاہتی تھیں۔ انہیں اپنا پورا جسم آگ کی مانند جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا مگر انہیں ٹپکڑ نہیں تھا۔ وہ بستر پر لیٹ گئیں تب ہی بالکل اچانک ان کا دل چاہا کہ کوئی ان کا دھیرے دھیرے بہت محبت سے سرد بادے۔

بہت پہلے جب وہ چھوٹی ہوتی تھیں تو ماما ان کا سراپنی گود میں رکھ کر بہت محبت سے ان کے سر میں انگلیاں پھیرتیں تو ان کی ساری تھکن دور ہو جاتی۔

پھر سیدہ بڑی ہوئی تو وہ ان کو تھکتا ہوا محسوس کرتی تو فوراً ان کے بستر پر چڑھ کر ان کا سر دبانے لگ جاتی۔ وہ اب بھی انہیں محبت بھرے لمس کو محسوس کرنا چاہتی تھیں۔

”ماما! پاپا!“ یکدم وہ زور زور سے چلانے لگی تھیں۔

”سیدہ! کہاں ہو تم؟ کہاں چلے گئے ہو تم سب؟ مجھے..... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے اکیلے میں، میں تنہا نہیں رہ سکتی ماما!..... ماما! آپ کہاں ہیں؟ مجھے نیند نہیں آ رہی۔ میرا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے۔ میرا سر دبا دیں ماما! پلیز آپ..... آپ میرے پاس آ جائیں۔“ وہ بے تحاشا روتے ہوئے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتی جا رہی تھیں۔

یکدم ہذیانی کیفیت ان پر طاری ہو گئی اور وہ بے رحمی سے آنسو صاف کرتے ہوئے زور سے بولیں۔

”مجھے..... مجھے کسی کی یاد نہیں آتی اور نہ میں کسی کو اتنا اہم سمجھتی ہوں کہ میں کسی کی یاد میں تڑپوں۔“ وہ اپنے آپ سے میں نہیں لگ رہی تھیں۔

”پھر میں..... میں کس کو یاد کروں؟ کون ہے میرا؟“ وہ ذہنی خلفشار کا شکار ہو رہی تھیں۔

”اور میں..... میں کس کی ہوں؟ سب مجھے چھوڑ گئے ہیں۔ پاپا، برائے اور ماما، سب چھوڑ گئے۔ سیدہ کبھی میرا خیال نہیں ہے۔ تو پھر..... تو پھر کس کو میرا خیال ہے؟ کون ہے جو مجھے نہیں چھوڑ سکتا؟“

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتیں بیزاری سے ایزی چیئر کی طرف بڑھ گئیں اور مزید گویا ہوئیں۔

”میں کب سے اکیلی ہوں؟“

”شاید ساری زندگی سے۔“

”لیکن نہیں! میں تو کبھی تنہا نہیں ہوئی۔ میرے..... میرے اتنے ڈھیر سارے دوست ہیں۔ پھر..... پھر وہ اس ایک ماہ کے دوران میرے پاس کیوں نہیں آئے؟ میں زندہ ہوں یا مر گئی ہوں؟ کسی کو میری کوئی فکر نہیں ہے۔“

”نہیں! میری ماں میرے باپ اور میری بیٹی کو میری فکر ہے، بہت فکر ہے۔“

”پھر..... پھر وہ میرے پاس کیوں نہیں ہیں؟“ وہ پریشانی کی حالت میں خود سے باتیں کئے جا رہی تھیں۔

تمام سوال ان کے ذہن میں آ رہے تھے مگر وہ اب تک اس سوال کو اپنی زبان پر لانے سے قاصر تھیں جس کا جواب مل جانے پر وہ اپنے اصل تک پہنچ سکتی تھیں۔ وہ ایک کرب میں مبتلا ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ مزید وہ کچھ بھی نہ بول سکیں۔ ان کی زبان نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

وہ بالکل خاموشی سے ایزی چیئر پر سر ڈال کر آسمان کی طرف ٹھٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں۔ ایک ہی نقطے پر مرکوز ان کی آنکھوں کے کناروں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ان کے ساکت ہونٹوں پر چپ ثبت تھی۔

ان کی ساکت اور جامد آنکھوں میں ایک ہی سوال ابھرتا نمایاں ہو رہا تھا۔

”کی جاناں میں کون!“

ان کی سانسیں بالکل مدہم مدہم سی چل رہی تھیں جبکہ آنکھوں کی پتلیاں بالکل ساکن تھیں۔

(اللہ جنہیں چاہتا ہے اپنے بارے میں آگہی پیدا کرنے کی طاقت دے دیتا ہے)۔

اختتام